1349

پانی پت اور

بزرگانِ پانی پت

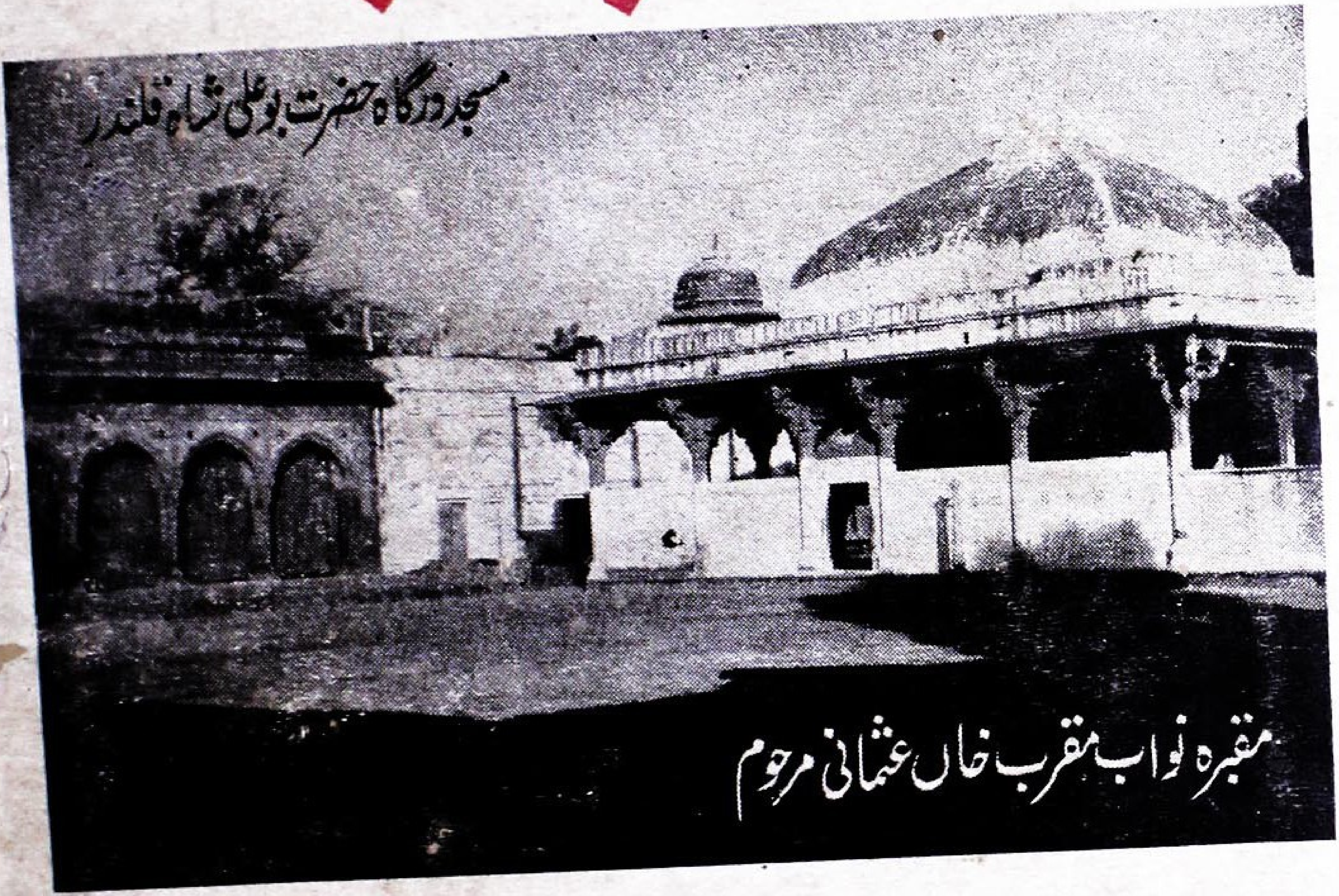

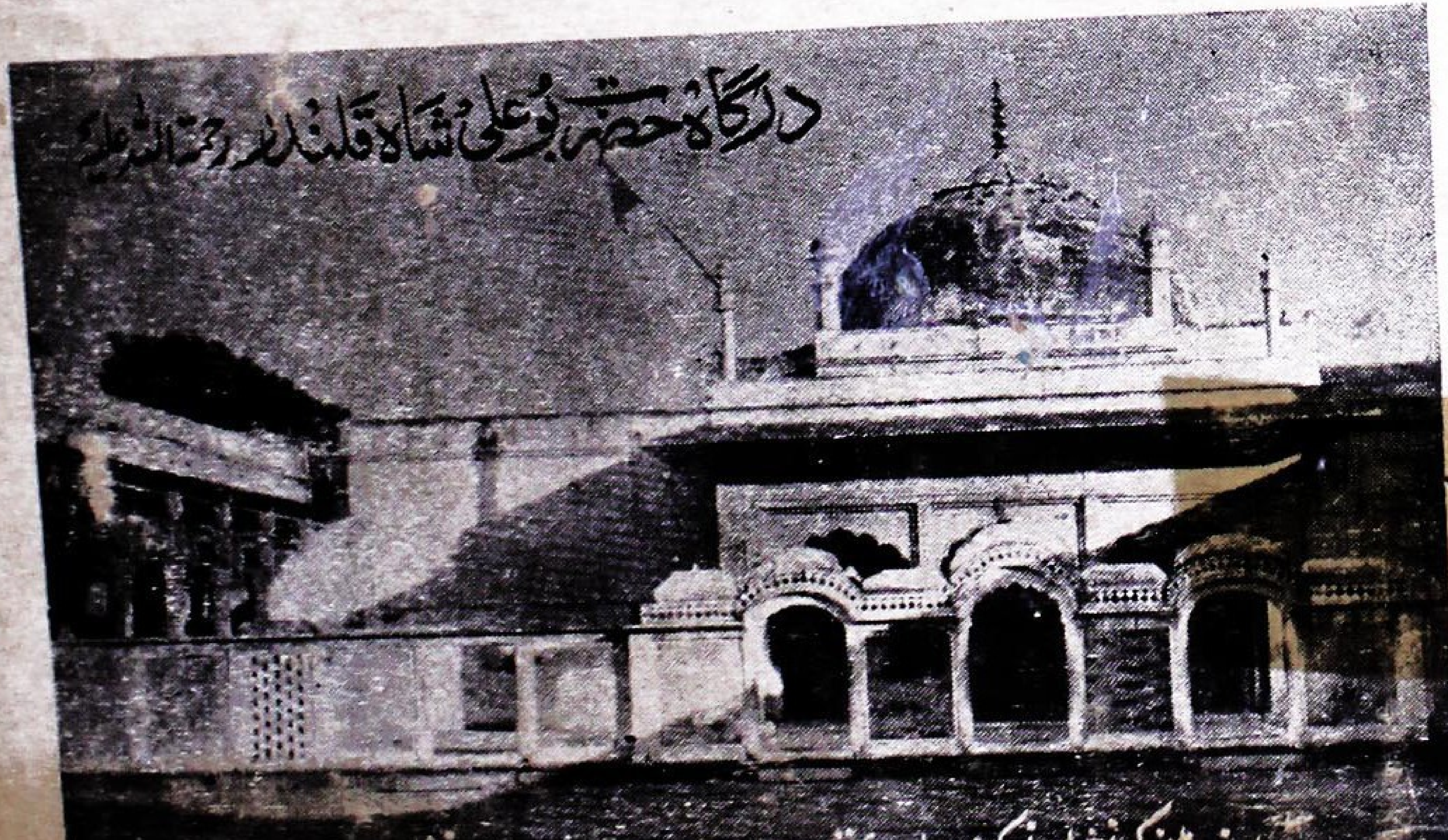

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

هوالحق

پانی پت

اور

بزرگانِ پانی پت

سیدنا

حضرت بوعلی شاہ قلندرؒ

حضرت خواجہ شمس الدین ترک۔ مخدوم المشائخ شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء
شیخ اعلیٰ چشتی پانی پتی وغیرہم۔ رحمہم اللہ

از

مولانا سید محمد میاں صاحب۔ ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند
مصنف۔ علماء ہند کا شاندار ماضی۔ علماء حق۔ تاریخ اسلام۔ اسلامی فکر وغیرہ

حسب فرمائش
حضرت مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی۔ پانی پتی

مطبوعہ الجمعیۃ پریس دہلی ۶
قیمت ۸؍

ملنے کا پتہ:۔ (۱) حضرت مولانا لقاء اللہ عثمانی۔ پانی پت ضلع کرنال (پنجاب)
(۲) کتابستان۔ گلی قاسم جان۔ دہلی۔ ۶

Marfat.com

129485

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	عام عقیدت کے اسباب	۵
۲	وجہ تالیف	۶
۳	تاریخ پانی پت کا ایک نظر انداز پہلو	۷
۴	ایک دلچسپ معمہ	۷
۵	معمہ کا حل	۸
۶	تاریخی حقیقت	۸
۷	حضرت قلندر صاحب کے زمانہ کا سیاسی ماحول	۱۱
۸	بادشاہ کے متعلق ان بزرگوں کے خیالات	۲۴
۹	حضرت بو علی شاہ قلندرؒ	۲۹
۱۰	خاندان اور نسب	۳۰
۱۱	نانیہالی سلسلہ	۳۱
۱۲	سال ولادت	۳۵
۱۳	ولادت کے بعد کثرت گریہ اور تسکین کی عجیب غریب صورت	۳۵
۱۴	تعلیم	۳۶
۱۵	اساتذہ	۳۶
۱۶	پانی پت سے دہلی اور سلسلہ درس قضا	۳۷
۱۷	حکم نامہ کیا ہے؟	۴۰
۱۸	مشائخ	۴۲
۱۹	مریدین	۴۷
۲۰	استغنا اور بے نیازی	۴۹
۲۱	تصنیفات	۵۱
۲۲	ایک بنیادی فرق	۵۸
۲۳	قلندری اور شان قلندری	۶۱
۲۴	لفظ قلندر کے معنی	۶۲
۲۵	قلندر اور سالک میں فرق	۶۶
۲۶	قلندری اور پابندی شریعت	۶۸
۲۷	بنیادی غلطی	۷۱
۲۸	اسباب ترک	۷۷
۲۹	سیاسی بحران کا اثر علما اور مشائخ پر	۹۰
۳۰	دین و ایمان کے حق میں اندرونی خطرات، حفاظت کی صورتیں اور لائحہ عمل	۱۰۱
۳۱	تبلیغ و اشاعت کا لائحہ عمل، مسلک عشق و محبت کا پرچار	۱۰۴
۳۲	حضرت قلندر صاحب اور مسلک عشق	۱۰۷
۳۳	ایک سوال اور جواب	۱۰۹
۳۴	ہم رنگی کیا ہے؟	۱۱۰
۳۵	سوانح نگاروں کے بیان میں تعارض اور تضاد	۱۱۶
۳۶	کیا جذب مقصود ہے؟	۱۲۰

Marfat.com

۳۷	ہم رنگی محبوب کی حقیقت اور اسکی صحیح تصویر	۱۲۲
۳۸	مذہب عشق، تبلیغ واصلاح کا لائحہ عمل	۱۲۵
۳۹	مسلک عشق کی غلط تفسیر	۱۲۶
۴۰	گوجری کا افسانہ	۱۳۱
۴۱	حضرت قلندر صاحب کی وفات اور آپکا مزار	۱۳۵
۴۲	مزار شریف کہاں ہے	۱۳۷
۴۳	خطاب قتال اور وجہ خطاب	۱۴۱
۴۴	ہم عصر اصحاب کمال اور حضرت قلندر صاحب	۱۴۴
	حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری	
	حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی	۱۴۴
	مخدوم المشائخ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ	
	سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ	۱۵۴
	اور حضرت امیر خسروؒ	
	شیخ احمد یحییٰ و شیخ شرف الدین منیری	۱۶۲
	رحمہم اللہ۔ متوفی ۷۸۲ھ	
۴۵	حضرت قلندر صاحب اور شاہانِ دہلی	۱۶۳
۴۶	بادشاہوں کے تعلقات	۱۶۴
۴۷	خاتمہ کلام	۱۶۹
۴۸	حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی	۱۷۱
۴۹	وطن اور سلسلۂ نسب	۱۷۱
۵۰	تعلیم اور تأہّل	۱۷۲
۵۱	فوجی ملازمت	۱۷۷
۵۲	فوجی ملازمت کب کی؟	۱۷۸
۵۳	فوجی ملازمت کیوں کی؟	۱۷۹
۵۴	فوج میں کشف وکرامت کا ظہور	۱۸۵
۵۵	پانی پت میں تشریف آوری	۱۹۰
۵۶	کرامت کے ذریعہ سید ہونے کا ثبوت	۱۹۳
۵۷	حضرت شمس الدینؒ کی خدمات	۱۹۴
۵۸	حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات	۱۹۵
۵۹	اولاد	۱۹۵
۶۰	مخدوم المشائخ حضرت خواجہ محمد جلال الدین کبیر الاولیاءؒ عثمانی گاذرونی قدس سرہ	۱۹۹
۶۱	نام نامی	۲۰۰
۶۲	وطن اور سلسلۂ نسب	۲۰۰
۶۳	سلسلۂ پرورش	۲۰۱
۶۴	تعلیم وتربیت	۲۰۱
۶۵	ذریعہ معاش	۲۰۳
۶۶	نکاح	۲۰۵
۶۷	سیاحت اور حج	۲۰۷
۶۸	بیعت	۲۱۱
۶۹	حضرت شیخ کی خدمت	۲۱۲
۷۰	سند خلافت	۲۱۳
۷۱	کمالات وکرامات	۲۱۵
۷۲	مستجاب الدعوات ہونا	۲۱۹
۷۳	آخری دور اور استغراق	۲۴۳
۷۴	صاحبزادگان	۲۴۳
۷۵	خلفاء	۲۴۵
۷۶	شیخ عثمان زندہ پیر	۲۴۸
۷۷	شیخ نظام الدین	۲۴۹
۷۸	شاہ اعلیٰ چشتی پانی پتی	۲۵۰
۷۹	اصل نام	۲۵۱
۸۰	سال ولادت، بچپن اور ابتدائی دور	۲۵۱
۸۱	فوجی ملازمت کیوں اختیار کی	۲۵۲

Marfat.com

۸۲ اسلحہ کا بے پناہ شوق اور تائید غیبی کی عجیب و غریب مثال ۲۵۳

۸۳ دوبارہ تلاش ملازمت اور ناکامی ۲۵۴

۸۴ قلندرانہ زندگی اور سیاحت ۲۵۵

۸۵ بہار ۲۵۶

۸۶ چلہ کشی ۲۵۸

۸۷ چلہ کیا ہے؟ ۲۵۸

۸۸ حضرت شیخ نظام الدین نارنولی سے رابطہ اور تعلق ۲۵۸

۸۹ قیاسات ۲۶۰

۹۰ عجیب و غریب انکشافات ۲۶۲

۹۱ مجاہدہ کی نوعیت اور توکل علی اللہ کی نادر مثال ۲۶۳

۹۲ صبر وضبط اور تسلیم و رضا ۲۶۴

۹۳ چند کرامتیں ۲۶۴

۹۴ وفات ۲۷۰

۹۵ مزار مبارک ۲۷۰

۹۶ ایک خاص کرامت ۲۷۰

۹۷ تنبیہ ۲۷۱

۹۸ حضرت خواجہ عبدالرحمٰن گازرونیؒ ۲۷۲

۹۹ سلسلۂ نسب از حضرت شاہ اعلیٰ تا حضرت عثمان ذی النورینؓ بحوالہ سیر الاقطاب ۲۷۲

۱۰۰ پانی پت کے نام خواجہ سہیل احمد کا پیغام ۲۷۴

۱۰۱ پانی پت — انقلاب ۱۹۴۷ء اور مولانا لقاء اللہ عثمانی ۲۷۸

۱۰۲ مولانا لقاء اللہ صاحب کا تعارف ۲۷۸

۱۰۳ چند سبق آموز اور قابل تقلید شخصیتیں ۲۷۹

۱۰۴ حب وطن ۲۸۰

۱۰۵ غم کس بات کا تھا؟ ۲۸۱

۱۰۶ قناعت ۲۸۱

۱۰۷ مولانا کا اثر غیر مسلموں پر ۲۸۱

۱۰۸ حضرت مولانا لقاء اللہ صاحب کا بیان ۲۸۳

۱۰۹ فساد کی ابتدار ۲۸۳

۱۱۰ امن کی کوشش ۲۸۴

۱۱۱ گاندھی جی کی آمد ۲۸۸

۱۱۲ مسلمانوں کے انخلاء کا فیصلہ ۲۸۹

۱۱۳ دیہاتی مسلمان اور ان کا انخلاء ۲۹۰

۱۱۴ کانگریسی دوستوں کی غلط بیانی ۲۹۲

۱۱۵ ۴ر دسمبر کو مہاتما گاندھی کی تشریف آوری ۲۹۲

۱۱۶ ہتھیار ۲۹۳

۱۱۷ اسپیشل ٹرینوں کا انتظام ۲۹۳

۱۱۸ فساد کا ذمہ دار کون تھا؟ ۲۹۴

۱۱۹ انخلاء مسجد درگاہ حضرت مخدوم صاحب ۲۹۵

۱۲۰ ایک کرامت ۲۹۶

۱۲۱ خواتین کی بازیابی اور مذہبی آزادی ۲۹۷

۱۲۲ کام کی نوعیت اور گاندھی جی کا حادثۂ قتل ۲۹۸

۱۲۳ دینی تعلیم کا سلسلہ ۲۹۹

۱۲۴ تنظیم اوقاف ۳۰۱

۱۲۵ سیکولرزم کا ایک خوشگوار نتیجہ ۳۰۲

۱۲۶ مسلمانوں کی جائیدادوں کی واگزاری ۳۰۳

۱۲۷ مغویہ عورتوں کی بازیابی ۳۰۴

۱۲۸ خاتمۂ کتاب، ایک سبق جو کبھی فراموش نہ ہونا چاہیے۔ ۳۰۶

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

پانی پت اور بزرگانِ پانی پت

عام عقیدت کے اسباب

پانی پت ہندوستان کا مشہور شہر ہے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کے مشہور سپہ سالار اور فاتح راجہ "ارجن" نے اس کی بنیاد رکھی تھی۔

دہلی یہاں سے جنوب کی جانب ۵۳ میل کے فاصلہ پر ہے اور جانب شمال میں تقریباً ۴۰ میل کے فاصلہ پر برادرانِ وطن کا مشہور "تیرتھ" کورک شیتر ہے۔ جس کا دوسرا نام "تھان الیشور" تھا۔ جو بعد میں "تھانیسر" ہوگیا۔

ہندوستان کی تاریخ قدیم میں اگر "کورک شیتر" اس لئے شہرت رکھتا ہے کہ یہاں ایک خونریز معرکہ نے "حق و ناحق" کا فیصلہ کیا تھا، تو بعد کی تاریخ میں پانی پت اس لئے مشہور ہے کہ یہ بہت سی فیصلہ کن لڑائیوں کا میدانِ جنگ بنا۔ جہاں متعدد بار حکمراں خاندانوں یا جنگجو قوموں کی قسمت کا فیصلہ کیا گیا۔ جس کی قیامت خیز اور خونریز لڑائیوں کے بعد پورے ملک میں بار بار علمِ انقلاب بلند ہوا۔

انقلاب ۱۹۴۷ء دنیا کی چشم حیرت نگار نے ۱۹۴۷ء جیسا کوئی انقلاب

Marfat.com

نہیں دیکھا ہوگا۔ کہ نہ دو بادشاہتوں میں تصادم ہوا، نہ حاکم اور محکوم کے آپس میں خونریزی ہوئی۔ حکمراں محفوظ، فوجیں محفوظ۔ مگر پنجاب و بنگال کے عوام تباہ و برباد۔ اس انقلاب نے پانی پت کا بھی روپ بدل دیا۔ تقریباً ۵۰ ہزار کی مسلم اکثریت شہر بدر، مسجدیں ویران، مدرسے برباد، مقابر و مزارات تباہ، جس شہر میں ہزاروں حافظ قرآن اور نہ صرف مرد بلکہ عورتیں بھی حافظ قرآن، اس شہر میں صرف ایک کلمہ گو باقی رہ گیا جس کی قوت ایمانی نے اس کے قدم استقلال کو پہاڑ سے زیادہ مضبوط بنا دیا۔ یہ مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی کا نفس نفیس تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ تقریباً دو سال بعد اسی ایک جڑ سے شاخیں پھوٹنی شروع ہوئیں جمعیۃ علماء ہند نے آبیاری کا فرض انجام دیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ ایک اسلامی مدرسہ قائم کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس مدرسہ کو بہترین استاذ قاری محمد عمر عطا فرما دیا۔ ابتداً جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے کچھ امداد دی گئی۔ پھر وقف نواب عظمت علی خاں صاحب (آف کرنال) سے امداد مقرر ہوئی۔ اس طرح ایک تعلیمی مرکز قائم ہوا۔ پھر خدا کے فضل سے کچھ اور مسلمان بھی مختلف پیشوں کے سلسلہ میں یہاں آنے لگے۔ اب مسلمانوں کی تعداد چند سو تک پہونچ چکی ہے لیکن ایک مسجد کے علاوہ باقی تمام مساجد ویران پڑی ہیں یا دوسروں کے قبضہ میں ہیں۔ اسی طرح مقدس مزارات کے گنبد اور حجرے رہائشی مکان بنے ہوئے ہیں۔ کافی جد و جہد کے بعد حضرت شاہ بوعلی قلندرؒ کی درگاہ خالی کرائی گئی ہے۔

وجہ تالیف ان حالات کی بنا پر حضرت مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی کا اصرار ہوا کہ پانی پت اور بزرگانِ پانی پت کے حالات یکجا شائع کر دیے جائیں تاکہ چشم عبرت کے لئے ذخیرہ رہیں۔

اگرچہ علمی بے مائیگی کے ساتھ وقت کی قلت بلکہ وقت کا صحیح معنی میں قحط احقر کے لئے معقول عذر تھا لیکن حضرت مولانا کے ارشاد گرامی اور حضرات اکابر اولیاء اللہ

Marfat.com

رحمہم اللہ سے فطری انس نے مجبور کیا کہ تعمیل کی کوشش کی جائے۔ لہٰذا نہایت انتشار اور پراگندگی میں اس گلدستہ کی شیرازہ بندی کی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ تکمیل کی توفیق بخشے اور خود اپنی جناب میں اور اپنی مخلوق کی نظر میں اس کو مقبول بنائے (آمین)

تاریخ پانی پت کا ایک نظرانداز پہلو

ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں "پانی پت" کی شہرت انھیں سیاسی لڑائیوں کی وجہ سے ہے۔ مگر افسوس، اس اقتدار پرست سیاسی تاریخ کے وحشت خیز اور نفرت انگیز ہنگاموں میں تاریخ پانی پت کا وہ پہلو قطعاً نظرانداز ہوتا رہا جس کا تعلق اخلاق، روحانیت اور سماجی زندگی سے تھا۔ اور کسی ایک سیاسی یا مذہبی فرقہ کے لحاظ سے نہیں بلکہ انسانی شرافت و عظمت اور خود ہندوستان کے مذہب پرست مزاج کے لحاظ سے اس کا بیان کرنا بہت ضروری تھا۔

چودھواں سال چل رہا ہے کہ پانی پت ۱۹۴۷ء کے اس طوفان سے گزرا تھا جس نے "انقلاب" کے نام پر بھائی کو بھائی سے جدا کیا۔ یہاں تک کہ وطن عزیز کے جسم پاک کے دو ٹکڑے کردیئے۔ یکہ و تنہا صرف ایک مولانا لقاء اللہ صاحب کے علاوہ پوری مسلم آبادی یہاں سے اجڑی۔ اور مادر وطن نے وطنیت کے جس دھاگے سے ہندو اور مسلمانوں کو باندھ رکھا تھا وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ کیونکہ ہندو مسلم منافرت کے وہ بیج جو انگریزی دور حکومت میں تقریباً ایک صدی پہلے بوئے گئے تھے اس وقت ان کے کڑوے پھل پوری طرح پک چکے تھے۔

لیکن کیا حیرت کی بات نہیں ہے کہ عقیدت کے وہ رشتے جو بزرگان پانی پت سے ہندو اور مسلمانوں کے مشترک طور پر سالہا سال سے جڑے چلے آرہے تھے ان کی ایک گرہ بھی نہیں ٹوٹی۔

ایک دلچسپ معمہ مسلمانوں کی حکومت عرصہ ہوا ختم ہوچکی، ان کا اقتدار

Marfat.com

مٹ چکا، ۱۹۴۷ء نے ان کے اس پلہ کو بھی بے وزن کر دیا جو مردم شماری کے لحاظ سے پانی پت میں بھاری تھا لیکن بزرگانِ پانی پت سے عقیدت و محبت کے وہ چراغ جو برادرانِ وطن کے دلوں میں شروع سے روشن ہیں۔ آج بھی ان کی لَو اسی طرح بھبک رہی ہے۔ اور عقیدت کے پھول جس طرح پہلے چڑھائے جاتے تھے آج بھی اُن کے ہار اسی طرح پہنائے جا رہے ہیں۔ یہ ایک عجیب و غریب معمہ ہے جو اگر آج تک حل نہیں ہوا تھا تو جمہوریت کے اس دور میں جس کی بنیاد میل ملاپ، انسانی بھائی چارے، ہمدردی، غمخواری اور مساوات پر رکھی جا رہی ہے ضرور حل ہونا چاہیئے۔

معمہ کا حل

حقیقت یہ ہے کہ فوجی اقتدار اور شوکت و حشمت کے سامنے مغلوب انسانوں کی گردنیں ضرور جھک جاتی ہیں، مگر دل کبھی نہیں جھکتے۔ انسانوں کے دل صرف اسی کے سامنے جھکتے ہیں جو خود اپنے خالق اور معبود کے سامنے جھکا ہوا ہو جس کے دل میں انسانوں سے ہمدردی ہو۔ جو ساری مخلوق کو خالق کا کنبہ اور اس کی عیال سمجھتا ہو۔ جس نے خلق خدا کی محبت کی وادی سے اپنے خالق اور معبود تک پہونچنے کا راستہ نکالا ہو۔ جس کا عقیدہ یہ ہو کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ کی خصلتیں اختیار کرو) جس کا عملی پہلو یہ ہے کہ جس طرح اللہ رب العالمین، ارحم الرحمین ہے۔ وہ بھی اسی طرح مخلوق خدا کے لئے سراسر رحم اور پیکر شفقت بنا رہے۔ اس کی آغوش شفقت ہر مصیبت زدہ کے لئے کھلی ہوئی ہو۔ اور اس کا کاشانۂ رحم ہر ستائے ہوئے کی پناہ گاہ ہو۔ جہاں نہ رنگ و نسل کا کوئی فرق ہو اور نہ مذہب و ملت کا کوئی امتیاز ہو۔

ایک مثال

ابھی پندرہویں صدی عیسوی ختم نہیں ہوئی تھی کہ یورپ کے 'سفید فام' ہندوستان آنے لگے۔ ان کے تاجر آئے، ان

کے مبلغ آئے، روحانی پیشوا آئے، پھر ان کے حکمراں آئے، ان کی حکومت قائم ہوئی۔ اور ان کے اقتدار کا جھنڈا ایسا بلند ہوا کہ اس کے سامنے مسلمانوں کی شوکت وحشمت کے افسانے بھی فراموش ہو گئے۔ عیسائی مشنریوں نے انتھک کوشش اور بے شمار روپیہ خرچ کر کے اپنا مذہب پھیلانے کی کوشش کی۔ جگہ جگہ مشن اسکول، کالج اور ہسپتال بنوا کر لوگوں کو اپنی طرف مائل کیا۔ اور اس پانسو سالہ دور (۱۴۸۵ء تا ۱۹۴۷ء) میں چند لاکھ پسماندہ ہندوستانیوں کو عیسائی بنا بھی لیا لیکن باہمی تعلقات کے اس طویل دور میں عیسائیوں کا کوئی ایک روحانی پیشوا بھی ایسا نہیں گزرا جس کی پاک زندگی اور روحانی عظمت نے ہندو اور مسلمانوں کے دلوں کو جھکایا ہو۔ جس کی زندگی میں سب نے مل کر اس کے "چرن" چھوئے ہوں اور مرنے کے بعد کسی بھی ہندو یا مسلمان نے اس کی تربت پر عقیدت کے پھول چڑھائے ہوں۔ اس کے برعکس پورے ہندوستان کے سینکڑوں مزارات اور درگاہوں کو چھوڑ کر صرف "پانی پت" کو لیجئے کہ یہاں بہت سے بزرگوں کی درگاہیں آج بھی ایسی ہیں جن کی طرف "خلق خدا" امنڈا منڈ کر آتی ہے۔ اور مسلمانوں سے زیادہ نہ سہی تو کم از کم مسلمانوں کے برابر اور ۱۹۴۷ء کے بعد جہاں مسلمان نہیں رہے وہاں صرف ہندو ہی ان کی خدمت کرتے ہیں۔ ان پر چادریں چڑھاتے ہیں، چراغ جلاتے ہیں منتیں مانتے ہیں۔ اور جب خدا کے فضل سے منتیں پوری ہو جاتی ہیں تو چڑھاوے چڑھاتے ہیں۔ نذریں گذارتے ہیں۔ آخر یہ کیا بات ہے؟ یہ عقیدت کا ترکہ پشتہا پشت سے ان کو کیوں ملا؟ کس طرح ملا؟

اب آئیے واقعات کی دنیا کا رخ کیجئے۔ محض خیالی باتوں اور بناوٹی کہانیوں سے نہیں۔ بلکہ تاریخ کی سچی حقیقتوں سے اس عقیدت اور محبت کی وجہ معلوم کیجئے۔

تاریخی حقیقت

مسلمان ناراض نہ ہوں آج ہمیں صاف اور سچی بات کہنی ہے۔ جب مسلمانوں نے دہلی فتح کیا۔ تو ملوکیت اور شہنشاہیت

Marfat.com

کی وہ ساری آن بان اختیار کر چکے تھے جس سے اسلام نے نفرت کی تھی۔

ملوکیت اور بادشاہت درحقیقت بہت بڑی خود غرضی ہے اور خود غرضی بھی زہریلی قسم کی جس میں بھائی بھائی کا دشمن بن جاتا ہے۔ بیٹا باپ سے بغاوت کرتا ہے۔ ضرورت پڑے تو باپ بیٹے کا سر قلم کراتا ہے اور ماں بیٹے کے حق میں ناگن بن جاتی ہے۔

انھیں بادشاہوں کا مقولہ بلکہ عقیدہ تھا کہ "الملک عقیم" یعنی بادشاہت کوئی رشتہ نہیں رکھتی"۔

یہ خود پرست بادشاہ صرف بادشاہت ہی کو سب سے بڑا رشتہ اور ناتہ سمجھتے ہیں۔ جو ان کی بادشاہت کی حفاظت کرے۔ وہ اگر غیر بھی ہے تو عزیز رشتہ دار اور جو اس سے کچھ بھی بیر رکھے، کچھ بھی اختلاف کرے۔ وہ اگر ماں جایا بھائی یا خود اپنے جگر کا ٹکڑا بھی ہے تو خونی دشمن۔

بارھویں صدی عیسوی کے آخیر میں یعنی ۱۱۹۳ء میں مسلمانوں نے دہلی پر قبضہ کیا۔ جب رسول خدا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات (۶۳۲ء) پر ساڑھے پانچ صدی سے زیادہ مدت گذر چکی تھی۔ اور اتفاق سے یہ فتح کرنے والے بھی عرب نہیں تھے۔ بلکہ عربوں کے بعد دوسری قوموں کے اور دوسرے ملکوں کے جنگجو اور لڑاکو سپاہی تھے جو عربوں کے اقتدار کو بھی ختم کر چکے تھے۔

بیشک انھوں نے ہندوستان میں بہت سی بلند بلند عمارتیں بنوائیں۔ بہت سی مسجدیں اور جامع مسجدیں تعمیر کرائیں۔ مزارات کے بڑے بڑے قبے اور گنبد بنوائے، رعایا کے فائدے کے بھی بہت سے کام کئے۔ ملک کی صنعت۔ تجارت اور زراعت کو ترقی دی۔ ہندو مسلمانوں کی تفریق مٹائی۔ مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کو بھی فوجوں میں بھرتی کیا۔ ان کو اونچے اونچے عہدے اور منصب بھی دیئے۔ ان کے

مندروں کو بڑی بڑی جاگیریں عطا کیں۔ یہ سب کچھ کیا مگر ان سب کی تہ میں جو جذبہ سب سے زیادہ کارفرما تھا، وہ بادشاہت کا جذبہ تھا اور یہ جذبہ ایسا تھا کہ جب اُبھرتا تھا تو جس طرح کبھی سخاوت کے دریا بہاتا تھا۔ اسی طرح وہ کبھی خون کی ندیاں بھی بہا دیتا تھا جس میں ڈوبنے والے غیر نہیں بلکہ بسا اوقات خود اپنے ہوتے تھے۔ اپنے ہی عزیز رشتہ دار ایک دوسرے کے قاتل۔ ایک دوسرے کے حق میں جلّاد اور درندے بن جاتے تھے۔

ہمیں یہاں بادشاہت کی تاریخ لکھنی نہیں ہے کہ ثبوت کیلئے مثالیں لکھیں ہمیں بزرگانِ پانی پت اور سردست حضرت قلندر صاحب کے کچھ حالات لکھنے ہیں۔ اور اسی مناسبت سے اس زمانہ کی بادشاہت کا مختصر سا نقشہ کھینچنا ہے۔ تاکہ یہ معمہ حل ہو سکے کہ ہندو بھائیوں کے دلوں میں ان بزرگوں کی اتنی عقیدت کیوں ہے کہ سینکڑوں سال اور پچاسوں پشتیں گذر گئیں اور یہ عقیدت ختم نہیں ہوئی۔

حضرت قلندر صاحب کے زمانہ کا سیاسی ماحول

حضرت قلندر صاحب کے

بچپن میں اس خاندان کی بادشاہت تھی جس کو غلاموں کا خاندان کہا جاتا ہے اور اتفاق سے اس زمانہ میں وہ بادشاہ حکمراں تھا جو صرف اس خاندان میں نہیں بلکہ دہلی کے تمام بادشاہوں میں اپنی طبیعت کی نیکی اور دل کی بھلائی میں مشہور ہے۔

یہ شمس الدین التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا "ناصر الدین محمود" تھا۔

اس نے اگرچہ دولت کے پوتڑوں میں جنم لیا تھا۔ بادشاہت کے گہوارے میں پلا بڑھا۔ اور ہمیشہ شان و شوکت کے جھولوں میں جھولتا رہا تھا۔ مگر طبیعت فقیرانہ پائی تھی ۱۲۴۶ء (۶۴۴ھ) میں اس کو بادشاہ بنایا گیا۔ بائیس سال حکومت

Marfat.com

کی مگر اس پورے دور میں اس نے خزانہ شاہی سے اپنے لئے ایک پیسہ بھی کبھی نہیں لیا۔ اسلامی تعلیم کے مطابق اس کا عقیدہ یہی تھا۔ کہ جس کو خزانہ شاہی کہا جاتا ہے وہ بادشاہ کا نہیں بلکہ رعایا کا ہے؛ بادشاہ صرف امانت دار ہے اور محافظ۔

بادشاہ اگر اس میں سے لے سکتا ہے تو صرف اتنا جتنا کوئی ایک کارپرداز حکومت یا رعایا کا کوئی ایک فرد لے سکتا ہے۔ بعنوان دیگر جو اوسطاً ملک کے کسی ایک باشندہ کی گذران ہو سکتی ہے۔ اور اچھا یہ ہے کہ اتنا بھی نہ لے۔

مَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ

(سورہ نساء ع ۱)

یعنی جو مستغنی ہو (ضرورتمند نہ ہو) اس کو پاک دامن رہنا چاہیئے۔ (اس دولت کو ہاتھ نہ لگانا چاہیئے) اور جو ضرورتمند ہے وہ کھا سکتا ہے عام گذران کے بموجب۔

ناصر الدین نے اسی پہلی صورت کو اختیار کیا تھا۔ اس نے ملکی خزانہ سے کبھی بھی اپنے یا اپنے اہل وعیال کے لئے کچھ لینا گوارہ نہیں کیا وہ بہترین خطاط اور اعلیٰ درجہ کا خوش نویس تھا۔ اس زمانہ میں خوشخطی بھی ایک شریفانہ اور اجلا پیشہ تھا چھاپہ اس وقت تک ایجاد نہیں ہوا تھا۔ کتابیں کاتبوں سے اجرت پر لکھوائی جاتی تھیں۔ ناصر الدین عمر بھر یہی پیشہ کرتا رہا۔ وہ بہترین خط سے قرآن شریف لکھ کر اجرت حاصل کرتا اور اپنا خرچ چلاتا تھا۔ اس نے اپنے لئے کبھی نوکر نہیں رکھا۔ کھانا اس کی بیوی خود بناتی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے روٹی پکاتی اور گھر کا تمام کام خود کرتی تھی۔ ایسے بادشاہ کا دور حکومت جس قدر بھی آسودہ اور پرامن ہو کم ہے چنانچہ اس کے بائیس سالہ دور حکومت میں چین اور آرام ہی کی رنگ رلیاں رہیں۔

ناصر الدین کا انتقال ہوا تو اس کا بیٹا یا بھائی نہیں بلکہ پرانا رفیق "غیاث الدین بلبن" جو وزیر اعظم تھا بادشاہ بنا دیا گیا۔ کیونکہ یہی سب سے زیادہ قابل اور مستحق تھا

Marfat.com

اور ناصرالدین کی کامیابی میں اس کی قابلیت، جانفشانی، ایمانداری اور دیانتداری کو بہت بڑا دخل رہا تھا۔

غیاث الدین بلبن ۶۶۶ھ (۱۲۶۷ء) سے ۶۸۶ھ (۱۲۸۸ء) تک بادشاہ رہا۔

ناصرالدین محمود کی طرح غیاث الدین بلبن کا دور بھی امن سے گذرا لیکن اس کے بعد وہ پُرآشوب دور شروع ہوا جس کا تصور بھی دہشت انگیز اور بھیانک ہے اس کی فتنہ سامانی اور ہولناکی کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے ۱۲۸۶ء سے حضرت قلندر صاحبؒ کی وفات ۷۲۴ھ (۱۳۲۴ء) تک صرف ۳۸ سال کے عرصہ میں دہلی کے اسی تخت پر دہلی کے اسی شاہی محل میں جو جمنا کے کنارے " کلوکھڑی " میں تھا (جہاں آج کل ہمایوں کا مقبرہ ہے) نو بادشاہوں نے سروں پر تاج رکھا جو یکے بعد دیگرے خود اپنے عزیزوں اور دوستوں کے ہاتھوں قتل کردیئے گئے۔ اور ایسی عبرتناک عورت سے کہ مثلاً شائستہ خاں (جس نے بعد میں اپنا نام فیروزشاہ رکھا) اس کا عظیم الشان کارنامہ یہ تھا کہ اس نے اپنے بادشاہ معزالدین کو ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) میں اس کلوکیڑی کے محل میں موت کے گھاٹ اتارا، اس کی نعش جمنا میں پھنکوائی، اس کے لڑکے "شمس الدین کیومرشاہ" کو جو چند سال کا معصوم بچہ تھا قتل کرڈالا۔ پھر خود بھی صرف پانچ سال حکومت کرنے پایا تھا کہ ۶۹۵ھ مطابق ۱۲۹۵ء میں اپنے بھتیجے علاؤالدین کے ہاتھوں جو داماد بھی تھا کڑہ مانکپور کے قریب گنگا کے کنارے کشتی میں قتل کردیا گیا۔ فرق صرف گنگا اور جمنا کا رہا۔ نتیجہ ایک ہی رہا۔ کنواں نہیں کھاتی ہے

چاہ کندہ را چاہ درپیش۔

حضرت قلندر صاحب کے تذکرہ میں علاءالدین کا ذکر بار بار آتا ہے۔ کہ اس کو حضرت قلندر سے عقیدت تھی۔ یہ علاؤالدین یہی بزرگ ہیں۔

بہرحال علاؤالدین کی بادشاہت ۶۹۵ھ (۱۲۹۵ء) سے ۷۱۵ھ (۱۳۱۵ء)

تک بیس سال رہی۔ کہا جاتا ہے کہ اس کو بھی زہر دیدیا گیا۔ اس کے مرنے کے بعد ۱۵ ۷ھ سے حضرت قلندر صاحب کی سال وفات ۷۲۴ھ مطابق ۱۳۲۴ء تک یعنی صرف نو سال کے عرصہ میں چار بادشاہ یکے بعد دیگرے تخت پر بٹھائے گئے اور قتل کر دیئے گئے۔ بیشک یہ قتل ملک میں خفیہ سازشوں کے ذریعے ہوئے۔ فوجوں کی چڑھائی نہیں ہوئی۔ اس وجہ سے شہروں میں مار دھاڑ اور آبادیوں کی تباہی و بربادی کی نوبت بھی نہیں آئی۔ مگر جب بادشاہ قتل ہوتا ہے تو نیا بادشاہ مقتول کے عزیزوں ہی کو نہیں بلکہ جن جن پر مقتول کی حمایت کا شبہ ہوتا ہے۔ ان سب ہی کو موت کے گھاٹ اُتار دیتا ہے۔ اس کے وزیروں اور افسروں کو معزول، معطل اور قتل وغیرہ طرح طرح کی سزاؤں کے شکنجہ میں کستا ہے۔ تاکہ اس کا رعب قائم ہو اور اس کی دھاک بیٹھے۔

ظاہر ہے اس افراتفری سے عوام میں کتنا خوف و ہراس اور کتنی پریشانیاں اور سراسیمگی پھیلتی ہے۔

اس سلسلہ میں اسی علاؤالدین کے دو قصے سُن لیجئے۔ ان سے معلوم ہوگا کہ بادشاہت کیا چیز ہے۔ اور اسلام نے اس پر کیوں لعنت بھیجی ہے۔ یہاں تک کہ بادشاہ شاہنشاہ (ملک۔ ملک الاملاک) کے نام تک پسند نہیں کئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اختی الاسماء الی اللہ ان یسمی ملک الملوک۔ (او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم۔ بحوالہ ترمذی)

یعنی اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ مستحق ملامت و نفرت ملک الملوک (شاہنشاہ) کا خطاب ہے۔

پہلا واقعہ جنگ گجرات کے نتیجہ میں پیش آیا تھا۔ گجرات پر حملہ کے لئے جو فوج بھیجی گئی تھی اس میں ایک کمپنی اُن تاتاری نوجوانوں کی بھی تھی جو مسلمان ہوگئے تھے۔

Marfat.com

ان کو نو مسلم مغل کہا جاتا تھا۔ فوج کی قیادت ملک نصرت کے سپرد تھی جو علاؤالدین کا مقرب اور عزیز تھا، گجرات فتح ہوا تو مالِ غنیمت کی تقسیم میں کچھ جھگڑا ہو گیا۔ بات یہاں تک بڑھی کہ نو مسلم مغلوں نے ملک نصرت خاں کے بھائی "ملک اعزالدین" کو مار ڈالا۔ دہلی واپس ہو کر یہ قصہ بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ بادشاہ نے تو یہی فیصلہ کیا تھا کہ مجرموں کو گرفتار کر کے جیل خانوں میں ڈال دیا جائے۔ مگر ملک نصرت خاں اپنے اختیارات یہاں تک کام میں لایا کہ ان کی عورتوں اور بچوں کو بھی گرفتار کیا۔ اور بھنگیوں کو حکم دیا کہ شیر خوار بچوں کو پکڑ کر ان کی ماؤں اور بہنوں کے سروں پر اس زور سے پٹخیں کہ ان کے بدن پاش پاش ہو جائیں۔ (معاذ اللہ)

اس قسم کا ایک اور واقعہ فتح کرناٹک اور مالابار کے بعد پیش آیا۔ بادشاہ نے نو مسلم مغلوں کو فوج سے برطرف کرنا چاہا۔ ان مغلوں نے بادشاہ ہی کو ختم کر ڈالنے کی سازش شروع کر دی۔ بادشاہ کا اقبال سامنے تھا اس کو سازش کا قبل از وقت علم ہو گیا۔ پھر کیا تھا حکم دیدیا کہ پورے قلمرو میں جس قدر مغل نو مسلم ہوں سب کو ایک دن کے اندر قتل کر دیا جائے۔ فوراً حکم کی تعمیل ہوئی۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۶، ۱۷ ہزار مغل نو مسلم ایک دن میں موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو ذلیل اور خوار کر کے منتشر کر دیا گیا۔

بہر حال بادشاہ اور اُن کے شاہ پرست ساتھی خواہ کتنے ہی عدل وانصاف اور خدا پرستی کے تخت پر جلوہ افروز ہوں۔ مگر جب کبھی اُن کی خود غرضی کی آخری تمنا یعنی بادشاہت کے لئے کوئی خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ درندوں سے بھی زیادہ درندہ بن کر نمودار ہوتے ہیں اور وہ سب کچھ کر ڈالتے ہیں جس کا تصور بھی رونگٹے کھڑے کرنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔

یہ خود مسلمانوں کا حال تھا۔ جو اس وقت حکمراں تھے۔ اب ہندوؤں کو لیجئے۔

Marfat.com

اگرچہ حکمراں طبقہ کے آپس کی مار دھاڑ اور کشت و خون کا ان پر اثر نہیں پڑتا تھا۔ اور اب مسلمانوں سے جنگ کی حالت بھی نہیں رہی تھی کیونکہ سو سال سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا تھا کہ پورے شمالی ہند پر مسلمانوں کا قبضہ ہوچکا تھا۔ لیکن ظاہر ہے اپنے پرانے راج کی یاد اُن کے دلوں میں ہمیشہ سلگتی رہتی تھی۔ اس وجہ سے اُن میں اپنی مجبوری اور کمتری کا احساس قدرتی امر تھا۔ اس کے علاوہ جنوبی ہند کے راجاؤں سے چھیڑ چھاڑ چلی جاتی تھی۔ خاص علاؤالدین خلجی کا دَور تو بہت ہی زیادہ طوفانی اور ہیبت انگیز تھا۔ مہارانا چتوڑ سے علاؤالدین کی لڑائی کے قصّے آج تک مشہور ہیں۔ اور راجکماری پدمنی سے علاؤالدین کے عشق و محبت کے افسانے کو اگر شاعروں کی من گھڑت مان لیا جائے، تب بھی یہ تو صحیح ہے کہ چتوڑ فتح ہونے پر بہت سے راجپوت مردوں اور عورتوں نے موت کو زندگی پر ترجیح دی۔ کیا عام ہندوؤں کے لئے یہ دردانگیز صورت رنج اور صدمہ کی بات نہیں تھی۔ بہرحال علاؤالدین کے حملے چتوڑ تک ہی نہیں رہے وہ اس سے پہلے دہلی سے ایک ہزار میل کرناٹک تک پہونچ کر دیوگیر پر قبضہ کرچکا تھا۔ اور وہاں کے راجہ رام دیو سے سینکڑوں من سونے کے علاوہ سات من موتی ڈیڑھ من جواہر (لعل، یاقوت، الماس، زمرد وغیرہ) وصول کرچکا تھا۔ جس سے پورے ملک میں ایک تہلکہ مچ چکا تھا۔ ظاہر ہے اس قسم کی لڑائیوں سے کتنی پریشانی ہندوؤں کو ہوگی اور وہ اپنے آپ کو کتنا بے پناہ سمجھتے ہوں گے۔

اس وقت ایک طبقہ تھا جوان بے پناہوں کی پناہ تھا۔ جو سب ہی انسانوں کا ہمدرد اور بے سہاروں کا سہارا تھا۔ جس کے دروازے ہر ایک کے لئے کھلے ہوئے تھے جس کی محبت بھری گود ہر فریادی کے لئے پھیلی ہوئی تھی۔ جو یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھتا۔ بچھڑے ہوؤں کو سینے سے لگاتا۔ ان کی ڈھارس بندھاتا۔ ان کی مایوسیوں کو ختم کرکے زندگی کی دشواریوں کو حل کرتا۔ یہ انھیں

Marfat.com

اولیاء اللہ کا طبقہ تھا جن کے پاس نہ تو فوجیں تھیں نہ حکومت کا کروفر تھا اور نہ دولت کے خزانے تھے، نہ اُن کے پاس قلعے اور محل تھے۔ مگر یہ شاہ کہلاتے تھے۔ کیونکہ بادشاہوں کی بادشاہی ظاہری دنیا پر تھی اور دلوں کی دنیا پر جو بادشاہت کرتے تھے۔ وہ یہی گدڑیوں کے لعل تھے۔ جو ہاتھ خالی تھے، مگر دولت بداماں کیونکہ ہزاروں انسان دونوں وقت ان کے لنگر خانوں سے سیر ہوتے تھے۔

یہ کچے کوٹھوں چھپروں اور جھونپڑوں میں رہتے مگر قلعہ میں رہنے والوں سے زیادہ محفوظ تھے۔ کیونکہ ان کا دشمن وہی ہوتا جو خود اپنا دشمن ہوتا۔ اور اپنی تباہی خود اپنے ہاتھوں مول لیتا۔

بادشاہ ان کے محتاج ہوتے تھے۔ کیونکہ بادشاہوں کو عوام کی ضرورت ہوتی تھی۔ اور عوام ان درویشوں کے ساتھ تھے۔ وہ انھیں کے جھونپڑیوں کو اپنا قلعہ سمجھتے تھے۔ اور انھیں کے کچے کچے گھروندوں کو دربار اور درگاہ کہا کرتے تھے۔ آپ کو تعجب ہوگا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ بادشاہ ان سے ملاقات کی درخواست کرتے اور یہ ان سے کتراجاتے۔ بادشاہ اُن کو جاگیریں پیش کرتے اور یہ معذرت کرکے اپنا دامن جھاڑ لیتے تھے۔

انگریزوں کے زمانے میں جو مصیبتیں عوام پر آئیں۔ انگریزوں کے نہ کسی پادری نے عوام کی مدد کی اور نہ اُن کے کسی پوپ کا دامنِ رحم مظلوموں کے لئے کشادہ ہوا۔ مگر مسلمانوں کے دورِ حکومت میں حکومت کے ذمہ داروں سے جو مصیبتیں پہونچیں، یہ اللہ والے فقیر اُن مصیبتوں میں بادشاہوں کے ساتھ نہیں۔ بلکہ عام مظلوموں کے ساتھ ہوتے ان کے فریاد رس بنتے اور ان کی بگڑی کو سنوارنے کی پوری کوشش کرتے تھے۔

یہی رام دیو، جس کو لوٹ کھسوٹ کر علاؤالدین خلجی نے اپنا باجگذار بنایا تھا

Marfat.com

اسی کے معاصر راجاؤں کے فرزند ہردیو، سیتل دیو، چیتل دیو اور سنبھل دیو تھے۔
"ہردیو" تو ایک فوجی افسر "خواجہ حسن علامہ سنجری" سے (جو خراج وصول کرنے کے لئے "دیوگڈھ" گیا تھا) مانوس ہوگیا تھا۔ اور خواجہ حسن کی زبانی حضرت خواجہ نظام الدین سلطان الاولیاء کی تعریفیں سنکر اُن کی زیارت کے لئے دہلی آیا تھا۔ مگر باقی تینوں جو ایک ہی راجہ کے بیٹے تھے اور آپس میں حقیقی بھائی تھے۔ ایک عرصہ کے بعد اپنے وطن سے جلاوطن ہوکر مصیبتیں جھیلتے ہوئے دہلی پہونچے تھے۔ اور ایک ہی دفعہ میں اتنے مالا مال ہوگئے کہ اُنکی ساری مصیبت دُور ہوگئی۔ اور اگرچہ حضرت خواجہ کا خود اپنا کوئی مکان نہیں تھا۔ مگر ان تینوں نے حضرت خواجہ کی معمولی مہربانی سے اپنے لئے محل تعمیر کرالئے۔ اس کی تفصیل نہایت پُرلطف ہے مطالعہ فرمایئے اور ان بزرگوں کی عام شفقت و محبت کا اندازہ کیجئے۔

Marfat.com

واقعہ یہ ہوا کہ سیتل دیو اور اس کے بھائیوں کو دہلی پہونچے ہوئے دو ایک دن ہی ہوئے تھے۔ کہ حضرت خواجہ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ کی تعریفیں سن کر اُن کی زیارت کے لئے خانقاہ میں پہونچے۔ حضرت کے یہاں مریدوں کا مجمع تھا۔ جہاں حضرت تشریف فرما تھے وہ سارا کمرہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ دو بھائی باہر کھڑے رہ گئے اندر نہیں جاسکے سیتل دیو اندر پہونچکر اس مجمع میں بیٹھ گیا۔

غربت افلاس اور مصیبتوں کے سفر کے سبب سے چہرہ جھلسا ہوا سادھوانہ وضع، کپڑے پھٹے ہوئے، میلے کچیلے۔ اس کا تصوّر بھی نہیں ہوسکتا تھا۔ کہ کسی ریاست کا راجکمار ہوگا۔ لوگوں نے یہی سمجھا کہ کوئی سادھو ہے جو مجلس کی رونق دیکھنے آگیا ہے۔
اتفاق سے اسی وقت علاؤ الدین بادشاہ کے دو افسر ملک نصرت خاں اور خضر خاں بادشاہ کے بھیجے ہوئے حاضر ہوئے۔ ان کے ساتھ دو خادم تھے جن کے سروں پر دو تھال (طشت) تھے۔ جن پر زربفت کے خوان پوش پڑے ہوئے تھے حضرت

امیر خسرو ان کی قیادت کر رہے تھے۔ ان تینوں نے حضرت خواجہ نظام الدین سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے قریب پہونچکر بادشاہ کا سلام عرض کیا۔ خادموں کے سروں پر سے تھال اتار کر حضرت کے سامنے رکھے اور اُن کے خوان پوش ہٹائے۔ دونوں تھال آبدار موتیوں سے لبالب بھرے ہوئے تھے۔ حضرت نے ان دونوں تھالوں کو دیکھا۔ اور خاموش رہے ان شاہی افسران نے یہ ہدیہ پیش کرنیکے بعد اجازت چاہی اور واپس چلے گئے۔ حضرت خواجہ کا ایک خادم جس کا نام اقبال تھا وہ سامنے آیا۔ اور دونوں تھالوں کو اٹھوانے لگا۔ کہ اس فقیر نے جو سادھوانہ لباس میں تھا۔ اور کچھ فارسی عربی سیکھ چکا تھا۔ بلند آواز سے کہا۔" یا با نظام الہدایا مشترک" یہ عربی زبان کا مقولہ اس سادھو کو یاد تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ مجمع میں جو ہدیہ پیش ہو اس میں سب کا حصہ ہونا چاہیئے یہ درست نہیں کہ تنہا صاحب مجمع اس چیز کو استعمال کرے۔ اس طرح لطیف پیرایہ میں اس سادھو نے کچھ موتی مانگے۔

حضرت خواجہ نے فوراً جواب دیا۔" بل تنہا خوشتر" یعنی پورا مجمع نہیں بلکہ صرف تنہا آپ کے لئے یہ ہدیہ بخششی پیش ہے۔ سادھو نے اول اس کو مذاق سمجھا۔ مگر حضرت خواجہ نے دوبارہ پوری سنجیدگی سے فرمایا کہ یہ دونوں تھال آپ ہی کے ہیں۔

جب سادھو کو یقین ہو گیا کہ یہ دولت اس کو صرف اس کے ایک فقرہ پر عطاء کر دی گئی تو ان کو اُٹھانے کے لئے آگے بڑھا۔ حضرت خواجہ نے حاضرین سے فرمایا۔ اس قلندر سے دونوں تھال نہیں اُٹھیں گے کوئی ان کی مدد کرے۔ اس مجمع میں "ہردیو" بھی موجود تھے۔ انھوں نے آگے بڑھ کر یہ تھال اٹھوائے اور اس خیال سے ساتھ ساتھ چلے کہ اس کو باہر جا کر سمجھا دیں کہ یہ بہت قیمتی موتی ہیں۔ ان کو یوں ہی کسی معمولی قیمت پر نہ دیدینا۔ ہردیو خود جوہری تھا۔ وہ جوہر کی قدر جانتا تھا۔ جب یہ دونوں باہر نکلے تب ہردیو نے سادھو کو غور سے دیکھا تو اس کو شبہ ہوا کہ یہ اس

Marfat.com

کی جان پہچان کا کوئی آدمی ہے اور وہ اس کو کہیں پہلے بھی دیکھ چکا ہے۔ غرض باہر نکل کر بات چیت شروع ہوئی تب ہر دیو کو معلوم ہوا کہ یہ اسی کے وطن کا راجکمار ہے جو گردش زمانہ سے گرتا پڑتا کسی طرح یہاں پہونچا ہے۔ ہر دیو جب باہر نکلا۔ تو وہاں سیتل دیو کے دونوں بھائی بھی تھے اُن سے بھی ملاقات ہوئی۔

مختصر یہ کہ یہ راج کمار جو بادشاہ کے اقدام سے تباہ ہو چکے تھے حضرت خواجہ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کی معمولی توجہ سے پھر دولت مند ہو گئے۔ اور جو اپنی زندگی سے آزردہ ہو چکے تھے۔ جن کے لئے زندگی بوجھ بن گئی تھی۔ وہ معمولی نظر لطف و کرم کے طفیل میں عیش و آرام کے جھولے میں جھولنے لگے اور ان کی زندگی سدا بہار بن گئی۔

یہ ایک واقعہ ہے اس قسم کے بہت سے واقعات تاریخ کے اوراق میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ درویش بے گدا، بے نوا یہ فاقہ مست اولیاء اللہ جو خود جو کی سوکھی روٹی کھا کر زندگی گذارتے تھے۔ دوسروں کے لئے خصوصاً بادشاہوں کے ستائے ہوئے مصیبتوں کے مارے ہوئے دُکھی انسانوں کے لئے ابر رحمت اور بخشش وسخاوت کے دریا بے پایاں ہوا کرتے تھے۔

یہ کیا چاہتے تھے؟ یہ بھی سن لیجئے:۔

اسی واقعہ کو لیجئے۔ اگلے روز جب ہر دیو نے آ کر پھر حضرت خواجہ کو ان سادھوؤں کی حقیقت بتائی کہ یہ اسی ملک کے راج کمار ہیں۔ جہاں سے علاؤ الدین بادشاہ سات من موتی لے کر آیا ہے تو حضرت خواجہ نے فرمایا۔

ہر دیو سنو! اللہ تعالیٰ کی شان نرالی ہے۔ ہر دن اس کی شان جدا ہوتی ہے۔ ایک شان ہے کہ ایک سے دوسرے کو دلوایا۔ دوسری شان یہ ہے کہ جس کو دلوایا تھا۔ اُس نے اُس کو واپس کر دیئے جس کے یہ موتی تھے۔

Marfat.com

دیکھو ! ہر دلو یہ موتی سمندروں کی تہہ میں سیپ کے پیٹ میں پیدا ہوئے غوطہ لگانے والوں نے سیپ دریا سے نکالے اُن کا جگر چاک کر کے اُن سے موتی نکالے، موتی بازار میں بکے۔ جوہریوں سے امیروں نے خریدے۔ امیروں سے بادشاہوں نے چھینے۔ بادشاہوں سے یہ موتی درویشوں کے یہاں آئے۔ درویشوں نے دیکھا کہ ان کے دل میں ان موتیوں کی کوئی جگہ نہیں ہے کیونکہ وہاں خدا کی محبت کے بہت سے آبدار موتی بکھرے ہوئے ہیں۔ بس درویشوں نے یہ موتی اُن کے حوالے کر دیئے جن کو ان کی ضرورت تھی۔ جو کہہ رہے تھے کہ موتی ہمارے اور ہم موتیوں کے ہیں۔ ہم نے اُن کے دلوں کی آواز سُنی۔ ہم نے کہا موتی تمہارے ہی ہوں گے۔ مگر تم موتیوں کے ہرگز نہیں ہو۔ کیونکہ ہر آدمی خدا کے لئے پیدا ہوا ہے ہم نے موتی دیدیئے حق بحق دار رسید۔ مگر ہم نے مفت نہیں دیئے۔ ان موتیوں کے بدلے ہم نے تین دل لے لئے، دل کی محبت موتیوں سے کہیں زیادہ ہے۔ ایک دل پوری دنیا اور مافیہا سے زیادہ قیمتی ہے۔ دل رب ذوالجلال کا جلوہ گاہ ہے اس کو جیت لیا تو پوری دنیا کو جیت لیا۔

یہ ہے درویش کا تصوّر۔

یہی دل جو بادشاہ کی نظر میں گھاس کے تنکے کی برابر بھی نہیں جس کو وہ جب چاہتا ہے مَسل دیتا ہے۔

یہی دل درویش کی نظر میں پوری دنیا اور اس کی تمام دولتوں سے زیادہ قیمتی ہے کیونکہ یہ انسانیت و شرافت کا مرکز اور اُس کے محبوبِ حقیقی کی جلوہ گاہ ہے،

بیشک ان درویشوں اور قلندروں کو اپنے خدا سے محبت تھی، یہ خدا کے سچے عاشق تھے۔ اور اُسی کے عشق میں رات دن مست رہتے تھے۔ ایسے مست کہ اُن کو اپنے تن من کی خبر نہ رہتی تھی نہ اپنے فرزند و زن کی۔ مگر یہ عشق خدا عشق

Marfat.com

خلق خدا کے رنگ میں ظاہر ہوتا تھا۔

اُن کی بارگاہ میں نیک و بد، اچھے بُرے، مسلمان اور ہندو کا سوال نہیں تھا، بلکہ جو بُرا ہوتا تھا اس سے ان کی ہمدردیاں اور زیادہ ہوتی تھیں۔ کیونکہ یہ بزرگ انسانیت اور روحانیت کے طبیب حاذق ہوتے تھے۔ بُرے آدمی روحانیت کے مریض اور بیمار، طبیب اور ڈاکٹر بیماروں سے نفرت نہیں کرتے بلکہ جو زیادہ بیمار ہوتا ہے، اس سے اُن کی ہمدردیاں اور زیادہ ہوتی ہیں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکّہ اور جنگ حنین کے بعد مال غنیمت تقسیم کیا تو مکہ کے ان سرداروں کو زیادہ انعامات دیئے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے۔ اور وفادار انصار کو (جنھوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفاداری میں اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا) یہ فرما کر مطمئن کر دیا "کیا تم اس پر راضی نہیں کہ مکہ کے یہ لوگ دنیا کا مال و متاع لیکر اپنے گھروں کو لوٹیں اور تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اپنے محبوب) کو لیکر اپنے وطن واپس ہو"

یہ انصار صفت درویش اور قلندر جن کے نہاں خانہ دل میں اللہ کی محبت کے بعد اگر کسی کی محبت تھی تو وہ اس کے رسولؐ اور نبیؐ تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو اپنے نبی اور رسول کا بتایا ہوا یہ سبق ہمیشہ یاد رہتا تھا کہ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہ یعنی عاشق اپنے معشوق اور محبوب کا رنگ ڈھنگ اختیار کیا کرتا ہے اس کو اپنے محبوب کی خصلتوں سے بھی ایسا ہی عشق ہوتا ہے جیسا کہ اپنے محبوب سے۔ بس تمہیں اللہ سے عشق ہے تو تم اللہ کی خصلتیں اپنے اندر پیدا کرو۔ اور انھیں خصلتوں کو اپنا محبوب و معشوق بنالو۔

اللہ تعالیٰ کی خصلتیں کیا ہیں؟ اس کی پہلی خصلت یہ ہے کہ وہ رب العٰلمین ہے۔ یعنی اچھے بُرے، مسلمان غیر مسلمان، انسان غیر انسان سب کا رب، سب کا

12485

Marfat.com

پالنہار۔ یعنی وہ اپنے سے بے نیاز ہے۔ لیکن ہر ایک کا کارساز، وہ خود نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے نہ راحت و آرام کی اس کو ضرورت ہے۔ مگر ہر ایک کے لئے رزاق ہے، روزی رساں ہے۔ ہر ایک کے لئے راحت و آرام کے سامان مہیا کرتا ہے وہ ارحم الراحمین ہے۔ بلا امتیاز مذہب و ملت اور بلا امتیاز رنگ و نسل، ہر ایک پر رحم کرتا ہے۔

بس ان بزرگوں کا نصب العین بھی یہی تھا۔ یعنی اپنی فکر نہیں، ہر ایک کی فکر، خود اپنے سے بے نیاز، اور ہر ایک کے کام آنے والے، ہر ایک کے لئے رحم و کرم کے دیوتا۔ ہر ایک کے کارساز۔

ان بزرگوں نے قرآن شریف سے یہ سبق لیا تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نوع انسان کے ساتھ وہ ہمدردی تھی کہ اس کی فلاح و بہبود کی فکر میں خود اپنی جان کی فکر سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ وہ خلق خدا کی ہمدردی اور غمخواری میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے تیار ہی نہیں تھے۔ بلکہ ان کی تمنا اور آرزو تھی کہ وہ اپنی جان قربان کر دیں۔ اپنے تن، من، دھن کو اس کی راہ میں کھپا دیں۔ وہ اسی کے لئے رات دن بے چین رہتے تھے۔

ان بزرگوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کر کے یہی سوز و گداز، یہی ہمدردی، اسی طرح عوام کے لئے کھپنا، ان کے غم میں گھلنا سیکھا تھا۔ اور اسی غم خواری خلق اللہ نے ان کو خلق خدا کا محبوب بنا دیا تھا۔ بس یہ ایک قدرتی بات تھی کہ جس طرح ان کو انسانوں سے محبت تھی۔ انسانوں نے ان سے محبت کی۔ نہ صرف زندگی میں بلکہ وفات کے بعد بھی محبت کی اور کر رہے ہیں۔ سیکڑوں برس کی تاریخ نے ہزاروں لاکھوں واقعات پر پردہ ڈال دیا۔ مگر جس حقیقت پر کوئی پردہ نہ پڑ سکا۔ وہ ان درویشوں کی محبت ہے۔

لاکھوں باتیں انسانی ذہن سے محو ہو گئیں۔ دلوں کی تختیوں پر ان کے

Marfat.com

مٹے ہوئے نشان کبھی باقی نہیں رہے ۔ مگر ان بزرگوں کی محبت کچھ اس طرح پتھر کی لکیر بن چکی ہے کہ نہ آج تک مٹی ہے نہ آئندہ مٹے گی جس طرح ان پاک بندوں نے عشق خدا اور ہمدردی خلق خدا میں ابدی زندگی حاصل کی ۔ اسی طرح ان کی محبت ان کے دلوں میں زندہ و جاوید ہوگی جن کے لئے یہ مٹے تھے اور فنا ہوئے تھے ۔

بادشاہ کے متعلق ان بزرگوں کے خیالات

راج کمار "ہردیو" سے آپ واقف ہو چکے ہیں ۔ یہ حضرت سلطان الاولیاءؒ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے ۔ اور جب موقع ملتا تو حضرت امیر خسرو کی باتوں سے دل بہلایا کرتے تھے ۔ ہردیو کی ایک ڈائری بھی ہے جس میں وہ روزمرہ کے واقعات اور ملفوظات لکھ لیا کرتا تھا ۔

ایک مجلس کی دلچسپ گفتگو آپ بھی سن لیجئے ۔ اس سے ان بزرگوں کی اپنی زندگی کا نقشہ بھی سامنے آجاتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوگا کہ ان کے خیالات بادشاہوں کے متعلق کیا ہوا کرتے تھے ۔

ہردیو ۔ میں نے کہا حضرت (سلطان الاولیاءؒ) دن بھر روزے رکھتے ہیں اور رات کو فقط جَو کی روٹی کھاتے ہیں اس سے ان کی جسمانی طاقت بہت کم ہو جانے کا ڈر ہے ۔

حضرت امیر خسرو نے جواب دیا ۔ خدا کی یاد اُن کے جسم کی طاقت کے لئے کافی ہے ۔

ہردیو کہتے ہیں ۔ میں نے امیر خسرو سے علاؤ الدین خلجی کی بُرائی کرنی شروع کی اور کہا کہ وہ بہت ہی بُرا بادشاہ ہے ۔

امیر خسروؒ نے میری بات سُنی تو وہ بہت ہنسے اور انھوں نے کہا "ہردیو" تو نے کبھی کسی ڈاکو کو دیکھا ہے ۔ میں نے جواب دیا ۔ ایک نہیں بہت سے ڈاکو

Marfat.com

دیکھے ہیں۔ امیر خسرو نے پوچھا ڈاکو کس کو کہتے ہیں۔ میں نے کہا جو دوسروں کا مال لوٹ لے اور جان لے لے۔ عورتوں اور بچوں پر رحم نہ کرے اس کو ڈاکو کہتے ہیں

امیر خسرو نے مسکرا کر کہا۔ کہ اور تو نے یہ بھی سنا ہو گا کہ ڈاکو سوائے اس گناہ کے کہ وہ دوسروں کا مال لوٹ لیتے ہیں اور بغیر رحم کے دوسروں کو مار ڈالتے ہیں۔ اور زخمی کر دیتے ہیں۔ اور برائیاں اُن میں نہیں ہوتیں مثلاً وہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے جو کچھ ان کے دل میں ہوتا ہے وہی ان کی زبان پر ہوتا ہے۔ وہ اپنا لوٹا ہوا مال غریبوں اور محتاجوں کو بانٹ دیتے ہیں۔ مہمانوں اور مسافروں کو کھانا کھلاتے ہیں لاوارث عورتوں اور بچوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور ہر وقت خدا کی مخلوق کو فائدہ پہونچاتے رہتے ہیں۔ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ نماز پڑھتے ہیں۔ اور اگر ہندو ہوں تو ہمیشہ مندروں میں جاتے ہیں۔ گنگا میں نہاتے ہیں۔ تم مجھے بتاؤ کہ ان ڈاکوؤں کی یہ اچھی باتیں اچھا کہنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ ؟

میں نے جواب دیا۔ "جو اچھی بات ہے وہ اچھی بات ہے اور جو بُری بات ہے۔ وہ بُری ہے۔ پس ڈاکہ مارنا بُرا ہے اور جتنے کام آپ نے بتائے وہ سب اچھے۔

امیر خسرو نے کہا کہ اگر میں کسی ڈاکو کے نیک کاموں کی تعریف کروں تو تم یہ تو نہیں کہو گے کہ وہ ڈاکو ہے بے رحم ہے۔ اس کی اچھی بات کی تعریف نہ کرو۔ میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ یہ سب بادشاہ ڈاکو ہوتے ہیں۔ اور بہت بڑھیا قسم کے ڈاکو ہوتے ہیں۔ دوسروں کا ملک چھین لیتے ہیں۔ ان کو مفلس و کنگال بنا دیتے ہیں۔ اور ان کی عورتوں اور بچوں پر کبھی رحم نہیں کرتے۔ مگر اس عیب کے سوا ان میں ہزاروں خوبیاں بھی ہوتی ہیں۔ وہ نماز بھی پڑھتے ہیں روزے بھی رکھتے ہیں خیرات بھی کرتے ہیں، بھوکوں کو کھانا کھلاتے ہیں، ننگوں کو کپڑے بانٹتے ہیں۔ اور کسی کی تکلیف نہیں دیکھ سکتے۔ لیکن جب ان کو شک ہو جاتا ہے کہ کسی شخص سے ان کی

Marfat.com

بادشاہی کو خطرہ ہے تو پھر وہ رحم اور انصاف کو بھول جاتے ہیں۔ چاہے وہ شخص پیر ہو یا اُن کا باپ ہو یا اُنکی ماں ہو یا اُنکی اولاد ہو یا اُنکا بھائی ہو۔ نہ کسی کی پرواہ نہیں کرتے اور سب کو فنا کر دینا اپنا بادشاہی کا ایمان وقانون سمجھتے ہیں۔

یہی حال علاؤالدین خلجی کا بھی سمجھو کہ وہ بھی دنیا کے بڑے سے بڑے ڈاکوؤں میں سے ایک بڑا ڈاکو ہے۔

ہردیو! تم دہلی میں ابھی نئے آئے ہو۔ تم کو معلوم نہیں ہے کہ خود مختار بادشاہوں کے پایۂ تخت میں زندگی بسر کرنا کتنا مشکل کام ہے۔ چند روز کے بعد تم کو معلوم ہو جائے گا کہ علاؤالدین کے اکثر مصاحب اور اکثر بڑے بڑے امیر اور فوجی سردار میرے حضورؒ کے مرید ہیں۔ سوائے چند آدمیوں کے کہ وہ فقط بادشاہ کے مرید ہیں۔ اور بادشاہ کے سوائے ان کو خدا کی ضرورت ہے نہ رسولؐ کی ضرورت ہے وہ اگر کبھی خدا کو یاد کرتے ہیں تو فقط اس لئے کہ بادشاہ ان کو خدا پرست سمجھے، وہ رسولؐ سے محبت ظاہر کرتے ہیں تو اس لئے کہ بادشاہ کو بھی رسولؐ سے محبت ہے۔ وہ دلّی کے پیروں کے پاس چلے جاتے ہیں۔ زمین پر سر جھکاتے ہیں۔ ان پیروں کو نذریں دیتے ہیں۔ اُن پیروں سے دعائیں کراتے ہیں لیکن درحقیقت وہ بادشاہوں کی نوکری کے لئے ایسا کرتے ہیں۔ کیونکہ بادشاہ ایسے سب لوگوں سے باخبر رہنا چاہتے ہیں۔ جن کا عوام پر اثر ہے۔ یہ ایک طرف پیروں کے قدموں میں سر رکھتے ہیں۔ اور دوسری طرف بادشاہ کے یہاں انھیں پیروں اور بزرگوں کی مخبری کرتے ہیں۔

حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کی اس گفتگو سے اندازہ کیجیئے کہ یہ بزرگ اور اُن کے مصاحبین شکستہ دل اور دُکھی انسانوں کی کس طرح دلداری کیا کرتے تھے عربی زبان کی یہ مشہور کہاوت بالکل صحیح ہے کہ "اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ"۔

Marfat.com

یعنی "احسان کے جواب میں انسان غلام بن جاتا ہے"۔ ان بزرگوں کے بھی احسانات ہوتے تھے جو احسان شناس انسانوں کو "بندۂ بے دام" بنا لیتے تھے۔ ان کی محبت اور گرویدگی دل کے ہر ایک گوشہ اور بدن کے ہر ایک رگ پٹھے میں یہاں تک سرایت کر جاتی تھی کہ آنے والی نسلیں بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتی تھیں۔ یہی اثرات ہیں جو پشتیں گذر جانے کے بعد بھی اُن کے اندر موجود ہیں جن کے دادا پڑدادا پشتہا پشت پہلے ان بزرگوں کے احسانات سے متاثر ہوئے تھے۔

Marfat.com

باب اوّل

حضرت شاہ بو علی قلندرؒ

Marfat.com

خاندان اور نسب

آپ کا سلسلۂ نسب چند واسطوں سے، دین و مذہب کے سب سے بڑے مزاج شناس، وحی الٰہی کے عظیم المرتبت مفکر، منشار شریعت کے سب سے بڑے مبصر مذہبی قانون کے سب سے بڑے نکتہ داں، تفقہ فی الدین کے جلیل القدر مقتدا امام اعظم حضرت نعمان بن ثابت ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ورضی اللہ عنہ تک پہونچتا ہے

والد ماجد کا اسم گرامی فخر الدین ہے۔ چند پشتوں سے غالباً فوجی خدمات کی وجہ سے سالار کا خطاب، نام کا جزو بن گیا ہے۔ چنانچہ فخر الدین صاحب بھی سالار فخر الدین کے نام و خطاب سے مشہور ہیں۔ اور ان کے والد ماجد اور جد امجد کو بھی سالار لکھا جاتا ہے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ تک سلسلۂ نسب یہ ہے۔

شیخ شرف الدین بو علی قلندر خلف سالار فخر الدین بن سالار حسن بن سالار، عزیز بن ابو بکر غازی بن فارس بن عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم بن محمد بن وانک بن امام نعمان ابو حنیفہ کوفی بن ثابت بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین (سیر الاقطاب ص ۳۲۷)

والدہ ماجدہ کا اسم گرامی جمال بی نہایت متقی، با اوقات عابدہ و زاہدہ اللہ تعالیٰ نے حفظ کلام اللہ شریف کی دولت بھی عطا فرمائی ہے۔ اس لئے آپ کو بی بی حافظہ جمال

Marfat.com

کہا جاتا ہے۔ (خزینۃ الاصفیار ص ۳۲۷)

نانہالی سلسلہ

شیخ محمد ابن احمد بن عثمان پانی پتی تیرہویں صدی ہجری کے صاحبِ قلم ہیں وہ حضرت قلندر صاحبؒ کے ہم جد ہیں۔ یعنی قلندر صاحب کے برادر بزرگ حضرت نظام الدین صاحب عراقی کے اخلاف میں سے ہیں۔ آپ نے حضرت قلندر کے حالات ومناقب میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اور حضرت قلندر صاحب کے اسم گرامی کی نسبت سے اس کا نام "شرف المناقب" تجویز فرمایا ہے تصنیف کی تاریخ اور سنہ کا تو علم نہیں ہوسکا۔ البتہ ایک نسخہ جو حضرت مولانا لقا اللہ صاحب عثمانی نے بڑی احتیاط سے احقر کو مرحمت فرمایا ہے۔ اس کے آخر میں تحریر ہے۔ بتاریخ نہم ماہ صفر ۱۲۵۳ھ نسخہٗ ہذا شرف المناقب۔ مطابق ۱۲۴۵ فصلی وقت سعید ختم شد۔ کاتب العاصی ومالک ہذا الکتاب بندۂ ضعیف شیخ محمد یٰسین پانی پتی عفی عنہٗ"

بہرحال جب یہ قلمی نسخہ آج (۱۳۸۱ھ) سے ۱۴۸ سال پرانا ہے۔ تو تصنیف تو تقریباً دوسو برس پیشتر کی ہوگی۔

یہ شیخ محمد بن احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

شیخ فخر الدین صاحب عراقی کو حضرت خواجہ شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی قدس اللہ سرہ العزیز سے شرفِ دامادی حاصل تھا لیکن یہ اہلیہ لاولد فوت ہوگئیں تو حضرت فخر الدین صاحب ہمدان تشریف لے گئے۔ وہاں حضرت سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کی ہمشیرہ سے آپ نے عقد کرلیا۔ آپ اس حرم کو ساتھ لے کر عراق تشریف لیگئے۔ وہاں اس حرم سے آپ کو ایک فرزند نصیب ہوا۔ آپ نے اس کا نام "نظام الدین" رکھا۔ نظام الدین صاحب نے عراق ہی میں پرورش پائی۔ جب آپ کی عمر بارہ تیرہ سال کی ہوئی تو والدین سے اجازت لے کر بسلسلہ تجارت ہندوستان تشریف

لائے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے گھوڑوں کی تجارت شروع کی اور ہندوستان گھوڑے لے کر آئے تھے۔ بہرحال جب آپ پانی پت پہونچے تو اس شہر اور اس کے قرب وجوار کے سرسبز وشاداب خطوں نے آپ کا دل موہ لیا۔ آپ یہیں رہ پڑے۔ کچھ دنوں بعد والدین سے بھی نہیں رہا گیا۔ اور وہ بھی یہیں پانی پت اپنے فرزند رشید نظام الدین صاحب کے پاس آگئے یہیں حضرت شیخ بو علی قلندر کی ولادت ہوئی۔

شیخ فخرالدین کے متعلق " جامع العلوم " کے حوالے سے لکھا ہے :۔

" دانشمند کامل حال بود۔ در علم معقول ومنقول ممتاز ومشہور"

(ترجمہ :۔ بہت بڑے صاحب عقل وہوش اور باکمال بزرگ تھے جو عقلی اور نقلی علوم میں نہایت مشہور اور ممتاز تھے)

اس کے بعد آپ کے ملتان پہونچنے کا ایک نہایت عجیب واقعہ لکھا ہے کہ آپ اپنے مدرسہ میں تشریف فرما تھے۔ کہ قلندروں کا ایک گروہ آیا۔ شیخ نے ان کی خاطر مدارات کی۔ ان میں ایک نوجوان سے آپ کو اتنا انس ہو گیا کہ جب یہ قافلہ روانہ ہوا۔ تو آپ اس کے ساتھ ہو لئے۔ دو چار روز اپنی اصلی وضع پر رہے۔ پھر ان قلندروں نے کہا کہ اگر آپ اس نوجوان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں تو شرط یہ ہے کہ آپ بھی چار ابرو کا صفایا کریں اور ہماری وضع اختیار کرلیں۔

شیخ فخرالدین کچھ اس درجہ وارفتہ تھے کہ یہ شرط قبول کرلی۔ یہ قافلہ منزلیں طے کرتا ہوا خراسان سے ملتان پہونچ گیا۔ یہاں حضرت شیخ بہاء الدین زکریاؒ کا دسترخوان اتنا وسیع تھا کہ روزانہ سینکڑوں درویش آپ کے لنگرخانے سے کھانا کھاتے تھے۔ یہ قافلہ بھی حضرت خواجہ ملتانی کے وسیع دسترخوان سے فیض یاب ہوا۔

حضرت خواجہ، مولانا فخرالدین صاحبؒ عراقی سے کسی طرح پہلے سے واقف تھے یا آپ نے نظر کشفی سے ان کو تاڑ لیا تھا۔ بہرحال حضرت شیخ ملتانی کو شیخ

Marfat.com

فخرالدین کی موجودہ حالت دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔آپ نے مولانا فخرالدین صاحب کو تخلیہ میں طلب فرما کر گفتگو کی۔ اور توجہ باطنی سے ایسا تصرف کیا کہ مولانا فخرالدین صاحب کو اس حالت سے نجات مل گئی اور یہ عالمِ سکر ختم ہوا۔ اب شیخ فخرالدینؒ حضرت خواجہ بہاءالدینؒ کے ممنونِ احسان بھی تھے اور حد درجہ معتقد بھی، جس کا لازمی تقاضہ یہ تھا کہ آپ نے حضرت خواجہ ملتانی سے بیعت ہونے کی درخواست کی جو منظور ہوئی، اور آپ داخلِ سلسلہ ہوگئے۔

طبیعت کی یکسوئی اور مقصد کے لئے جذبۂ فنا، عشقِ مجازی میں حاصل ہو چکا تھا۔ صرف رُخ بدلنے کی دیر تھی۔ حضرت خواجہ ملتانیؒ کے فیضِ تصرف سے وہ رُخ بدل گیا۔ تو چند روز ہی میں مراحلِ سلوک طے کر کے درجۂ کمال کو پہنچ گئے۔ یہاں تک کہ خود حضرت بہاءالدینؒ نے آپ کو دامادی کے لئے منتخب فرمالیا۔

یہ ایک رُخ تھا کہ کس طرح عشقِ مجازی سے عشقِ حقیقی تک پہونچے۔ اور یہ کہ حضرت خواجہ بہاءالدین نے کس طرح آپ کے کمال کی قدر کی، یہاں تک کہ اپنی نورِ چشم کو آپ کے حبالۂ عقد میں منسلک کر دیا۔

اب ایک اور لطیفہ کمالِ احتیاط کا ملاحظہ فرمایئے۔ اگر ادب مانع نہ ہو تو آپ اس کو "تقشف" سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ جب ان صاحبزادی صاحبہ کی وفات ہوگئی تو حضرت خواجہ بہاءالدین صاحب نے چاہا کہ دوسری لڑکی انھیں سے منسوب فرمادیں۔ آپ نے اپنے فرزند رشید حضرت خواجہ صدرالدین صاحب سے مشورہ فرمایا۔

حضرت خواجہ صدرالدین صاحب نے سختی سے مخالفت کی۔ مخالفت کی وجہ یہ تھی کہ آپ کے خیال میں شیخ فخرالدین صاحب "بندۂ نفس" تھے۔ دلیل یہ بیان فرمائی کہ:

"ایک روز میں خانقاہ کے مہمان خانہ میں کھڑا ہوا تھا۔ صبح کا وقت

تھا۔ میں نے بھائی فخرالدین صاحب کو دیکھا کہ کرتا اُتارے نسیم صبا سے محظوظ ہو رہے ہیں۔ جو شخص اس درجہ حظِ نفس میں مبتلا ہو۔ اس کو پہلے ہی لڑکی دینی مناسب نہیں تھی۔ چہ جائیکہ دوسری لڑکی بھی اسی کے حوالہ کر دی جائے۔"

والد صاحب نے بہت سمجھایا کہ میاں صدرالدین یہ حظِ نفس ایسا نہیں جو ناجائز ہو۔ فخرالدین صاحب کے لئے اتنا حظِ نفس مباح ہے۔ مگر صدرالدین صاحب راضی نہیں ہوئے۔ بالآخر والد صاحب نے بھی صاحبزادے کی مرضی کے خلاف نکاح کر دینا مناسب نہیں سمجھا۔

اب شیخ فخرالدین صاحب آزاد ہو گئے تو حضرت شیخ سے رخصت ہو کر ہمدان پہونچے۔ وہاں سید نعمت اللہ صاحب ہمدانی کی بہن سے دوسرا نکاح کیا۔

پیٹ کھول کر گھومنا یا کرتا اُتار دینا تنہائی میں یا مجمع میں شرعاً ناجائز نہیں ہے۔ کیونکہ مرد کا پیٹ اور پیٹھ ستر میں داخل نہیں ہے۔ جس کا کھولنا ناجائز ہو۔ البتہ مجمع میں خلاف ادب ہے۔ لیکن حضرات صوفیا کرام کا نصب العین نفس کشی ہوتا ہے ان کے اصول کے مطابق اس طرح کا حظِ نفس بھی ممنوع ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس زمانے میں مشائخ طریقت کیسے کیسے مجاہدے اور ریاضتیں کرایا کرتے تھے۔

سید نعمت اللہ صاحب کے متعلق شرف المناقب میں تحریر ہے کہ:۔

"سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی کہ مرقدش ظاہر اور قصبہ ہانسی است۔"

(ترجمہ:۔ سید نعمت اللہ ہمدانی کرمانی جن کا مزار بظاہر قصبہ ہانسی میں ہے)

لیکن یہ تفصیل نہیں ہے کہ ہانسی میں یہ پہلے سے تھے یا بعد میں تشریف لائے ہانسی مشرقی پنجاب کا ایک مشہور قصبہ ہے۔

Marfat.com

سید نعمت اللہ صاحب کی ہمشیرہ جو شیخ فخرالدین صاحب سے منسوب ہوئیں۔ وہ حافظ قرآن تھیں نہایت متقی، پابند اوقات، ذاکر و مشاغل۔ غالباً جمال النساء نام ہوگا۔ حافظ بی بی جمال کے نام سے مشہور رہوئیں۔

صاحب شرف المناقب یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ بہت سے معتبر حضرات کا خیال ہے کہ حضرت شاہ شرف بوعلی قلندر پانی پتی۔ حضرت قطب جمال ہانسوی، سلطان شاہ فرخ گوہالوی اور شاہ صوفی کیتھلی یہ سب خالہ زاد بھائی ہیں۔ یہاں یہ بھی واضح ہوجانا چاہیئے کہ پانی پت، ہانسی، حصار، گوہانہ، کیتھل یہ سب مشرقی پنجاب کے قصبات ہیں اور ایک دوسرے سے تقریباً بیس۲۰ بیس میل کے فاصلہ پر یا اس سے کچھ کم و بیش ہیں۔

سال ولادت

حضرت شیخ فخرالدین صاحب اس دوسرے عقد کے بعد ۶۰۰ھ میں ہندوستان تشریف لائے۔ اور تشریف آوری سے چار سال بعد ۶۰۵ھ میں دوسرے فرزند پیدا ہوئے جن کا نام شرف الدین رکھا گیا۔ بعد میں پورا نام یہ ہوگیا "شیخ شرف الدین بوعلی قلندر قتال"

ولادت کے بعد کثرت گریہ اور تسکین کی عجیب و غریب صورت

شرف المناقب کی روایت ہے کہ ولادت کے بعد تین دن ایسے گزرے کہ یہ ہونے والے قلندر برابر روتے ہی رہے۔ تیسرے روز شیخ فخرالدین صاحب نے مکان کے دروازے پر ایک "مجرم پوش" درویش کو دیکھا، سلام کیا۔ درویش نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا:۔

"مبارک ہو، لڑکا ہوا ہے میں اسی کو دیکھنے کے لئے منتظر کھڑا ہوں۔

فخرالدین صاحب درویش کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئے۔ درویش نے بچہ کو دیکھا تو پیشانی کو بوسہ دیا۔ پھر دونوں کانوں میں یہ آیت پڑھی"

Marfat.com

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ ۔(جس طرف کو منہ کرلو ادھر ہی اللہ ہے)

اس آیت کی آواز جیسے ہی کانوں میں پڑی گریہ موقوف ہوگیا، آنکھیں کھل گئیں اور دودھ چوسنا بھی شروع کر دیا۔

درویش صاحب نے شیخ فخرالدین صاحب کو بشارت دی کہ یہ بچہ صاحب کمال عاشقِ خدا ہوگا۔ پھر دیکھتے ہی دیکھتے یہ درویش نظروں سے غائب ہوگئے۔

تعلیم فارسی آپ کی مادری زبان تھی اور عربی علمی اور قانونی زبان، آپ دونوں زبانوں کے ماہر تھے۔ اور اس زمانہ میں جو علوم وفنون ایک فاضل کے لئے ضروری مانے جاتے تھے۔ آپ نے ان میں بھی دسترس حاصل کی۔ شعروسخن متمدن اور مہذب انسان کا فطری ذوق ہوتا ہے اور جذبۂ عشق اس سونے پر سہاگے کا کام کرتا ہے۔ آپ کا ادبی ذوق ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے آپ کا کلام نہایت سلیس، پُر معنی اور پُر مغز، یعنی سہل ممتنع، آپ کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ اس وقت میرے سامنے ہے اور غالباً یہ مطبوعہ بھی ہے۔ مگر عام طور پر دستیاب نہیں ہوتا۔ البتہ آپ کی مثنوی یہاں تک مشہور اور متداول ہے کہ اب سے تقریباً پچاس سال پیشتر تک وہ کریما سعدی کی طرح فارسی کے ابتدائی کورس میں داخل تھی۔

اساتذہ آپ کے اساتذہ کے نام معلوم نہیں ہیں۔ بظاہر آپ نے پانی پت ہی میں وہاں کے اساتذہ سے تعلیم پائی۔ شرف المناقب کے ایک جملہ سے آپ کے ایک استاذ مولانا سراج الدین مکی کا نام معلوم ہوتا ہے۔ جو آپ کی وفات کے بعد بھی عرصہ تک زندہ رہے اور بروایت مصنف "شرف المناقب" دوسوتیس ۲۳۰ سال کی عمر پائی۔

"مولانا سراج الدین مکی کہ استاد آں عاشق الٰہی بود دوصد

Marfat.com

وسی سال عمر شان بود۔"

پانی پت سے دہلی اور سلسلۂ درس و قضاء

عمر عزیز کے چالیس سال آپ نے اسی پانی پت میں گذار دیئے جہاں کی گلیوں اور کوچوں میں آپ نے بچپن کے دن گذارے تھے۔ پھر آپ دہلی تشریف لائے۔ سب سے پہلے آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس اللہ سرہٗ کی درگاہ میں حاضر ہوئے اور مسجد میں پہنچ کر دوگانہ شکر ادا کیا۔ خود آپ کی تحریر ہے۔

"چوں ایں درویش ضعیف الضعیف فقیر الحقیر شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی از خطہ پانی پت در شہر دہلی رفت در مقام خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس اللہ سرہ العزیز در نماز گاہ دوگانہ گذاردم و سر بسجدہ بردم۔"

ترجمہ:۔ جب یہ ضعیف و کمزور فقیر و حقیر شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی۔ پانی پت سے دہلی پہونچا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی قیامگاہ پر پہونچکر دوگانہ شکر ادا کیا اور سر بسجود ہوا۔

پھر آپ تحریر فرماتے ہیں:۔

"آں روز عمر ایں درویش چہل سالہ بود در مینارہ دہلی سکونت کردم۔ و آنچہ مطلوب بود از خدائے تعالیٰ خواستم۔"

ترجمہ:۔ اس وقت اس درویش کی عمر چالیس سال تھی۔ دہلی کے مینارہ ..... (قطب مینار) کے علاقہ میں، میں نے سکونت اختیار کی۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے مقصود میں کامیابی کی دعا کی۔"

مگر صرف مینارہ دہلی میں سکونت ہی نہیں، بلکہ سوانح نگاروں نے تو یہ لکھا ہے کہ آپ نے مسجد "قوت الاسلام" کو درس و تدریس کا مرکز بنا لیا۔ اور چالیس

Marfat.com

سال "قطب مینارہ" کے نیچے درس وتدریس میں گذار دیئے۔

اتنے طویل عرصہ تک درس وتدریس کا سلسلہ اس دور میں جب اللہ اور رسولؐ کے بعد استاد اور پیری کا درجہ مانا جاتا تھا اس کے اثرات لامحالہ یہ ہونے تھے کہ دہلی کے تمام علمی اور سیاسی حلقوں میں آپ کی عزت وعظمت کا سکہ جم جائے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ امرائے دولت اور ارباب حکومت بھی یہاں تک متاثر تھے۔ کہ انھوں نے پایۂ تخت کا منصب قضا (ججی) آپ کے سپرد کر دیا۔ پھر آپ بیس سال تک فرائض قضا پوری احتیاط اور دیانت سے انجام دیتے رہے۔ مگر آپ نے خود اپنی تحریر میں جس کا عنوان حکمنامہ ہے۔ چالیس سال تک درس وتدریس کا ذکر نہیں کیا۔ البتہ اہل علم ودانش اور ارباب نقر کے حلقہ میں جو عظمت آپ کو حاصل تھی۔ اور اس وقت کے نامور مشائخ اور علماء وفضلا جس طرح آپ کو اپنا مسلم مقتدا اور پیشوا سمجھتے تھے اس کے متعلق آپ نے تحریر فرمایا ہے۔

جمیع[1] درویشان ودانشمندان جمع شدہ باین درویش گفتند۔ کہ میان ما "بزرگ" توئی۔ مولانا وجیہ الدین پائلی۔ مولانا ظہیر الدین بخاری۔ مولانا صدر الدین وشریعت الدین ومولانا فخر الدین ناقلی ومولانا شریعت الدین ترکی ومولانا معین الدین دولت آبادی ومولانا نجم الدین سمرقندی ومولانا قطب الدین مکی ومولانا احمد بخاری وعلمایان دیگر رحمۃ اللہ علیہم والغفران ہر یک باتفاق برین آمدند واجازت فتوی کردند۔

لیکن یہ اثر ورسوخ کہ اکابر علماء اور مشائخ نے متفقہ طور پر آپ کو اپنا بزرگ اور بڑا مان لیا۔ اور شرعی نقطہ نظر سے آپ ہی کے فیصلے اور فتوے کو

---

[1] سب درویشوں اور علماء نے اکٹھے ہو کر اس فقیر سے فرمایا۔ کہ ہم سب سے زیادہ بزرگ اور افضل آپ ہیں۔ اس اجتماع میں یہ حضرات شریک تھے۔

Marfat.com

حرفِ آخر قرار دیا۔ظاہر ہے دو چار سال میں حاصل نہیں ہوتا۔اس کے لئے ایک طویل مدت درکار ہے اور بظاہر یہ بات صحیح ہے کہ چالیس سال تک آپ کے حلقۂ درس کی گرم بازاری نے دانشوروں اور علماء کو مجبور کر دیا تھا کہ آپ کو عظمت وقیادت کا تاج پہنائیں اور اپنی گردنیں آپ کی عزت وحرمت کے لئے خم کریں۔ پھر آپ کی یہ تاجپوشی اس زمانے کے بادشاہوں کی طرح چند روزہ نہیں تھی۔بلکہ بیس سال تک آپ کے انفاس قدسیہ سے مسند افتاء آراستہ رہی۔خود آپ کا ارشاد ہے۔

"بست سال فتویٰ دادم وسبقہ گفتم"۔

بیس سال کے بعد بھی کسی باہر کے حریف نے یہ مسند نہیں چھینی، بلکہ خود قلندر صاحب کی گیتی فطرت سے سندانِ عشق حملہ آور ہوا اور اس نے آبگینۂ علم کو پارہ پارہ کر دیا۔پھر اہرمن شوق کی دست درازی یہاں تک بڑھی کہ علم کے تمام سفینوں کو آپ نے دریائے استغراق میں غرق کر دیا۔آپ حکمنامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔کہ:۔

"اس درویش کو چار علم بتمام وکمال عطا ہوئے۔علمِ شریعت، علمِ طریقت، علمِ حقیقت اور علم معرفت"۔

دہلی کے جملہ فضلاء نے مل کر مجھ سے درخواست کی کہ ہمیں ایک ماہ عطا کر دیا جائے کہ ہم متفرق کتابوں کے کچھ اسباق آپ سے پڑھ لیں۔مگر مجھ پر جذبۂ شوق کا غلبہ ہوا۔میں دہلی سے نکل کھڑا ہوا۔صحرا کی راہ لی۔اول "وزیر آباد" پہونچا۔ وہاں دریائے جمنا کے کنارے قیام کیا۔رات وہیں گذاری جب صبح ہوئی تو جتنی کتابیں میرے پاس تھیں سب کو دریا میں ڈال دیا۔

دوہا:۔ پنڈت لکھیا باچ کر پوتھی مالی تور:: سکھ سرے انجہر میٹ کر من میں سائیں لور

Marfat.com

ترک فتوے وکتاب کردم ومشغول بزہد وطاعت گشتم۔

اس کے بعد آپ پانی پت تشریف لائے۔ پانی پت پہونچنے کی تاریخ ۱۴ محرم الحرام تحریر فرمائی ہے۔ مگر سنہ تحریر نہیں ہے۔

حکمنامہ کیا ہے؟

یہاں بطور معترضہ حکمنامہ کا تعارف کرایا جاتا ہے جس کا تذکرہ سطور بالا میں چند بار آیا ہے۔

حضرت مولانا بقاء اللہ صاحب نے "دیوان حضرت شاہ بوعلی قلندر" کا ایک قلمی نسخہ احقر کو مرحمت فرمایا ہے۔ اس کے آخر میں یہ حکمنامہ درج ہے۔ جس کے کل ۵ صفحات ہیں۔ یہ گویا حضرت شاہ قلندر صاحب کی خود نوشت مختصر سوانح ہے۔ پہلے اور دوسرے صفحہ کے چند اقتباسات سطور بالا میں پیش کئے گئے۔ کچھ اقتباسات آئندہ سطور میں پیش کئے جائیں گے۔ اب شانِ قلندری ملاحظہ فرمایئے۔ کہ اس مختصر کا بھی تقریباً ڈیڑھ صفحہ اشعار سے بھرا ہوا ہے جو ایک مغنی نے آپ کی فرمائش پر پڑھے ہیں۔ گویا خود آپ کی نظر میں اپنی سوانح کا یہ ایسا واقعہ ہے جس کو مختصر سے مختصر سوانح میں بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔

اب واقعہ ملاحظہ فرمایئے اور دلچسپی لیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ رمضان شریف کی ستائیسویں ۲۷ شب اور جمعہ کی رات تھی کہ شوقِ الٰہی نے ایک کیفیت پیدا کی۔ آپ نے اسی عالمِ کیف میں اپنے مخلص مولانا سراج الدین رکوعی سے فرمایا۔

"کسے را بیار تا چند غزل در علم موسیقی بخواند تا وقت ما خوش وخرم شود۔"

ترجمہ:۔ کسی کو بلالو تاکہ فنِ موسیقی کے ساتھ چند غزلیں سنادے جس سے ہمارا یہ وقت پُر فرحت وپُر نشاط ہوجائے۔

مولانا نے دریافت فرمایا: کس کو بلاؤں۔ آپ نے فرمایا۔

ابراہیم کے لڑکے کو بلالو جس کا نام زکریا ہے اور شہید الشہیدی (؟)

Marfat.com

کے روضہ کے قریب اس کا مکان ہے"۔

مولانا سراج الدین صاحب اس لڑکے کو لے آئے۔ اس کی عمر ۱۴ سال تھی۔ اس نے دو غزلیں پڑھیں۔ پانچ شعر ایک غزل میں ہیں جس کا مطلع ہے۔

ساربان با اشتران مست در رفتار مست
میر مست و خواجہ مست و یار مست اغیار مست

پندرہ شعر دوسری غزل میں ہیں۔ یہ غزل خود حضرت قلندر صاحب کی ہے اس کا مطلع ہے۔

با صورت آدم نبرد سجدہ عزازیل
زاں مدعی آرد بتو در سجدۂ ماقیل

اور آخری مقطع یہ ہے۔

در روئے تو دیدہ شرف اسرار عجائب
کز دے نتواں کرد حکایات بہ تمثیل
ہاں بو علی از مدعیاں ہیچ نہ نجی
با صورت آدم نبرد سجدہ عزازیل

حضرت قلندر صاحب اتنے محظوظ ہوئے کہ آپ نے لڑکے کو قریب بلا کر اس کی کمر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔

"بیٹا تم ہمارے ہو۔ لڑکوں بالوں کا ایک انبوہ تمہیں اللہ تعالیٰ بخشے گا۔ تمہارے گھوڑوں کا اصطبل (خیل خانہ) بہت بڑا ہوگا"

پھر آپ نے مولانا سراج الدین رکوعی سے فرمایا۔

"جبہ و دستار را بیار تا من بریں پسر عطا کنم۔"

ترجمہ:۔ (جبہ و دستار لے آؤ تاکہ اس لڑکے کو دے دوں۔"

مولانا سراج الدین صاحب نے حکم کی تعمیل کی۔ جبہ و دستار لاکر پیش کر دیا آپ نے یہ خلعت اس لڑکے کو عنایت فرمایا۔ اس کی برکت یہ تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں لوگوں نے دیکھ لیا۔

"آں پسر در حضرت صمدیت مقبول شد"

ترجمہ:۔ (وہ لڑکا مقبول بارگاہ اور خدا رسیدہ بزرگ ہوگیا)

یہ تو حکمنامہ ہوا اب اس کی تاثیر ملاحظہ فرمایئے جو تاثیر علماء کرام نے "حزب البحر" کی بیان کی ہے۔ تقریباً اسی قسم کی تاثیر اس حکمنامہ کی بھی تحریر کی گئی ہے۔ اور اسی وجہ سے شیخ محمد عرف غلام الیسین نے اس کو اپنے پاس محفوظ رکھنے کے لئے تبرکاً و تیمناً نقل کیا ہے۔

(بتاریخ نوزدہم ۱۲۳۶ھ شعبان المعظم (یوم جمعہ) بعہد والا سپہر جاہ محمد اکبر بادشاہ غازی خلف حضرت شاہ عالم عالی گوہر مغفور)

یعنی آج سے تقریباً ڈیڑھ سو برس پہلے۔ مگر "خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم" ایک طرف شیخ محمد صاحب کا یہ حسنِ اعتقاد ہے۔ دوسری جانب ایک محقق کی تحقیق ملاحظہ فرمایئے۔ حضرت مولانا عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

رسالہ دیگر در عوام الناس شہرت دارد کہ او را حکمنامہ شیخ شرف الدین می گویند۔ ظاہر آنست کہ آن از مخترعات عوام است۔ واللہ اعلم

(اخبار الاخیار)

یعنی یہ حکمنامہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ حضرت قلندر صاحب کی طرف اس کا انتساب بھی غلط ہے۔ یہ محض عوام کی گھڑی ہوئی تحریر ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مشائخ اور مریدین

مصنف شرف المناقب (مولانا محمد بن احمد بن عثمان)

کی رائے یہ ہے کہ آپ اگرچہ اپنے زمانہ کے متعدد مشائخ کی خدمت میں حاضر رہے مگر درحقیقت آپ کی تربیت براہ راست صدر نشین منصب ولایت جناب حضرت علی بن ابی طالبؓ کی رُوح مقدس سے ہوئی ہے۔ مولانا محمد صاحب فرماتے ہیں کہ "اگرچہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بیعت تھے۔ کسی کا خیال ہے کہ آپ شیخ شہاب الدین عاشق خدا (خلیفہ امام الدین ابدالی) سے بیعت تھے (ان کا مزار دہلی میں ہے) مگر

"انچہ بفقیر تحقیق پیوست ہمیں ست کہ از روح مقدس حضرت امیرالمومنین حضرت علی رضی اللہ عنہٗ تربیت شدہ واز علوم اولین و آخرین بہرہ یاب گشتہ اند"

ترجمہ:۔ (اس فقیر کی تحقیق میں جو بات ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت امیرالمومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رُوح مقدس سے تربیت ہوئی۔ اور آپ کے اُن علوم سے جو اگلے پچھلے علوم پر حاوی تھے حضرت قلندر صاحب فیض یاب ہوئے ہیں۔

مولانا موصوف نے اپنے اس دعوے کی تین دلیلیں پیش کی ہیں۔ اول یہ کہ کسی کتاب یا رسالہ میں یہ میری نظر سے نہیں گذرا کہ آپ کسی سے بیعت ہوئے ہیں ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔

دوم مولانا شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی اپنی مشہور تصنیف "اخبار الاخیار" میں تحریر فرماتے ہیں۔

"نسبت ارادت او ازیکے ازیں مشائخ مشہور نیست۔ بعضے گویند بخواجہ قطب الدین بختیار کاکی ارادت داشت۔ بعضے گویند شیخ

Marfat.com

نظام الدین اولیار رو ہیچ یکے ازیں رو بصحبت نرسیدہ است "

ترجمہ :- (اس زمانہ کے مشہور مشائخ میں سے کسی سے بھی اُن کو ارادت وبیعت کا تعلق نہیں ہے ۔بعض علمار کہتے ہیں کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ سے بیعت تھے کسی کا خیال ہے کہ حضرت نظام الدین اولیار سے تعلق ارادت رکھتے تھے ۔ان میں سے کوئی بھی صحیح نہیں ہے ۔

تیسری دلیل - شیخ کالہ کی ایک روایت ہے ۔ شیخ کالہ حضرت قلندر صاحب کے برادر زادے تھے وہ فرماتے ہیں ۔کہ شیخ عثمان جو حضرت قلندر کے مخصوص ارادت مندوں میں سے تھے وہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک دن حضرت قلندر صاحب کے اُستاد مولانا سراج الدین صاحب مکی سے دریافت کیا کہ آں عاشق الٰہی (قلندر صاحب) کس کے مرید تھے ۔مولانا سراج الدین صاحب نے برجستہ جواب دیا "امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ کے " اس شخص نے پھر عرض کیا ۔مشہور تو یہ ہے کہ شاہ شہاب الدینؒ سے مرید تھے ۔

مولانا سراج الدین نے جواب میں فرمایا :-

برادرِ من ! بیشک عوام کو اسی بیعت و ارادت کا علم ہوتا ہے جو ظاہر میں کسی سے ہوتی ہے ۔لیکن اصل ارادت وہ ہے جو روحانیت کے لحاظ سے ہو جس سے کسی کی روحانیت کی تعمیر و تربیت ہو ۔اس کا ہر ایک کو علم نہیں ہوتا ۔اس کو وہی جانتے ہیں جو اس کے راز داں ہوتے ہیں ۔

پھر مولانا نے فرمایا :- میں نے خود شیخ شرف الدین صاحبؒ کی زبان سے بارہا سنا ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے ۔

" مرا فیض روحانی از جناب حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ رسیدہ است ۔

چنانچہ پرتو آفتاب بر دیوار می تابد و او منور می شود ۔ (شرف المناقب)

یعنی "جس طرح آفتاب کی کرنیں دیوار پر پڑتی ہیں تو دیوار منور ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کے آفتابِ فیض کی شعاعوں نے میری تربیت فرمائی ہے۔"

صاحب شرف المناقب کی رائے سے اس حد تک تو ہمیں بھی اتفاق ہے کہ حضرت قلندر صاحب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت نہیں تھے۔ کیونکہ حکمنانہ کی تصریح کے بموجب حضرت قلندر صاحب چالیس سال کی عمر میں دہلی تشریف لے گئے ہیں یعنی ۶۴۲ھ میں اور حضرت قطب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس سے گیارہ سال پہلے ۶۳۳ھ میں وفات پا چکے ہیں۔ لہٰذا بلاواسطہ حضرت قطب صاحب سے بیعت ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن اس تحقیق کی بنا پر شرف المناقب کا یہ ارشاد بھی صحیح نہیں ہے کہ:۔

"گاہ گاہ آں عاشق الٰہی بخدمت خواجہ قطب الدین دہلوی می رفتند۔ و آنحضرت برایشاں توجہ والطاف می فرمودند۔ و در انجمن شوق و مجلس صحبت خواجہ صاحب موصوف حاضر می شدند۔"

ترجمہ:۔ یعنی کبھی کبھی قلندر صاحب حضرت قطب صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے اور قطب صاحب خاص توجہ اور لطف و کرم فرماتے تھے۔ اور حضرت قطب صاحب کی انجمن شوق اور مجلس تلقین میں بھی حاضر ہوا کرتے تھے۔"

بہرحال صاحب شرف المناقب کی رائے کے اتنے حصے سے ہمیں اتفاق ہے کہ آپ حضرت قطب صاحبؒ سے بلاواسطہ بیعت نہیں تھے لیکن اس سے ہمیں اتفاق نہیں کہ آپ کسی سے بھی بیعت نہیں تھے۔

صاحب شرف المناقب فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کتاب میں نہیں دیکھا۔ یہ درست ہے آپ نے اپنی زیر مطالعہ کتابوں میں سے کسی کتاب میں نہیں دیکھا

Marfat.com

ہوگا لیکن عجیب بات یہ ہے کہ آپ نے حضرت مولانا سراج الدین مکی کا مکالمہ نقل کرکے خود اپنی کتاب میں قلندر صاحب کے بیعت ہونے کی تصدیق فرمادی ہے۔ کیونکہ مولانا مکی نے اس سے انکار نہیں فرمایا کہ قلندر صاحب حضرت شاہ شہاب الدین صاحب سے بیعت نہیں تھے۔ آپ نے یہ فرمایا کہ تربیت آپ کی شاہ شہاب الدین نے نہیں فرمائی۔ بلکہ تربیت حضرت شیر خدا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے فیض روحانی سے ہوئی ہے۔ اس سے بیعت کی نفی نہیں ہوتی۔ اس کے علاوہ اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ انھیں کے وطن عزیز "پانی پت" کے سوانح نگار شیخ اللہ دیا ابن شیخ عبدالرحیم۔ ابن شیخ پناہ حکیم چشتی عثمانی اپنی مشہور تصنیف سیرت الاقطاب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ونسبت شجرہ وخلافت کہ بقطب الشاہدین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس اللہ سرہٗ العزیز مے پیوندد۔ بدیں طریق حضرت قطب ابدال مخدوم شیخ شرف الدین بوعلی قلندر مرید وخلیفہ حضرت شیخ شہاب الدین عاشق خدا است وہو من شیخ امام الدین ابدال وہو من حضرت شیخ بدرالدین غزنوی وہو من قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس اللہ سرہٗ العزیز رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

ترجمہ:۔ آپ کا شجرہ بیعت وخلافت جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ تک پہونچتا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت قلندر شیخ شہاب الدین کے خلیفہ ہیں جو 'عاشق خدا' کے لقب سے مشہور تھے۔ شیخ شہاب الدین شیخ امام الدین ابدال کے خلیفہ۔ شیخ امام الدین نے شیخ بدرالدین غزنوی سے خرقہ خلافت حاصل کیا اور شیخ بدرالدین حضرت قطب صاحب کے خلیفہ مجاز تھے۔ رحمۃ اللہ علیہم اجمعین۔

Marfat.com

صاحب شرف المناقب (محمد بن احمد بن عثمان) غالباً تیرہویں صدی ہجری کے مصنف ہیں اور سیر الاقطاب اس سے دو سو سال پہلے (در سنہ ہشت و ثلاثین و الف) ۱۰۳۸ھ (جہانگیر بادشاہ) کے زمانہ کی تصنیف ہے۔ تعجب ہے صاحب شرف المناقب کے مطالعہ سے نہیں گذری۔ باقی رہا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رح کا یہ ارشاد کہ "نسبت ارادت او بیکے ازیں مشائخ مشہور نیست" تو محدث صاحب نے اس زمانہ کے مشہور مشائخ طریقت سے بیعت کی نفی کی ہے۔ حضرت شیخ شہاب الدین صاحب اس زمانہ کے مشہور مشائخ طریقت میں نہیں تھے۔ غالباً اسی وجہ سے حضرت محدث صاحب نے اپنی مشہور تصنیف "اخبار الاخیار" میں ان کا ذکر بھی نہیں کیا ہے۔

مختصر یہ کہ حضرت قلندر صاحب قاعدے کے مطابق حضرت شیخ شہاب الدین عاشقِ خدا سے بیعت تھے۔ البتہ فیض روحانی آپ کو سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے حاصل ہوا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) اس کے علاوہ ایک اور روایت بھی ہے جس کو اعراس نامہ کے حوالہ سے حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے نقل کیا ہے کہ آپ نے شیخ شمس الدین تبریزی سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ حضرت شمس الدین تبریزی۔ حضرت شیخ قطب الدین ابہری کے خلیفہ تھے اور حضرت شیخ قطب الدین۔ حضرت شیخ ضیاء الدین ابی النجیب عبدالقاہر سہروردی کے خلیفہ تھے۔ اگر یہ روایت صحیح مانی جائے تو اس کی توجیہ یہ ہوگی کہ سلسلہ چشتیہ میں آپ نے حضرت شیخ شہاب الدین سے نسبت حاصل کی ہو اور سلسلہ سہروردیہ میں حضرت شیخ شمس الدین تبریزی سے۔ واللہ اعلم

مریدین اس سلسلہ میں پہلے "حکمنانہ" کا اقتباس پیش کیا جا رہا ہے ارشاد ہے۔

"میں مرید بھی کیا کرتا تھا اس درویش کے کچھ مرید سلاطین اور خواتین تھے جیسے سلطان جلال الدین سلطان علاء الدین، خضر خاں، آصف خاں، اور سیف خاں۔

Marfat.com

اس کے بعد "حکمنامہ" کے الفاظ کا ترجمہ یہ ہے۔

"جو شخص اس درویش (قلندر صاحب) کے پاس آتا تھا اپنی مراد میں کامیاب ہو جاتا تھا۔ چنانچہ میرے کچھ مرید ایسے ہوئے ہیں جو گرم تنور میں نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔ کچھ مرید ایسے تھے جو آب رواں پر مصلّٰی بچھا لیا کرتے تھے اور وہ مصلّٰی تر نہیں ہوتا تھا۔"

اس کے بعد قلندر صاحب کا ارشاد حکمنامہ میں نقل کیا گیا ہے کہ پانچ چھ تاجدار بادشاہ اس درویش کے آستانہ پر حاضر ہو کر آستانہ بوسی کیا کرتے تھے۔

آستانۂ قلندری پر بادشاہوں کی حاضری مُسلّم ہے۔ باقی جہاں تک تنور میں نماز پڑھنے اور آبِ رواں پر مصلّٰی بچھانے کا تعلق ہے تو اگرچہ ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ "کرامات الاولیاء حق" مگر یہ بھی نظر انداز نہ ہونا چاہیئے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی رح اور ان جیسے دوسرے اکابر اس طرح کی کرامتوں کو "مقبولیت" اور "تقرب الی اللہ" کا مدار قرار نہیں دیتے۔ بلکہ ان حضرات کی تحقیق یہ ہے کہ اس طرح کی کرامتیں بسا اوقات تقرب کے بجائے بُعد کا سبب بن جاتی ہیں کیونکہ اگر کسی شخص کو اس طرح کی کرامتوں پر ناز ہو گیا۔ تو یہ فخر و ناز خدا بینی کے بجائے خود بینی کے دام میں اُلجھا دیتا ہے۔

حضرات علماء کرام کے عقیدہ کے مطابق قرب اور مقبولیت عند اللہ کا مدار اتباع سنت ہے۔ کیونکہ ظاہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جملہ مقربین کے سرتاج ہیں۔ آپ کے اخلاق کی تعریف خود قرآن پاک میں موجود ہے۔ اور آپ کے کردار اور اسوہ کو نشانِ مقبولیت بنایا گیا ہے۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ نیز ارشاد ہے۔ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی۔ اس کے علاوہ حضرت شیخ عبدالحق صاحبؒ کی یہ تحقیق بھی فراموش نہ ہونی چاہیئے کہ "حکمنامہ از مخترعات عوام ست

Marfat.com

بہرحال حضرت قلندر صاحب کے متعلق "حکمنامہ" کی شہادت یہ ہے کہ وہ مرید بھی کیا کرتے تھے۔ بظاہر "قیام دہلی" کے زمانہ میں یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جب ہاتفِ جذب نے صحرا نوردی کی دعوت دی اور آپ نے وزیر آباد کے قریب دریائے جمن کے کنارے رات گذار کر صبح کو "سفینۂ علم" اور "اوراق دانش" کو غرقاب کیا۔ پھر آپ حدودِ پانی پت میں داخل ہوئے تو اس وقت بھی ڈیڑھ ہزار نفوس آپ کے ساتھ تھے۔ جن کو آپ نے مفارقت کی تلخی چکھائی۔

"ترک فتوے دکتاب گرفتم و مشغول بزہد و طاعت شدم چہاردہم ماہ محرم بود
کہ درحد پانی پت در آمدم۔ پانصد و ہزار نفر ہمراہ بودند گذرانیدم بعدازاں
درخطہ پانی پت نزول خود کردم۔ (حکمنامہ)

ترجمہ:۔ فتویٰ لکھنا بھی چھوڑ دیا اور کتابوں کا مطالعہ بھی ترک کر دیا اور زہد و طاعت میں مشغول ہو گیا۔ محرم کی چودھویں کو پانی پت میں داخل ہوا۔ ڈیڑھ ہزار آدمی ساتھ تھے سب کو رخصت کر دیا۔ اس کے بعد پانی پت کے علاقہ میں فروکش ہو گیا۔

اب نہ پیری ہے نہ مریدی۔ جو کچھ ہے قلندری ہی قلندری ہے جس کی تفصیل (آگے آئے گی انشاء اللہ) مختصر یہ کہ۔

عشق اول، عشق آخر، عشقِ کُل
عشق شاخ و عشق نخل و عشق گُل

استغناء اور بے نیازی

بے نیازی یہی نہیں ہے کہ کتابوں کو دریا برد کر دیا۔ بلکہ اس سے پہلے ہزار دینار از خزانہ بیت المال کشیدہ در راہ خدا تعالیٰ صدقہ دادم۔ (حکمنامہ)

پھر اس کے بعد:۔

Marfat.com

"پنج شش بادشاہان وتاجداران درآستانہ ایں درویش آمدہ آستاں بوسی می کردند۔ از کسے دانکے درمے قبول نمی کردم کہ مرا خزانۂ الٰہی موجود بود۔ ہر کہ مے خواستم میدادم ونصیب خود مے بردند و ایں خزانہ برابر خود میداشتم۔

ترجمہ:۔ پانچ چھ بادشاہ اور تاجدار اس فقیر کی چوکھٹ پر حاضر ہو کر آستانہ بوسی کرتے تھے۔ میں کسی سے کبھی ایک حبہ یا ایک درہم بھی منظور نہیں کرتا تھا۔ کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ کا خزانہ کافی ہے جس کو جو چاہتا تھا دے دیتا تھا۔ ہر شخص اپنا حصہ مجھ سے لے جاتا تھا۔ میرا خزانہ جوں کا توں باقی رہتا تھا۔"

یہ خزانہ کیسا تھا؟ خزانہ تھا یا قلندرانہ تصور تھا۔ ہم تو سمجھتے ہیں سب سے بڑا خزانہ وہ ضمیر منیر تھا جو ہر ایک خزانہ سے مستغنی ہو چکا تھا۔ سرور کائنات فخر موجودات کا ارشاد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)

خیر الغنا غنا القلب (سب سے بہتر دولت مندی قلب کا استغنا ہے

اے کہ پرسی چہ کسانیم وچہ سامان داریم
انچہ ہیچ نیرزد بجہاں آں داریم

ترجمہ:۔ تم پوچھتے ہو ہم کون ہیں؟ کیا سامان رکھتے ہیں۔ ہم وہ رکھتے ہیں کہ دنیا کی کوئی چیز اس کی قیمت کو نہیں پہونچتی۔

خود قلندر صاحب کے الفاظ میں اس حدیث کی تفسیر ملاحظہ ہو ارشاد ہے۔

زہد و تقویٰ چیست اے مرد فقیر!
لا طمع بودن ز سلطان و امیر
گر بدست آید ترا گنج نقود
ور نداری ہمت عالی چہ سود

Marfat.com

ترجمہ :۔ اے مردفقیر زُہد و تقویٰ کیا ہے؟ زُہد و تقویٰ یہ ہے کہ کسی بادشاہ یا دولتمند سے کوئی توقع نہ رکھنا۔ اگر بیشمار سکّوں کا خزانہ تمہیں مل جائے، اگر تمہاری ہمت بلند نہیں ہے تو یہ دولتمندی بے فائدہ ہے۔

تصنیفات دیوان کا تذکرہ پہلے آچکا۔ مثنوی بوعلی شاہ قلندر ایک مشہور مثنوی ہے۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ میں لکھی گئی جب بقول قلندر صاحب "ترک فتوے و کتاب گرفتیم"

چنانچہ پہلا شعر ملاحظہ فرمائیے وہ اسی عشق کل کی غمازی کر رہا ہے جس کا نام قلندری ہے۔ ارشاد ہے۔

مرحبا اے بلبل باغ کہن
از گلِ رعنا بگو با ما سخن

ترجمہ :۔ اے پرانے باغ کی بلبل خوب آئی۔ اس گلُ رعنا کی کچھ باتیں ہم سے کہو۔

پھر ارشاد ہے :۔

عشق بازی می کنم با او مدام
یافت آدم از طفیل عشق کام

ترجمہ :۔ میں ہمیشہ اس سے عشق بازی کرتا ہوں عشق بازی وہ جوہر ہے کہ اسی کی بنیاد پر حضرت آدمؑ مقصد میں کامیاب ہوئے۔

(۳) حال ہی میں غزلوں اور مثنویوں کا ایک مجموعہ کتب خانہ یوسف احمد شاہ نے شائع کیا ہے۔ کلام قلندری اس کا نام ہے۔ اس میں مثنوی اور دیوان مذکور کے اشعار بھی ہیں اور ان کے علاوہ بھی تقریباً سترہ سو شعر ہیں۔ کل مجموعہ میں تقریباً چار ہزار شعر ہیں۔ ملنے کا پتہ :۔ مولانا محمد بشارت علی۔ روبروے تل گنبد سلطان شاہی حیدرآباد (دکن)

(۴) حکمنامہ کا نہ صرف تذکرہ بلکہ اس کے اقتباسات بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ اس کو حکمنامہ شیخ شرف الدین بوعلی قلندر کہا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی آپ پڑھ چکے ہیں۔ کہ حضرت مولانا عبدالحق صاحبؒ دہلوی کی رائے اس کے متعلق یہ ہے کہ۔

"از مخترعات عوام است"

البتہ حضرت مولانا دہلویؒ ایک مکتوبؒ کی تصدیق کرتے ہیں کہ:۔

"او را مکتوب ست بزبانِ عشق و محبت مشتمل بر معارف و حقائق توحید و ترک دنیا و طلب آخرت و محبت مولیٰ۔ جملہ آں بنام اختیار الدین می گویند"

ترجمہ:۔ آپ کا ایک مکتوب ہے۔ یہ مکتوب عشق و محبت کی زبان میں لکھا ہے۔ معارف و حقائق توحید، ترک دنیا، طلب آخرت اور محبت مولیٰ کے مضامین اس میں سمو دیئے گئے ہیں، اختیار الدین صاحب مکتوب الیہ ہیں جن کے نام یہ خط لکھا گیا ہے۔"

اللہ دیا صاحب سیر الاقطاب میں فرماتے ہیں:۔

"با اشعار آبدار و پُر اسرار صاحب دیوان ست و مکتوبات نادر و رنگین دارد۔"

بہرحال مکتوبات کا تو پتہ نہیں ۔ البتہ محدث صاحب دہلویؒ نے ایک مکتوب نقل فرمایا ہے۔ یہ مکتوب خود ایک چھوٹا سا رسالہ ہے۔ یہاں پورا مکتوب تو نقل نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ اس کے چند فقروں کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ تاکہ آپ بھی کچھ اندازہ کر لیں کہ عشق و محبت کی زبان کیسی ہوتی ہے۔

عشق کب پیدا ہو سکتا ہے۔ عنایت خصوصی متوجہ ہو۔ جذبہ پیدا ہو اور انانیت ختم ہو جائے۔ "میں کچھ ہوں" یہ احساس فنا ہو جائے۔

اے برادر چوں عنایت در کار تو کنند و جذبہ در تو نہند، و ترا از توئی برہانند آنگاہ عشق در تو آید۔

Marfat.com

مثنوی میں آپ کا ارشاد ہے :۔

تا توئی کے یار گردد یار تو
چوں نباشی یار باشد یار تو
تو مباش اصلاً کمال این ست و بس
تو ورد گم شو وصال این ست و بس

ترجمہ :۔ جب تک تو اپنی توئی اور اپنی شخصیت باقی رکھے ہوئے ہے ! یار کب یار ہو سکتا ہے۔ جب تم نہ رہو گے تب یار یار ہو سکتا ہے۔

تم اپنی ہستی اور اپنی شخصیت کو ختم کر دو قطعاً اپنے اوپر نظر نہ رکھو بس یہ ہی ہے کمال۔ تم بالکل اپنے آپ کو فنا کر دو صرف اسی کا نام کمال ہے تم محبوب میں گم ہو جاؤ۔ یہی ہے وصال اور بس۔

اور ہاں جب عشق پیدا ہو جائے۔ جب ہی جلوہ حُسن بھی نمودار ہو گا۔ جب یہ پہچان سکو گے "حُسن کیا ہے۔ تب ہی معشوق کو پہچان سکتے ہو۔ اور اسی وقت معشوق کے صحیح عاشق بن سکتے ہو اور جو امانت عاشق حقیقی نے معشوق کے سپرد کی ہے۔ اس پر عمل کر سکتے ہو۔

اے برادر ! معشوق کو تمھاری ہی صورت میں پیدا کیا ہے۔ اور تمھارے زمرے میں مبعوث فرمایا ہے تاکہ صراط مستقیم کی دعوت دے۔

اے برادر ! باری عزوجل نے بہشت و دوزخ پیدا کی۔ اور یہ فیصلہ کر دیا کہ دونوں کو پُر کروں گا۔ معشوق کو اس کے عاشقوں سمیت جنت میں پہنچاؤں گا۔ اور شیطان کو اس کے پیروؤں کے ساتھ دوزخ میں ڈالوں گا !

اے برادر ! بہشت و دوزخ میں عاشق کے سوا کوئی نہیں۔ بہشت میں بھی عاشق ہی ہے۔ اور دوزخ میں بھی عاشق ہی ہے۔ یہ دونوں عاشق

کے حسن سے پیدا ہوئی ہیں۔

فرق یہ ہے :-

بہشت مقامِ وصال است با دوستاں

(بہشت وصال کی جگہ ہے)

دوزخ مقام فراق است بر دشمناں

(دوزخ دشمنوں کے لئے جا رِ فراق ہے)

فراق ' کافروں اور منافقوں کے لئے اور وصال ' عاشقان و محبانِ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے۔

اس مکتوبِ گرامی کے بنیادی نکتے یہ ہیں کہ :-

(۱) خود حضرت حق جل مجدہٗ عاشق حقیقی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے :-

اے برادر! دل کی آنکھ کھولو اور خوب غور سے دیکھو۔ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے لئے کیسی کیسی چیزیں پیدا کیں اور کیسے کیسے حسین مناظر سے تمہاری نگاہوں کو تازگی اور دلوں کو فرحت بخشی۔ اپنے حسن کا پرتو ہر درخت پر ڈالا ' طرح طرح کے میوے پیدا کئے۔ ہر میوے کا الگ مزا رکھا۔ اس درخت کو نہ اپنی خبر نہ اپنے پتوں کی خبر نہ اپنے پھل کی خبر۔ نیشکر کی رگ رگ میں تمہارے لئے شکر بھر دی۔ آہوئے ختن کے نافہ کو مشک سے بھرپور کر دیا۔ نیشکر کو خود اپنی شکر کی خبر نہیں ' اسی طرح ہرن خود اپنے نافہ اور مشک سے ناواقف ہے۔ یہ سب اس کے عشق و محبت کی کرم فرمائی ہے۔

(۲) معشوقِ حقیقی محبوب رب العالمین خاتم الانبیاء والمرسلین ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)

جیسا کہ ارشاد ہے :-

Marfat.com

اے برادر! معشوق را ہمہ بصورت تو آفریدہ اندر میان شما فرستادہ اند،
تا دعوت کند براہ راست۔

ترجمہ:- اے برادر! معشوق (حقیقی) کو تیری ہی صورت میں (انسانی صورت میں)
پیدا کیا۔ تمہارے درمیان میں بھیجا تاکہ سیدھے راستہ کی دعوت دے۔

(۳) انسان کو حکم ہے کہ جہاں تک اس کا اختیار اور اس کی قدرت ہے۔
اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی خصلتیں اختیار کرے۔ وہ عاشق ہے تو انسان کو
بھی عاشق ہونا چاہیئے اور جس طرح ہر مخلوق عشقِ خالق کا آئینہ ہے۔ اسی طرح ہر
مخلوق انسان کی بھی معشوق ہو۔ چنانچہ ارشاد ہے:-

اے برادر عاشق شو، ہر دو عالم را حسن معشوق داں و خود را حسن معشوق
خواں۔ عاشق از خود ملک وجود تو ساخت تا جمال حسن در آئینہ تو بہ بیند
و ترا محرم اسرار بداند "الانسان سری" در شان تو آمد۔ عاشق شو حُسن
را دائم بیں و بشناس دنیا را و عقبیٰ را و بداں کہ عقبیٰ ملک محمد (صلی اللہ
علیہ وسلم) است و دنیا ملکِ شیطان ہر دو را دریاب کہ برائے چہ آفریدہ اند
و چہ خواہند کرد۔ (اخبار الاخیار صفحہ ۱۳۱)

ترجمہ:- اے بھائی عاشق ہو جا۔ دونوں جہانوں کو معشوق کا حسن سمجھو،
خود کو بھی معشوق کا حُسن سمجھو۔ عاشق نے خود بخود تمہارے وجود کی
مملکت کو پیدا کیا۔ تاکہ تیرے آئینہ میں اپنے حُسن کا جمال دیکھے اور تجھے
محرم اسرار قرار دے "الانسان میرا ایک راز ہے" تیری شان میں فرمایا۔
بس عاشق بن جاؤ حُسن کو دائمی اور ابدی سمجھو۔ دنیا اور آخرت کا فرق سمجھو
اور یہ بھی یاد رکھو کہ "آخرت" حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مملکت
ہے اور "دنیا" شیطان کی مملکت ہے۔ دونوں پر غور کرو۔ اُن کو سمجھو۔

Marfat.com

اور یہ بھی غور کرو کہ کس مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور وہ کیا چاہتے ہیں۔

شریعت :۔ یعنی قرآن وحدیث کی زبان میں اس مضمون کی تعبیر یہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ارحم الرحمین ہے۔ پوری کائنات میں مرکز رحمت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ جن کے متعلق ارشاد ہے۔ وما ارسلناك الا رحمۃ للعالمین اس کائنات کے ذرہ ذرہ میں جو حُسن وخوبی ہے وہ تقاضائے رحمت ہے خود اس کائنات کا وجود پر تو رحمت ہے۔

پس یہ بھی درست ہے کہ اگر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا نہ کیا ہوتا تو کائنات کا وجود ہی نہ ہوتا۔ لولاک لما خلقت الافلاک۔ اور یہ بھی درست ہے کہ ساری مخلوق اپنے رب اور خالق سے وہی تعلق رکھتی ہے جو عیال کو اپنے سرپرست اور مربی سے ہوتا ہے۔ اس بنا پر انسان خصوصاً وہ انسان جو رحمت للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن تھامے ہوئے ہے۔ اس کی فطرت کا تقاضا ہونا چاہیئے کہ وہ سراسر رحمت ہو۔ ہر انسان کے لئے پیکر رحمت ہو۔ ہر مخلوق کے لئے مجسمۂ رحمت ہو۔ فاحبھم الی اللہ احسنھم الی خلقہ

(اوکما قال صلی اللہ علیہ وسلم)

اصحاب تصنیف اور ارباب درس کی توجہ منطق اور فلسفہ کی طرف رہی ہے۔ ان کی تصنیفی صلاحیتیں زیادہ تر اسی میدان میں صرف ہوئی ہیں۔ چنانچہ ایک یک ورقہ رسالہ "شمسیہ" کی شروحات سینکڑوں صفحات میں لکھ دی گئیں۔ اگر عشق ومحبت کے اس آتشکدہ کی طرف بھی ارباب تصنیف توجہ کرتے تو حضرت قلندر صاحب کے اس مکتوب کی شرح سینکڑوں صفحات میں لکھی جا سکتی تھی۔ مگر جہاں کا پورب اور پچھم ہی پلٹا ہوا ہو، جہاں کی دنیا نرالی ہو، جہاں ترک و فنا کو سب سے پہلی منزل قرار دیا جاتا ہو۔

Marfat.com

ترک جان و ترک مال و ترک سر
در طریق عشق اول منزل است

جہاں قاتل کو بددعاؤں کی بجائے دعائیں دی جاتی ہوں ؎

آں کشتہ، ہیچ حق محبت ادا نہ کرد
کز بہر دست و بازو قاتل دعا نہ کرد

ایسے مقام پر قلم دوات لے کر کوئی کیا بیٹھے گا۔ اور کہاں سے کاغذ لائے گا کہ کتاب عشق کی تفسیر لکھے۔

در رہ منزل جاناں کہ خطرہاست بجان
شرط اول قدم آن ست کہ مجنوں باشی

بہرحال اس کو آپ مکتوب کہیئے یا مقالہ یا ڈیڑھ ورقہ کتابچہ۔ اس کی آخری سطریں یہ ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو کہ ان سے سبق لینے کی توفیق ہو۔ اور کاش قلندر صاحب کے نام پر جان دینے والے جذبۂ قلندری کو پہچاننے اور اس کے لئے قربان ہونے کی بھی تمنا کریں۔ خاتمہ مکتوب یہ ہے۔

"اے برادر، ہیچ نمی دانم کہ چہ می گویم و از من چہ می آید و چہ می گویاند۔ زبان در قبضۂ قدرت خداست۔ اگر عنایت در کار تو می شود از تو آں چیز می گویاند۔ کہ پسندیدہ ہر دو جہانش سازد۔ اے برادر ایں قدر معلوم ست کہ بخواست خود پیدا کرد و بخواست خود می دارد۔ یفعل اللہ ما یشآء و یحکم ما یرید۔ انچہ خواست کرد۔ و انچہ خواہد می کند۔ کسے را در خواست از کارے نیست۔

(اخبار الاخیار)

ترجمہ:۔ اے برادر کچھ خبر نہیں، کیا کہہ رہا ہوں۔ "میں" کیا ہوں۔ مجھ سے کیا بن سکتا ہے۔ اور میری کیا حقیقت کہ کچھ کہہ سکوں۔ زبان اللہ تعالیٰ کے قبضۂ

قدرت میں ہے۔ اگر عنایت خداوندی شاملِ حال ہو تو تم سے ایسی بات کہلوادے جو دنیا و آخرت دونوں جہانوں میں پسندیدہ ہو۔ اے برادر اتنی بات معلوم ہے کہ خود اس نے چاہا تو پیدا کر دیا۔ خود وہ چاہ رہا ہے تو باقی رکھے ہوئے ہے۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کر ڈالتا ہے۔ اور جس بات کا چاہے فیصلہ کر دیتا ہے جو اس نے چاہا کر دیا۔ جو چاہے گا کر دے گا۔ اُس کی خواست، اس کی چاہ، اس کے ارادہ اور منشا میں کسی کو دخل نہیں ہے۔

ایک بنیادی فرق

یہ باتیں ہم بھی کہتے ہیں، کہہ سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ زوردار الفاظ میں کہہ سکتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ ہمارا قول محض قول ہوتا ہے جو زبان اور حلق کا عمل ہوتا ہے۔ دل کی آواز نہیں ہوتی۔ زبان پر عشق و محبت کے الفاظ اور دل ناآشنا ئے عشق، ہمدردیٔ خلقِ خدا کے نعروں سے حلق مجروح، مگر قلب درد سے بے بہرہ۔

اور جو سچا عاشق ہوتا ہے۔ اس کا قول صرف قول نہیں ہوتا، بلکہ حال ہوتا ہے۔ ایسا حال جس میں وہ خود گم رہتا ہے۔ اس کا نعرہ قلب مجروح کی ٹیس ہوتا ہے۔ دل کی صدا بلکہ دل نالاں کا گریہ ہوتا ہے۔

غور کرو، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہونے والا جب سراسر رحمت (یا قلندرانہ الفاظ میں) سراسر عشق ہو جائے تو خدا کی کسی بھی مخلوق سے اس کو نفرت کیسے ہو سکتی ہے۔ اس کے یہاں تو محبت ہی محبت ہوگی۔ دیر و حرم کا فرق اپنی جگہ۔ مگر جس کے یہاں نفرت کی جنس ہی ختم ہوگئی ہو وہ نفرت کہاں سے لائے۔ ہم محبت سے تہی دامن ہیں تو ہمارے یہاں محبت کا نام نہیں۔ عاشقانِ مصطفےٰ اور محبانِ خدا نفرت سے تہی دامن ہیں تو ان کے یہاں نفرت کا نام نہیں ہوتا۔ ؎

Marfat.com

کفر ست در شریعت ما کینہ داشتن
آئین ما ست سینہ چو آئینہ داشتن

ترجمہ :۔ ہماری شریعت میں کسی سے کینہ رکھنا کفر ہے۔ ہمارا آئین ہے سینہ کو آئینہ کی طرح صاف رکھنا۔

قلندروں کی زبان میں یہ مفہوم اس طرح ادا کیا جاتا ہے :۔
عاشق از ایمان خراب است وہم از کفر
پروانہ چراغ حرم و دیر ندا ند

ترجمہ :۔ عاشق کا ایمان بھی خراب اور کفر بھی خراب' عاشق پروانہ ہوتا ہے اور پروانہ مسجد اور مندر کی شمع میں فرق کرنا نہیں جانتا۔

جب ان کو کسی سے نفرت نہیں، تو ان سے کسی کو نفرت کیوں ہو۔ کہا جاتا ہے کہ انسان تو انسان وحشی جانوروں کو بھی حضرت قلندر صاحب سے اُنسیت تھی۔ ہرن اور چیتل جو انسان کے سایہ سے بھی بھاگتے ہیں حضرت قلندر صاحب کے آس پاس اس طرح پھرتے تھے جیسے گھر کے پالتو جانور، اور جس طرح دہلی کے بادشاہ آپ کے آستانے پر حاضر ہوتے تھے جنگل کے بادشاہ (شیران شکاری) بھی آپ کی قدم بوسی کیا کرتے تھے۔ اس پر ایک افسانہ بھی بنا لیا گیا۔

افسانہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت قلندر صاحب شمال کے پہاڑ پر تشریف لے گئے۔ وہاں ایک جوگی صاحب تھے۔ جوگی نے قلندر صاحب کو دیکھا تو حیرت سے کہا۔ آپ یہاں کیسے؟ یہ جگہ تو شیروں اور درندہ جانوروں کی ہے۔ یہاں کوئی انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ قلندر صاحب نے جوگی سے کہا۔ آپ یہاں کیسے زندہ سلامت ہیں۔ جوگی نے جواب دیا۔ مجھے تو اُڑنے کی طاقت حاصل ہے۔ جیسے ہی کوئی شیر اس طرف آتا ہے میں اڑ کر آسمان پر پہونچ جاتا ہوں یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ ایک

Marfat.com

شیر ببر آپہونچا۔ جوگی صاحب فوراً آسمان کی طرف پرواز کر گئے۔ حضرت قلندر صاحب وہیں تشریف فرما رہے۔ مگر شیر قلندر صاحب پر حملہ تو کیا کرتا سر جھکا کر خاموش بیٹھ گیا۔ یہ تو قلندر صاحب کی صورت ہوئی۔ اِدھر جوگی صاحب کی حالت یہ تھی کہ وہ اُڑ کر آسمان پر تو پہونچ گئے۔ مگر جہاں جاتے اپنے ساتھ ساتھ قلندر کو بھی دیکھتے کہ قلندر صاحب اور شیروں کا غول ان کے ہمراہ ہے۔ انتہا یہ کہ جوگی صاحب تھک کر اپنی جگہ واپس ہوئے تو دیکھا قلندر صاحب اطمینان سے ایک چٹان پر بیٹھے ہیں۔ اور شیر ان کے سامنے اس طرح بیٹھا ہے کہ جیسے یہ مرید یا شاگرد رشید ہو۔ قلندر صاحب نے جوگی کو دیکھا تو مسکرا کر فرمایا۔ سادھو صاحب یہ عجیب مہمان داری ہے خود آسمان پر اُڑ گئے اور اپنے مہمانوں کو شیروں کے حوالے کر گئے۔ بہر حال قلندر صاحب کی اس عجیب وغریب کرامت نے جوگی کو یہاں تک متاثر کیا کہ وہ قلندر صاحب کے قدموں پر گر گیا کہ آپ ایسے خدا رسیدہ اور پہونچے ہوئے بزرگ ہیں کہ میرے لئے آپ کی کفش برداری اور خدمت گذاری کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ چنانچہ وہ آپ کا حلقہ بگوش ہو گیا۔ صاحب شرف المناقب نے اس قصہ کو نقل کر کے تحریر فرمایا ہے۔ اس پہاڑ میں حضرت قلندر صاحب کے بیٹھنے کی جگہ اور اس جوگی کی قبر آج تک موجود ہے اور زیارت گاہ خلائق ہے۔

بہر حال یہ کوہ شمال کون سا پہاڑ ہے اور وہاں یہ قبر ہے یا نہیں۔ اس کی حقیقت تک تو ہم جیسے کوتاہ بینوں کی نظر تفتیش نہیں پہونچ سکتی۔ مگر جس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا وہ یہ ہے کہ محبت کے ان دیوتاؤں کی نظر محبت کا یہ اثر تھا کہ ہر چیز ان سے محبت کرنے لگتی تھی۔ زبانِ شریعت میں اس مفہوم کو اس طرح ادا کیا ہے۔ من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہٗ۔ جو اللّٰہ کا ہو جاتا ہے۔ اللّٰہ اس کا ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

قلندری اور شانِ قلندری

عشق و محبت اور جذب و فنا کی بات یہاں تک پہنچی تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قلندری کے متعلق بھی کچھ باتیں یہیں کہہ دی جائیں۔

قلندر کون ہوتے ہیں؟ کیسے ہوتے ہیں؟ قلندری کیا ہے؟ یہ تمام باتیں تفصیل طلب ہیں۔ مگر تفصیل کون کرے۔؟

قلندری کی حقیقت وہی بیان کر سکتا ہے جو خود قلندر ہو یا مقام قلندری کا تجربہ کر کے آگے بڑھ چکا ہو۔ "قدر گوہر شاہ داند یا بداند جوہری۔"

مگر عجب تماشا یہ ہے کہ جو اس مرتبہ کے جاننے والے ہیں وہ زبانوں پر تالے ڈال لیتے ہیں۔ "آں راکہ خبر شد خبرش باز نیامد۔" (یعنی جس کو کچھ پتہ چل گیا وہ خود لاپتہ ہو گیا۔ کسی کو اس کا پتہ ہی نہیں چلا۔

اسے خود غرضی کہئے یا بے غرضی، کہ جب پہونچ جاتا ہے۔ وہ زبان سے تو کیا بتاتا۔ پلٹ کر دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ یا اُسے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ پلٹ کر دیکھ سکے۔

حضرت قلندر صاحب کے معاصر اور ہمنام یعنی شیخ شرف الدین مصلح عرف سعدی شیرازی (متوفی ۶۹۱ھ) ان کی طرف سے یہ معذرت پیش فرماتے ہیں۔

عاشقاں کشتگان معشوقند — برنیاید ز کشتگان آواز

ترجمہ:۔ عاشق معشوق کے کشتہ اور قتل کئے ہوئے ہوتے ہیں کشتہ اور مقتول کی آواز نہیں آیا کرتی۔

اور اس کا فلسفہ یہ بیان فرماتے ہیں۔

اے مرغِ سحر عشق ز پروانہ بیاموز\
کاں سوختہ جاں را جاں شد و آواز نیامد

ترجمہ :۔ اے مرغِ سحر تو چہک کر یا چیخ کر عشق کا اظہار کرتا ہے یہ کمال کی بات نہیں، تجھے چاہیئے کہ پروانہ سے عشق کرنا سیکھے۔ دیکھو۔ سوختہ جان پروانہ کی جان جل جاتی ہے مگر آواز نہیں نکلتی۔

اوراس سے بھی زیادہ پُرلطف بات یہ کہ جو کچھ کہنا چاہتا ہے یا کہتا ہے اس کے متعلق فتویٰ یہ ہوتا ہے۔

ایں مدعیان در طلبش بے خبرانند

ترجمہ :۔ یہ ڈینگیں مارنے والے بے خبر ہیں۔

اب ہم کچھ کہنا بھی چاہیں تو جب باخبروں کا فتویٰ یہ ہو کہ یہ بے خبر ہے تو ہمارے کہنے کا اعتبار کیا۔ اور ایسی بے سند بات پر کون بھروسہ کرسکتا ہے۔ بہرحال حقیقت کی نقاب کشائی تو ناممکن ہے۔ البتہ کچھ پتے کی باتیں کہی جاسکتی ہیں۔ خدا کرے وہ صحیح ہوں۔ اور انشاءاللہ صحیح ہوں گی۔ کیونکہ قلندروں نے اگرچہ کچھ نہیں بتایا مگر اس نے سب کچھ بتا دیا ہے جس کے نام پر قلندر صاحبان قلندری کرتے ہیں۔ اسی کی بتائی ہوئی باتوں میں سے کچھ باتیں یہاں لکھی جا رہی ہیں

لفظ قلندر کے معنیٰ

مگر اس سے پہلے یہ معذرت بھی ضروری ہے۔ کہ اہلِ لغت نے اسم "قلندر" پر بڑا ظلم کیا ہے۔ انتہا یہ کہ صاحب غیاث اللغات نے تو یہ لکھدیا کہ قلندر "کندۂ ناتراش" کو کہتے ہیں۔ فرماتے ہیں "بعض گویند اصل کلندر بود کندہ و ناتراشیدہ و بعضے اصلش غلندر گفتہ۔

اسی طرح مدعیان تصوف اور بقول حضرت شیخ سعدیؒ "مدعیان بے خبر" نے قلندر کی ایسی تصویر بنائی جو بھیانک ہی نہیں ہے بلکہ بڑی حد تک گھناؤنی بھی ہے جس میں نہ تہذیب و سلیقہ ہے۔ نہ شرم و حیا۔ گو یا رند مشرب بد مست۔ (معاذ اللہ)

مگر واقعہ یہ ہے کہ قلندری تہذیب وشائستگی، علم ومعرفت، بلکہ توحید و تفرید کی وہ آخری حد ہے جہاں انسان خود محو ہو جاتا ہے۔ سمندر کی موجیں اس کو باہر نہیں پھینکتیں۔ بلکہ خود اپنے اندر گم کر لیتی ہیں۔

نہ گل شناسد و نے رنگ و بو نہ عارض زلف
دلے کسے کہ بحسن او گرفتار ست

اب آیئے۔ اپنی زبان میں کسی قدر تفصیل سے اس کی تفسیر ملاحظہ فرمایئے۔

توحید کے معنی عام طور پر یہی کئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ذوالجلال کو بلا شرکت غیرے "واحد" ماننا بیشک توحید کے یہی معنی ہیں۔ مگر یہ لغت عربی یا عام اصطلاح کے لحاظ سے ہیں۔ اہلِ معرفت اس کو "عوام کی توحید" کہتے ہیں۔

خواص کی توحید صرف "مان لینے" پر ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ اس کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ "مان لینے" کے تقاضوں کو پورا کیا جائے۔

یعنی جب یہ مان لیا کہ "اللہ تعالیٰ ایک" ہے وہی سب کا رازق وخالق ہے، وہی نفع نقصان پہونچانے والا ہے؛ وہی مشکلات کو حل کرتا ہے۔ وہی بیماروں کو شفا بخشتا ہے، وہی بے چاروں کا چارۂ کار ہے اور وہی ناکاروں کا کارساز ہے۔ وہی قادر مطلق ہے اور جو کچھ ہے اسی کے حکم اور اس کے علم وارادہ سے ہے۔ تو اب لازم ہے کہ تمام امید دل اور آرزوں کا تعلق اسی سے ہو۔ بیم ورجا جو کچھ ہو اسی سے ہو، نہ کبھی کوئی طمع قدم میں لغزش پیدا کرے۔ اور نہ کسی کا خوف وہراس اس کے قلب پُرسکون کو مضطرب اور بے چین بنائے۔ مختصر یہ کہ جہاں تک کسی بھی نفع یا نقصان کا تعلق ہے۔ تقاضائے توحید یہ ہے کہ اس کو صرف ذاتِ حق "جل مجدہٗ" سے وابستہ کرے۔ نہ کسی غیر سے توقع سود رکھے نہ خوف زیاں۔

لیکن عشاق کی توحید اس سے کہیں آگے ہے وہ سود وزیاں کی اضافتوں

Marfat.com

اور نفع ونقصان کی نسبتوں تک محدود نہیں ہوتی۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ صرف ان افعال وصفات کا مرکز ایک "ذاتِ حق" کو مان لیں۔ بلکہ وہ خود عاشق بیچارہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ وہ اپنی انانیت، اپنی شخصیت اور اپنی ہستی کو قربان گاہِ عشق پر قربان کردے۔

سرمد گلہ اختصار می باید کرد
یک کار ازیں دو کار باید کرد
یا سر برضار دوست می باید داد
یا قطع نظر از یار می باید کرد

یہاں صرف اپنی تمنا اور آرزو ہی قربان نہیں کی جاتی۔ صرف یہی مطالبہ نہیں ہوتا۔ کہ عاشق مرضی محبوب کو اپنی "رضا" بنالے۔ بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ عاشق اپنی "انانیت" ختم کردے۔ اپنی ہستی کا تصور یک قلم محو کردے۔

تو مباش اصلا کمال اینست و بس
تو دردگم شو وصال اینست و بس

(قلندر صاحب)

اگر عاشق کے دل و دماغ میں "میں" کا تصور باقی ہے تو وہ عاشق صادق نہیں۔ فریب خوردہ عشق ہے۔

چو نمانی باخدا یابی وصال
خویش را گم ساز اے صاحب جمال
تا توئی کے یار گردد، یار تو
چوں نباشی، یار گردد، یار تو

(قلندر صاحب)

عاشق اور "میں" دو متضاد چیزیں ہیں۔ جب تک میں یا انا " باقی " ہے شرک موجود ہے۔ تقاضا توحید یہ ہے کہ "میں" اور " انا " کا تصور بھی ختم ہو۔ جہاں تک ہست کا تعلق ہے صرف ایک سے ہے۔ اور وہ ' وہ ہے جو فی الواقع ہست ہے۔ جو واحد حقیقی ہے۔ جو " احد " ہے۔ جو " صمد " جو "لم یلد و لم یولد" ہے۔ جب سب کچھ وہی ہے۔ تو "انا " یا " میں " کے کیا معنی۔ اب اگر کوئی لفظ با معنی ہے تو صرف ایک لفظ ہے یعنی " ہمہ اوست "

حضرت قلندر صاحب فرماتے ہیں :-

ہر کہ شد در بحر عرفان آشنا
ذرہ ذرہ قطرہ داند از خدا
آب دریا چوں زند موجِ دگر
درحقیقت آب باشد جلوہ گر
نفس آب و چوں حباب ست جسم تو
آب چوں گردی نماند جسم تو
چوں الف در لام می گردد نہاں
خویش را گم ساز تا گردد عیاں
گشت واصل چوں بدریا آب جو
آب جو را باز از دریا مجو
تا توئی کے یار گردد یار تو
چوں نباشی یار باشد یار تو
مولوی فرمود در نظم ایں بیاں
بر تو گردد روشن اسرارِ نہاں

Marfat.com

تو مباش اصلا کمال این ست و بس
تو درو گم شو وصال این ست و بس
یار را می بیں تو در ہر آئینہ
سوز و ساز اوست در بر ظنطنہ
ہر چہ بینی در حقیقت جملہ اوست
شمع و گل پروانہ بلبل ہم از وست

آپ نے استغراق، محویت، سکر، بہم جیسے الفاظ صوفیا کی کتابوں میں پڑھے ہوں گے۔ اُردو کے ایک شاعر نے اس کی تصویر اس طرح کھینچی ہے۔

ترا خیال ہے ترا جمال ہے تو ہے!
مجھے یہ فرصت کہاں کہ ہوں کیا میں؟

یہ گویا قلندری کی تفسیر ہے۔ مگر کچھ ظرف کا بھی فرق ہوتا ہے۔ وہی فرق، مجذوب اور سالک، قلندر اور عارف" میں امتیاز پیدا کر دیتا ہے۔

قلندر اور سالک میں فرق

بیشک "انانیت" ایک سالک اور شیخ طریقت کی بھی فنا ہوتی ہے۔ سالکین کے سرتاج انبیاء علیہم السلام ہیں۔ ان کے اندر انانیت کا نام ونشان نہیں ہوتا۔ غور فرمایئے۔ ایک طرف عرش معلّٰی سے روح الامین "چلہ گاہ حرا" میں جلوہ افروز ہو کر رب العرش کا آخری اور مکمل ترین پیغام پہنچا رہے ہیں "اقرأ باسم ربک الذی خلق۔" اور دوسری طرف انانیت "زعم من" اور "تصور" میں" کے فنا اور ختم ہو جانے کی یہ شان ہے کہ اس رسول امینؐ کا قلب مبارک لرز رہا ہے اور نہ صرف قلب لرز رہا ہے بلکہ دل کی دھڑکن سے پورا بدن لرز رہا ہے کہ یہ بار امانت کس طرح برداشت ہو سکے گا۔ یعنی قلندروں کی زبان میں گویا قلب

محمد صلی اللہ علیہ وسلم "انا" اور "میں" کو تلاش کر رہا ہے کہ وہ ہے کہاں۔ وہ تو ہیچ در ہیچ" ہے۔ وہ تو فنا محض ہے۔ وہ بار بردار کیسے ہو سکتا ہے۔

ایک طرف رب السمٰوات والارض کی جانب سے یہ ناز برداری اور یہ لطف و عنایت کہ عرش و کرسی کی سیر کرائی جا رہی ہے۔ اور ان مقامات پر پہنچایا جا رہا ہے کہ اسرار ملکوتی کا سب سے بڑا امانت دار "جبرئیل امین" بھی کہہ رہا ہے۔

اگر یک سر موے بالا پرم
فروغ تجلّی بسوزد پرم

اور دوسری جانب "زعم انا" کے فنا کا یہ عالم ہے کہ اُمت کے کمزوروں اور گنہگاروں سے بھی فرمائش کی جاتی ہے کہ ہر ایک اذان کے بعد دعا کرو۔ وابعثہ مقاماً محموداً۔ خداوندا ہمارے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ محمود پر فائز فرما۔ بقول شخصے :۔

در ہر پیرزن می زد پیمبرؐ
کہ اے زن در دعایم یاد آور

ترجمہ :۔ ہر بڑھیا کے دروازے پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم دستک دیکر فرمایا کرتے تھے کہ بڑی بی مجھے دعاؤں میں یاد رکھنا۔

سیرت مبارکہ میں اس طرح کی بیشمار مثالیں مل سکتی ہیں۔ جن کی شہادت یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی "انانیت" نہ صرف فنا ہوتی ہے بلکہ اس فنا میں ان کا مرتبہ اتنا ہی بلند ہوتا ہے جتنا منصب نبوت کا۔ لیکن اس فنا کے ساتھ ان میں بقا کی بھی ایک شان ہوتی ہے۔ مگر یہ بقا اپنے لئے نہیں بلکہ رضاء مولے کے لئے یعنی جہاں تک خود ان کی اپنی رضا، اپنی خواہش اور اپنی چاہ کا تعلق ہے وہ قطعاً فنا ہوتی ہے۔ خود قرآن حکیم کی شہادت ہے۔ وما ینطق عن الھویٰ۔

Marfat.com

دان کی کوئی بات خود ان کی چاہ پر نہیں ہوتی، لیکن اس فنا میں یہ بدمستی نہیں ہوتی کہ رضائے محبوب کی بھی خبر نہ رہے۔ اور اس طرح سرگشتہ و حیران ہو جائے کہ بقول نواب ملتفت خاں۔ ؎

بخواب دیده ام آں طرۂ پریشاں را
تمام عمر دگر خواب من پریشان ست

بلکہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے تتبع سالکین کرام جس طرح خود اپنی رضا اور اپنی چاہ اور پسند سے فانی ہوتے ہیں وہ اتنے ہی رضائے مولیٰ سے باخبر اور اس کی تکمیل کے لئے کمربستہ اور سربکف رہتے ہیں۔ یعنی فنا ء اپنی ذات اور ہستی سے اور بقاء "رضائے حق اور منشاء ربانی" کے لئے یہ حضرات مرضیٔ مولیٰ کے لئے ایسے چست اور اس طرح باخبر رہتے ہیں کہ یہ تصور بھی مشکل ہوتا ہے کہ ان کے اندر جذب و فنا بھی کارفرما ہے۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی یہ خیال بھی ہونے لگتا ہے کہ جذب و فنا تو درکنار انھیں عشق و محبت سے بھی سروکار نہیں ہے۔

یہ شان بلند ترین شان ہے جو انبیاء علیہم السلام کی شان ہوتی ہے۔ اور ان کے طفیل میں اُمت کے ان خوش نصیبوں کو یہ درجہ عطا ہوتا ہے۔ جن کو سالک کہا جاتا ہے۔ ان کی تلقین اور نصیحت یہ ہوتی ہے۔

از درون شو آشنا، وز بروں بیگانہ وش
ایں چنیں زیبا روش، کمتر بود اندر جہاں

اس کیفیت کی مختصر تعبیر یہ ہے "دست بکار دل بیار"

قلندری اور پابندیٔ شریعت

سمجھا یہ جاتا ہے کہ قلندر اور مجذوب کو شریعت سے تعلق نہیں رہتا۔ مگر کیوں؟ عام خیال یہ ہے کہ اس درجہ پر پہونچ جاتے ہیں۔ تو خود صاحب شریعت یعنی

اللہ رب العزت ان سے کہہ دیتا ہے کہ رکوع وسجود تو ظاہری باتیں ہیں۔ اب جب یہ بات ہوگئی ہے کہ "من تو شدم تو من شدی" تو اب رکوع وسجدہ کیسا؟ کس کے لئے اور کس جانب کو؟ چنانچہ یہی حکمنامہ جس کے اقتباسات بار بار پیش کئے جا چکے ہیں۔ اسی مکالمہ میں خود حضرت قلندر صاحب کی طرف منسوب کر کے تحریر کیا گیا ہے لفظی ترجمہ ملاحظہ ہو۔

"مفتی اور حاکم اور سات درویشوں نے جو حافظ تھے۔ اس درویش سے (قلندر صاحب سے) ملاقات کی۔ محرم کی بیسویں تھی، صبح کا وقت، جمعہ کا دن، ان حضرات نے تکبیر کہتے ہوئے نماز کی اذان دی اور نمازیں شروع کر دیں۔ مولانا سراج الدین رکوعی نے اس درویش سے (قلندر صاحب سے) فرمایا۔ صبح صادق ہوگئی سنتوں کا وقت ہے۔ میں نے کہا آپ لوگ تکبیر پڑھیں تاکہ میں فرض ادا کرلوں۔ جب جماعت ہوچکی لوگ فرض صبح سے فارغ ہو چکے تو یہ سب علماء وفضلاء اور درویش جو نماز میں شریک تھے۔ اس درویش کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور سب نے مل کر مجھ سے فرمایا۔ مخدوم محترم! ہمیں آپ سے کچھ عرض کرنا ہے۔ جناب والا نے صبح کی سنتیں کیوں نہیں پڑھیں؟ میں نے عرض کیا۔ خواجۂ کائنات، سرور موجودات، رحمت عالمیاں، صفوت آدمیاں، وتتمہ دور زماں۔ احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اس درویش کے متعلق یہ ہے کہ:۔

"اے شرف ہم نے اپنی سنتیں تم کو بخش دیں۔"

قلندر صاحبؒ فرماتے ہیں:" اس کے بعد چالیس سال تک میں صرف فرض نماز پڑھتا رہا کہ حضرت ذوالجلال کا فرمان اس درویش کے پاس پہونچا کہ:۔

"اے درویش تو از آں مائی و من از آں تو فریضۂ خود بتو بخشیدم۔"

ترجمہ (اے درویش اس بنا پر کہ تو ہمارا ہے اور ہم تیرے ہیں تو ہم نے اپنا فرض بھی

Marfat.com

تجھ کو بخش دیا۔)

میں نے فوراً سجدۂ شکر ادا کیا۔

جب محدث دہلوی (حضرت مولانا شیخ عبدالحق صاحبؒ) کی تحقیق یہ ہے کہ یہ مکالمہ "ایک اختراع" ہے تو اس روایت کو ثبوت میں تو نہیں پیش کیا جا سکتا۔

مگر اس سے عام خیالات کا اندازہ ضرور ہوتا ہے۔ کہ قلندر کے متعلق تعلیم یافتہ لوگوں کے بھی خیال کیا ہوا کرتے تھے۔

مغل بادشاہوں کے دور میں اس طرح کے خیالات ایک طرح کا فیشن بن گئے تھے۔ یہاں تک کہ آزاد منش فقیر اسی کیفیت کو "مقصود اصلی" قرار دینے لگے تھے۔

شاہزادہ داراشکوہ کے پیر "ملا شاہ بدخشی" کے متعلق روایت ہے کہ انھوں نے لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ کی تفسیر کرتے ہوئے نماز ہی معاف کر دی تھی۔ آپ کی تفسیر کے الفاظ اور ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"اے کسانیکہ ایمان حقیقی آوردہ اید نزدیک نماز نشوید در حالت سکر و مستی مقرر سکر حالت بلند تر ست از نماز گذاران۔ اگر مستی مجازی ست قرب نماز ممنوع ست تا نماز ملوث نشود۔ دریں صورت عزت نماز ست۔ واگر سکر حقیقی ست باز ہم قرب نماز ممنوع ست۔ دریں صورت عزت سکر ست مصلی نماند نماز کے خواند (حسنات العارفین بحوالہ شاندار ماضی ج ۲)

ترجمہ:۔ (اے لوگو! جو حقیقی ایمان رکھتے ہو۔ سکر و مستی کی حالت میں نماز کے پاس مت جاؤ۔ بیشک حالتِ سکر نمازیوں کی حالت سے بہت بلند ہے۔ مستی اگر مجازی ہے یعنی نشہ سے بے ہوشی ہوگئی ہے تب بھی نماز کے پاس جانا ممنوع ہے۔ اس صورت میں نماز کی عزت و عظمت ہے تاکہ نماز ملوث اور آلودہ نہ ہو۔ اور اگر سکر حقیقی ہے یعنی عشق مولیٰ میں وارفتگی ہے۔ تب بھی قرب نماز ممنوع ہے۔ اس

Marfat.com

صورت میں اس سکر اور بے خودی کی عزت ہے کہ نمازی ہی نہیں رہا۔ نماز کیسے پڑھے۔"

ملا صاحب کی یہ بات تو ٹھیک ہے کہ "مصلی نماند، نماز کے خواند" نمازی نہیں رہا۔ نماز کون پڑھے۔ مگر انھوں نے اس تناقض کی طرف خیال نہیں فرمایا جو خود ان کے استدلال میں واقع ہو گیا ہے۔ یعنی جب وارفتگی اور بے خودی اس حد تک بڑھ گئی۔ کہ ہوش وحواس تو کیا خود اس کا وجود عدم کی برابر ہو گیا تو وہ مخاطب ہی کہاں رہا۔ اور جب وہ خطاب کی صلاحیت نہیں رکھتا تو تکلیف شرعی بھی باقی نہیں رہی۔ مگر ایسے مرفوع القلم کو نماز پڑھنے والوں سے افضل قرار دینا ملا صاحب کا معاذ اللہ "الحاد" ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جب یہ حقیقت ہے: "کہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر" پھر کسی کو معاذ اللہ آپ سے افضل قرار دینا الحاد اور زندقہ نہیں تو اور کیا ہے۔

مگر قلندر صاحب کا دامن اس الحاد سے پاک ہے۔ مکتوب کے اقتباسات پہلے گذر چکے ہیں۔ آپ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب حقیقی اور معشوق حقیقی قرار دیتے ہیں۔ پس سب سے افضل اور سب سے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ کی ہر ایک حالت تمام حالتوں سے افضل ہے۔ آپ کی شان سکر دائم سے ہمیشہ بلند رہی۔ تو پھر سکر دائم کو نماز سے افضل کیسے کہا جا سکتا ہے۔؟

بنیادی غلطی

ملا شاہ جیسے لوگوں کی اس غلطی کی بنیاد یہ ہے کہ انھوں نے عبادت کے صرف ایک پہلو پر نظر رکھی کہ عبادات گناہوں کا کفارہ ہوا کرتی ہیں۔ اس پر اس زعم باطل کا اضافہ ہو گیا کہ جب سکر دائم ہے تو گناہ کیسے ہو سکتا ہے۔ پس جب گناہ نہیں تو کفارہ کی بھی ضرورت نہیں۔

مگر وحی الٰہی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کا دوسرا پہلو بھی اتنی ہی قوت سے پیش کیا ہے۔ یعنی یہ کہ رضاء مولیٰ کا ذریعہ بھی "عبادت" ہی

Marfat.com

ہوا کرتی ہے۔ اور یہ کہ خداوندی انعامات کا شکر بھی اگر ادا ہو سکتا ہے۔ تو صرف عبادت کے ذریعہ ہی ادا ہو سکتا ہے۔

کسی قلندر یا مجذوب کے گناہوں کی معافی تو صرف اس کا تخیل ہے۔ جس کے متعلق شریعت کی کوئی سند نہیں پیش کی جا سکتی۔ البتہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گناہوں کی معافی کا اعلان خود ربِ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے:۔

"لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر"

اس کے باوجود نہ صرف پنجوقتہ نمازیں اور ان کی سنتیں اور نفلیں پابندی سے ادا ہوتی تھیں۔ بلکہ شب بیداری کی بھی حالت یہ تھی کہ کئی کئی گھنٹے نفلوں میں کھڑے رہنے کے باعث پائے مبارک متورم ہو جاتے تھے۔

صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نبی اور مقدس رسول کی حیثیت سے فطرتاً معصوم ہیں، گناہوں سے پاک، اس پر بھی اگر کچھ لغزشیں اور خطائیں ہو گئی ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کا اعلان فرما چکے ہیں۔ پھر یہ زحمت کیسی اور دن بھر کی بے پناہ مشغولیت و مصروفیت کے بعد راتوں کو ان لمبی لمبی نفلوں کی کیا ضرورت ہے۔؟

آپ کو معلوم ہے سید الکونین، محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نہایت معقول سوال کا کیا جواب دیا تھا۔ آپ نے فرمایا۔

"افلا اکون عبداً شکوراً۔"

بیشک اللہ تعالیٰ کے احسانات بے شمار ہیں۔ مگر کیا تقاضائے انصاف ہے کہ اس کے ان احسانات و انعام بے غایات کا شکر نہ ادا کیا جائے۔

گناہوں کے کفارہ کے لئے نہیں بلکہ ادائے شکر کے لئے ضروری ہے کہ:۔

Marfat.com

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو

ادائے شکر کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے جو عاشق کے لئے نہایت ضروری ہے، اتنی ضروری جتنی ماہی بے آب کے لئے قطرۂ آب ضروری ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ، یعنی سرگوشی راز ونیاز، عرض معروض اور مناجات۔

اس کا ذریعہ کیا ہے، صرف نماز۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:"نمازی اپنے رب سے سرگوشی اور راز ونیاز کی باتیں کرتا ہے۔ (صحاح)

عاشق صادق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیدار رب معراج میں ہوا تھا۔ آپ کی اُمت کی معراج یہ تو نہیں ہے کہ عرش وکرسی کی سیر کرے۔ البتہ مومن کی معراج نماز ہے۔ (صحاح)

قرب محبوب مقصود ہے تو سب سے زیادہ قرب جو بندے کو اپنے رب سے میسر آتا ہے وہ ارشاد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بموجب نماز میں میسر آتا ہے۔ جب بندہ اپنی پیشانی اپنے رب کے سامنے زمین پر رکھتا ہے۔

بہرحال قلندر یا مجذوب کے لئے اتنی بات درست ہے کہ جب وہ "عالم خبر" سے "بے خبر" ہوئے۔ اور ان کے یہاں خبرداری اور "آگہی" کا مدّ ہی ختم ہو گیا۔ تو پھر ان کو احکام شریعت کی خبر کہاں سے ہو۔ جذب دائم، سکر لازوال، سرمستی و وارفتگی جس کے لئے بے خبری اور ناآگہی لازم ہے۔ ان کی زندگی بن جاتی ہے۔ یہ اگر ختم ہوتا ہے تو زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ ؎

درد ہے جان کے عوض ہر رگ و پے میں ساری
چارہ گر ہم نہیں ہونے کے جو درماں ہو گا

لیکن یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ اس بے آگہی میں اگر کہیں آگہی

Marfat.com

ہوجاتی ہے تو صحیح قلندر (یعنی جو شخص واقعی عشق مولیٰ کے جذبہ سے وارفتہ اور مغلوب ہوجاتا ہے اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ آگہی، احترام شریعت بلکہ احکام شریعت سے عشق کی صورت میں جلوہ افروز ہوتی ہے کیونکہ اصل عشق تو یہی تھا اسی کی غیر معتدل افزونی و فراوانی نے یہ بے خودی پیدا کر دی ہے۔

کسی اور قلندر کی یہ شان ہو یا نہ ہو، لیکن جس قلندر کے احترام میں ہمارا قلم سرنگوں ہے۔ یعنی شیخ شرف الدین بو علی شاہ قلندر ان کی شان تو یہی تھی۔ چنانچہ فرضیت نماز کی معافی کی روایت تو صرف مکالمہ میں ہے جس کو اختراعی قرار دیا گیا ہے۔ مگر جس واقعہ کو تمام سوانح نگاروں نے بلا کم و کاست نقل کیا ہے وہ اسی عشق کی شہادت دیتا ہے جس کو عشق شریعت کہنا چاہیئے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک مرتبہ حالت سرمستی میں حضرت قلندر صاحب کی لبیں بہت بڑھ گئیں، کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ قلندر صاحب کو آگاہ کرے یا خود تراش دے حضرت مولانا ضیاء الدین صاحب سنائی جو پابندی شریعت کے زیور سے آراستہ اور اتباع سنت کے بارہ میں عام شہرت رکھتے تھے۔ وہ قلندر صاحب کے پاس پہونچے قینچی ہاتھ میں لی۔ ریش مبارک پر ہاتھ رکھا اور لبیں تراش دیں۔ مولانا سنائی اپنا فعل کر چکے۔ مگر اس کے بعد قلندر صاحب کی حالت یہ تھی کہ :-

"ہمیشہ محاسن خود را بوسہ دے وگفتے این ریش چہ مبارک ریش ست کہ در راہ شریعت محمدی گرفتہ شدہ است" (خزینۃ الاصفیاء واخبار الاخیار وغیرہ)

ترجمہ :- ریش مبارک کو بوسہ دیا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ داڑھی کتنی مبارک ہے کہ شریعت محمدی کی راہ میں پکڑی گئی ہے۔"

اس واقعہ کی صحت سے انکار مشکل ہے۔ لیکن یہ واقعہ اس الزام اور بہتان کی بھی بہت بڑی تردید ہے کہ حضرت قلندر صاحب صوم و صلوٰۃ اور احکام شریعت

کی پابندی سے آزاد ہوگئے تھے۔ کیونکہ جو علماء داڑھی اور مونچھوں کی غیر مسنون ہیئت برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ وہ صوم وصلوٰۃ جیسے بنیادی فرائض کے ترک کو کیسے برداشت کرسکتے تھے۔ مولانا ضیاء الدین سنامی تو اپنے زمانہ کے مشہور اہلِ بصیرت فضلاء میں سے تھے۔ اُنکی شان تو بہت بلند ہے۔ شریعت کے ایک معمولی واقف کار کیلئے بھی یہ بات مضحکہ خیز ہے کہ نماز روزہ کے ترک سے تو متاثر نہ ہو۔ اور مونچھیں خلاف سنت ہوجائیں تو ان کی اصلاح کیلئے ہمّت وجرأت کے مظاہرہ میں پوری طاقت صرف کرڈے۔ یہاں تک کہ اپنے سات لڑکوں کو قربان کردے۔ کیونکہ اس واقعہ کو جس انداز سے شرف المناقب جیسی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ مفتی صاحب نے اس شرعی احتساب کے انجام دینے کے لئے پہلے اپنے لڑکوں کو بھیجا تھا۔ مفتی صاحب کے سات لڑکے تھے جو لڑکا بھی مقراض لے کر قلندر صاحب کے سامنے جاتا رہا۔ نگاہِ جلال کی تلوار سے شہید ہوتا رہا۔ جب سات بیٹے شہید ہوچکے تب حضرت مفتی صاحب خود تشریف لے گئے۔ اور اس خدمت کو انجام دیا۔

بہرحال جو مفتی اور عالم احکام شریعت کے احتساب میں اس قدر باہمت اور سخت جان ہو کہ صرف ایک سنت پر عمل کرانے کے لئے سات بیٹوں کو قربان کردے وہ صوم وصلوٰۃ کے ترک کو کیسے برداشت کرسکتا ہے۔ اور اگر کسی کو مرفوع القلم مجنوں سمجھ کر نماز روزہ جیسے فرائض سے غیر مکلف سمجھتا ہے تو وہ اس کو داڑھی اور مونچھ کی مستحب یا مسنون ہیئت کے بارے میں بھی لازمًا غیر مکلف سمجھے گا۔ اور احتساب کا ارادہ ہی نہیں کرے گا۔

جب یہ واقعہ اخبار الاخیار اور خزینۃ الاصفیاء جیسی مستند کتابوں کے حوالہ سے حیطہ تحریر میں آیا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شرف المناقب کی روایت کا بھی مکمل ترجمہ پیش کر دیا جائے جس سے ناظرینِ کرام بھی صحیح اور غلط کا اندازہ فرما

سکیں گے ۔

"شرف المناقب میں ہے" معتبر اہل سلف سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ آں عاشقِ الٰہی (حضرت شرف الدین بو علی) کی مونچھوں کے بال دراز ہو گئے تھے ۔ کسی کی ہمت نہیں تھی کہ ان کو تراشنے کی فہمائش کر سکے ۔ البتہ مولانا ضیاء الدین صاحب سنامی عرف علی مفتی جو علماء شریعت کے مقتدا تھے ۔ انھوں نے قصِ شوارب (مونچھیں کترنے) کے احتساب اور مونچھوں کو سنت کے مطابق تراشنے کے لئے اپنے سات لڑکے بھیجے جو لڑکا بھی حضرت بو علی کے سامنے مونچھیں تراشنے کے لئے پہونچتا تھا حضرت شرف الدین بو علی (جو قتال کے لقب سے مشہور ہیں) آپ کی نگاہِ جلال کی تلوار کی ضرب سے شربت شہادت چکھتا تھا ۔ مفتی نے کہا الحمد للہ میرے لڑکے شرع محمدی کی راہ میں شہید ہوئے ۔ پھر خود اپنے ہاتھ میں مقراض لی اور آنحضرت کے سامنے پہونچے ۔ چونکہ قلندر عاشق کو ہمیشہ ذاتِ ذوالجلال کا مشاہدہ اور جناب رسالت پناہ کی مجلس مبارک کی حاضری میسر رہتی تھی حکم شریعت کی تعمیل کے لئے سر جھکا کر مفتی صاحب کے اقدام کو قبول کیا ۔ جب مونچھیں تراشیں گئیں تو ہر ایک بال کی جڑ سے خون کا قطرہ جاری ہو گیا ۔ اس کے بعد آنحضرت (قلندر صاحب) اپنی داڑھی کے بالوں کو اپنے مبارک لبوں سے بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے ۔ الحمد للہ یہ داڑھی شرع محمدی کی راہ میں پکڑی گئی ہے ۔ چونکہ حضرت قلندر صاحب کے بدن مبارک کا ہر بال یادِ الٰہی میں مشغول اور مقام رضا و تسلیم میں سرگرم رہتا تھا تو اتنے بالوں کے جدا ہو جانے کا کسی قدر ملال حضرت قلندر صاحب کو ہوا ۔ اور آپ نے فرمایا ۔ مفتی تیری قبر گدھوں کی چراگاہ ہوگی ۔ جو گدھا گم ہو جایا کرے گا وہ تیری قبر پر ملا کرے گا ۔ چنانچہ مشہور ہے کہ عرصہ تک ایسا ہی ہوتا رہا ۔

بہر حال یہ تضاد بیانی انھیں مصنف صاحب کا مخصوص حصہ ہے کہ ایک

Marfat.com

طرف حضرت قلندر صاحب مفتی ضیاء الدین صاحب کے سامنے اس لئے سر تسلیم خم کردیں کہ قلندر صاحب کو ہمیشہ دربار رسالت کی حاضری میسر رہتی تھی اور دوسری جانب یہی حاضر باش سات نوجوانوں کو ناحق قتل کردیں۔

مختصر یہ کہ اصل واقعہ اتنا ہی ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے لبیں تراشیں اور قلندر صاحب کو اس پر وجد آگیا کہ اُن کی داڑھی راہ شریعت میں پکڑی گئی۔

(واللہ اعلم بالصواب)

اسباب ترک

ہمارے خیال میں ہر وہ عالم تارک الدنیا ہے جو خدمتِ دین کو اپنی ذاتی منفعت پر مقدم سمجھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ نے ترک دنیا کا جو نقشہ پیش فرمایا ہے وہ اسی کے مشابہ ہے۔

صحابۂ کرام میں سے تین فرد آستانۂ حرم پر حاضر ہوئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی اور خلوت کے مشاغل کے متعلق معلومات حاصل کرنی چاہیں۔

ان حضرات کے نزدیک ترک دنیا کے معنی یہ تھے کہ انسان کھانا پینا چھوڑ دے۔ ہمیشہ روزے سے رہے۔ رات بھر خدا کی یاد میں مصروف رہے۔ اپنے اوپر سونا حرام کرلے۔ ازدواجی زندگی سے کنارہ کش ہوجائے۔ جب ان کو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اندرون خانہ اس طرح رہتے ہیں جیسے ایک گرہستی رہتا ہے۔ گھر کا کام بھی کرتے ہیں۔ اہل وعیال سے خوش طبعی بھی فرماتے ہیں۔ رات کو آرام بھی فرماتے ہیں۔ روزے بھی رکھتے ہیں۔ مگر زیادہ تر افطار کرتے ہیں۔ تو ان تحقیق کرنے والے حضرات کو حیرت ہوئی۔ کیونکہ زہد وتقویٰ اور ترک دنیا کا جو "معیار" انھوں نے قائم کیا تھا۔ یہ باتیں اس معیار سے کم تھیں۔ مگر جو عقیدت ان صاحبان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی وہ اجازت نہیں دیتی تھی کہ آپ کی پاک زندگی کو زہد وتقویٰ کے معیار سے ساقط اور گری ہوئی قرار دیں۔ تو ان حضرات نے یہ توجیہ

Marfat.com

کی کہ حضرت رسالت مآب ؐ کا کیا کہنا، آپ کی شان نرالی ہے۔ آپ تو "محبوب خدا" ہیں آپ کی تمام خطائیں اور لغزشیں معاف ہیں لیں ہمیں اپنے اوپر آپ کو قیاس نہ کرنا چاہیئے۔ آپ جو کچھ بھی کرتے ہوں وہ آپ کا فعل ہے۔ ہمیں تو یہ طے کرنا چاہیئے۔ کہ ازدواجی زندگی ختم کردیں، رات کو سونا اور دن کو کھانا حرام کرلیں، یعنی پوری رات یادِ خدا میں صرف کیا کریں اور دن بھر روزہ رکھا کریں۔

ان حضرات کے اس فیصلہ کا علم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا تو آپ نے برہمی کے ساتھ فرمایا۔ بیشک میں رات کو سوتا بھی ہوں اور نوافل بھی پڑھتا ہوں دن کو کھاتا بھی ہوں اور روزے بھی (جب موقع ہو) رکھتا ہوں۔ میری بیویاں بھی ہیں جن کے حقوق ادا کرتا ہوں۔ یہی دین ہے یہی سنت ہے جو اس سے روگردانی کرتا ہے وہ مجھ سے منھ موڑتا ہے۔

بہرحال ترک دُنیا یہ نہیں کہ دنیا کی پاک چیزوں کو اپنے اوپر حرام کرلیا جائے۔ ترک دنیا یہ ہے کہ اپنے نفس کے ترجیحی حق کو ختم کردیا جائے۔ دنیا کی تمام خوشگواریاں اور تمام دلچسپیاں جائز اور مباح ہیں۔ جب تک کوئی دینی مصلحت مقابلہ پر نہ آئے اور جہاں مقابلہ ہو اس وقت دینی مصلحت کو نظرانداز کرنا، طلب دنیا ہے خواہ آپ عیش و رفاہیت میں ہوں یا فقر و افلاس میں۔

ارشادِ ربانی ہے:۔

"کہہ دیجئے، اگر آپ کے باپ بیٹے، بیویاں، عزیز و اقارب، دھن دولت، کھیت کیار، باغ باغیچے، دوکان اور تجارت، یا مکان اور جائیداد۔ اللہ اور اس کے رسول اور راہِ خدا میں جانفشانی اور جہاد کے مقابلہ میں زیادہ محبوب اور پسندیدہ ہیں۔ تو تم صاحب ایمان تو کیا ایک ایسی قوم ہو جو عذاب کی مستحق ہے" اب تمہیں اللہ کے عذاب کا انتظار کرنا چاہیئے" (سورہ توبہ)

Marfat.com

بہر حال ترک دنیا اصل میں ترکِ محبت ہے۔ شان و شوکت یا راحت و آرام کا ترک ہمیشہ ترک دنیا نہیں ہوا کرتا۔ بلکہ یہ ترک بھی بسا اوقات حُبِّ دنیا بن جاتا ہے۔ (معاذاللہ)

چیست دنیا از خدا غافل شدن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

پس قلندر صاحب اس وقت بھی تارک دنیا تھے جب وہ "مسجد قوت الاسلام" میں شب و روز مطالعہ اور درس میں مصروف رہتے تھے۔ کیونکہ اس وقت بھی آپ کی بلند و بالا شخصیت حرص و طمع سے پاک اور ذاتی مفاد کی بندشوں سے آزاد تھی۔ غالباً آپ نے اسی زمانہ میں فرمایا تھا۔

زہد و تقویٰ چیست اے مردِ فقیر
لا طمع بودن ز سلطان و امیر
پشت پا زن تخت کیکاؤس را
سر بدہ از کف مدہ ناموس را

لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ آپ نے آخر کار وہ صورت اختیار کی جس کو عام اصطلاح میں ترک دُنیا کہا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے یعنی سامانِ درس و تدریس و اسباب قضا و فتویٰ کو دریا بُرد کردیا۔ اور گوشۂ صحرا کو اپنا مسکن بنایا۔ آپ نے ایسا کیوں کیا۔؟

ایک روایت یہ ہے کہ وہی درویش جنھوں نے ولادت سے تیسرے روز مکان پر تشریف لاکر وہ آیت پڑھی تھی جس کو سنکر اس "قلندر نومولود" نے گریہ بند کیا تھا، یہی بزرگ مسجد قوت الاسلام میں تشریف لائے۔ حضرت قلندر صاحب درس میں مشغول تھے۔ درویش صاحب نے فرمایا۔ میاں شرف الدین کب تک اس "قیل و قال"

Marfat.com

میں پڑے رہو گے۔ قلندر صاحب نے اس سوال کا جواب اپنے عمل سے دیا۔ یعنی کتاب بند، محفلِ درس ترک، صحرا نوردی اور آبلہ پیمائی کو لبیک۔

رخصت اے زنداں جنوں زنجیرِ در کھڑکائے ہے
مژدہ خارِ دشت پھر تلوا مرا کھجلائے ہے

اس سلسلہ میں ایک عجیب وغریب واقعہ بھی بیان کیا گیا ہے جس کا تعلق اس زمانہ کے حکمراں سے ہے۔ شیخ محمد صاحب عثمانی مصنف شرف المناقب نے صرف بادشاہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس کا نام نہیں لیا اور محمد مسیح اللہ صاحب پانی پتی نے اپنے غیر مطبوعہ رسالہ میں (جس کو انھوں نے "اُجڑے دیار" سے معنون کیا ہے) غیاث الدین بلبن کا نام لیا ہے کہ اس کے کوئی لڑکا نہیں تھا۔ بیگمات چاہتی تھیں کہ ان کے لڑکا ہو تا کہ بادشاہ کا تقرب زیادہ ہو اور دوسری جانب یہ واقعہ ہوا۔ کہ کوئی شخص حضرت شیخ شرف الدین صاحبؒ کے پاس آیا۔ اور عرض کیا کہ ہمارے پیر کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور انھوں نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ غسل جنازہ کے وقت ان کی لنگوٹی نہ کھولی جائے۔ آیا اس طرح غسل دینا جائز ہے یا نہیں۔ حضرت شیخ شرف الدین صاحب نے ناجائز قرار دیا۔ تو اس شخص نے عرض کیا کہ میں تو اپنے پیر کی وصیت کے خلاف نہیں کر سکتا۔ مہربانی فرما کر آپ زحمت گوارا فرمایئے اور تشریف لے چلیے۔ شریعت کے مطابق غسل کرا دیجئے۔

حضرت قلندر صاحب اس کے ساتھ ہو لئے۔ تھوڑی دور چل کر دیکھا۔ کہ ایک سڑک کے کنارے پر ایک فقیر مرا پڑا ہے۔ لنگوٹی کسے ہوئے ہے۔ حضرت قلندر صاحب نے اس کو غسل دینا شروع کیا اور لنگوٹی کھولنی چاہی وہ مُردہ فقیر اُٹھ بیٹھا اور کہا "جہاں نامرد لنگوٹ پر ہاتھ ڈالیں وہاں مرنا بھی مناسب نہیں ہے" یہ کہہ کر چل دیا۔

Marfat.com

حضرت قلندر صاحب ششدر رہ گئے۔ اس شخص سے جو ساتھ لے گیا تھا اصل معاملہ دریافت کرنا چاہا تو اس نے کہا۔ مولانا یہ فقیری ہے۔ تمھیں اگر یہ نکتہ معلوم ہوتا۔ تو تم باپ اور بیٹی کا نکاح ہی کیوں کرتے۔ اب تو شیخ بو علی صاحب اور بھی چکرائے اور سیدھے بادشاہ کے محل پر پہونچے۔ بادشاہ کو کل ماجرا سنایا۔ بادشاہ خود پریشان تھا۔ فوراً تحقیقات کی تو معاملہ کھل گیا۔ بادشاہ نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے ایک عظیم مصیبت سے بچایا۔

اس واقعہ نے مولانا شرف الدین بو علی پر یہ اثر کیا کہ آپ نے کتابیں دریا میں غرق کیں اور فرمایا:۔

جبہ و دستارِ علم و قیل و قال
جملہ در آبِ رواں اندا ختم

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ نے ہندی کا یہ دوہا پڑھا:۔

پنڈت لیکھیا پانچ کر بولتی بانی پور
سگرے اکھر میٹ کر من میں سائیں توڑ
پوتھی تو تھوتی بھئی پنڈت بھیا نہ کوئے
ایک اکھر پریم کا پڑھے سو پنڈت ہوئے

یہ واقعہ جس میں سراسر افسانوی رنگ ہے ممکن ہے اصلیت رکھتا ہو اور کسی لاعلمی کی بنا پر حضرت شیخ نے کوئی ایسا نکاح پڑھ دیا ہو جو شرعی جواز سے محروم ہو۔ مگر ہمارے خیال میں اس زمانہ کے سیاسی اور سماجی ماحول کو آپ کے اس فیصلہ اور عمل میں بہت بڑا دخل ہے۔ آپ کی مثنوی سے اس کی شہادت مہیا ہوتی ہے جو عنقریب پیش کی جائے گی۔ (انشاء اللہ)

اگر "حکمنانہ" وغیرہ کی روایتوں پر اعتبار کیا جائے کہ آپ چالیس سال

Marfat.com

کی عمر میں دہلی تشریف لائے۔ پھر چالیس سال آپ نے خدمت درس انجام دی۔ اور بیس سال عہدۂ قضا پر فائز رہے تو اس طرح سو سال کی عمر کے بعد آپ پر وہ کیفیت طاری ہوئی جس کو قلندری سے تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جب آپ کی عمر سو سال پورے کر چکی تب آپ نے دنیا ترک کی۔ اور اگر عہدۂ قضا کے بیس سال کو مدتِ درس میں شامل کر لیا جائے یعنی یہ تسلیم کیا جائے کہ بیس سال تک صرف درس دیتے رہے اور بیس سال درس کے ساتھ فرائض قضا بھی انجام دیئے جیسا کہ اس زمانہ کا عام دستور تھا کہ قاضی اور جج صاحبان عدالت سے فارغ ہو کر دوسرے اوقات میں درس بھی دیا کرتے تھے تو اس طرح آپ نے اسّی سال کی عمر میں یہ "ترک" اختیار کیا۔

"گلزار ابرار" میں "حکمنامہ" کے بجائے "حکمت نامہ" تحریر ہے حکمت نامہ کے حوالہ سے یہ نقل کیا ہے کہ شیخ شرف الدینؒ نے فرمایا۔ میری عمر چالیس سال تھی۔ جب میں دہلی پہونچا۔ حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ کے مزار پر حاضری دی۔ پھر درس افتار میں مشغول ہو گیا اور بیس سال تک یہ خدمت انجام دیتا رہا۔ پھر جذبۂ ربانی طاری ہوا۔ درس و افتار بند کیا اور اللہ کی زمین کی سیاحت شروع کی۔ شیخ شمس الدین تبریزی اور شیخ جلال الدین رومیؒ کی خدمت میں حاضر ہوا ان دونوں سے خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ اس کے بعد ہندوستان واپس آیا اور جو کچھ سامانِ درس و تدریس تھا۔ اس کو "دریائے جمن" کی نذر کر دیا۔ گلزارِ ابرار کی اس روایت کو اگرچہ مولانا عبدالحیٔ صاحب نے بھی "نزہۃ الخواطر" میں نقل کر دیا ہے۔ مگر اس کے علاوہ کہ آپ کی عمر ۴۰ سال تھی جب آپ دہلی آئے۔ اس روایت کا باقی حصہ مجروح ہے پہلی جرح تو یہ ہے کہ اس روایت میں "مدت درس" بیس سال بیان کی ہے۔ حالانکہ خود حکیم صاحب نے چند سطر اوپر تحریر فرمایا ہے کہ:-

"اشتغل بالعلم فدرس وافاد ثلاثين سنة"

(نزہۃ الخواطر ج ۳ صفحہ ۵)

ترجمہ:۔ علم میں مشغول رہے۔ تیس سال تک درس و تدریس کا فیض جاری رکھا۔

پھر اگر بیس سال بھی مدتِ درس تسلیم کر لی جائے۔ تو دوسری جرح یہ ہے کہ زمانۂ سیاحت میں تبریز پہونچ کر شیخ شمس الدین تبریزی سے خرقۂ خلافت حاصل کرنے کی بات کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوتی۔ کیونکہ قلندر صاحب کا یہ سفرِ سیاحت کم از کم ۶۶۴ھ میں شروع ہوا ہوگا۔ حالانکہ حضرت شمس الدین تبریزی اس سے اٹھارہ سال پہلے ۶۴۵ھ میں شہید کئے جا چکے ہیں۔ بیشک حضرت جلال الدین رومیؒ کی وفات ۶۷۲ھ میں ہوئی۔ مگر کسی اور روایت سے اس کی تصدیق نہیں ہوئی کہ قلندر صاحب کی ملاقات حضرت مولانا رومیؒ سے ہوئی۔ ہاں یہ درست ہے کہ قلندر صاحبؒ نے اپنی مثنوی میں بار بار مولانا روم کا ذکر فرمایا ہے مگر اس سے یہ ضروری نہیں ہو جاتا کہ مولانا روم سے ملاقات بھی ہوئی ہوگی۔

بہر حال جب قلندر صاحب کا سنہ ولادت ۶۰۴ھ ہے اور چالیس سال کی عمر میں آپ دہلی تشریف لائے تو اتنی بات تو ثابت ہوئی کہ دہلی میں آپ کی تشریف آوری ۶۴۴ھ میں ہوئی ہے۔ اتفاق سے یہی وہ سال ہے جس کے پہلے مہینے یعنی محرم الحرام سے سلطان ناصر الدین محمود (اول) کی سلطنت شروع ہوتی ہے۔

ناصر الدین محمود سلطان شمس الدین التمش کا سب سے چھوٹا لڑکا تھا۔ شمس الدین التمش کی ۲۶ سالہ سلطنت ۲۰ شعبان ۶۳۳ھ (۱۲۳۶ء) میں اس کی وفات پر ختم ہوئی۔ اس کے بعد اگر چہ قاعدے کے مطابق اس کے بڑے لڑکے اور ولی عہد رکن الدین فیروز شاہ کو تاج پہنایا گیا۔ مگر اس کی ناقابلیت نے سات ماہ سے زیادہ اس کو سلطنت کی مہلت نہیں دی۔ ۶۳۴ھ کے وسط میں امراء دولت نے

اس کو معزول کر کے اس کی بہن رضیہ سلطانہ کو تخت نشین کر دیا۔ مگر اس کو بھی صرف تین سال کی مہلت ملی۔ ۶۳۷ھ میں اس قابل اور بہادر خاتون اور اس کے نئے شوہر دونوں کو تلوار کے گھاٹ اُتار دیا گیا۔ اس کی جگہ اس کے بھائی معزالدین بہرام شاہ کو تخت پر بٹھایا گیا لیکن دو ہی سال کے بعد اس کو بھی معزول کر کے قتل کر دیا گیا اور اس کی جگہ رکن الدین فیروز شاہ کے لڑکے علاء الدین مسعود شاہ کو سلطنت کی باگ ڈور دیدی گئی۔ مگر یہ غریب بھی دانش و جرأت سے محروم تھا زیادہ عرصہ زمام سلطنت نہ سنبھال سکا، صرف چار سال گذرنے پائے تھے کہ اراکین دولت اس سے بھی متنفر ہو گئے۔ ۲۶ محرم ۶۴۴ھ کو اُسے معزول کر کے قید میں ڈال دیا۔ اب جس کو سلطنت کے لئے منتخب کیا گیا۔ وہ یہی ناصرالدین محمود اول تھا جس کا ذکر چند سطر پہلے آچکا ہے۔

ناصرالدین محمود وہ بادشاہ ہے جو نہ صرف اس خاندان میں جس کو "خاندان غلامان" کہا جاتا ہے سب سے زیادہ نیک نفس، عادل اور رحم پرور تھا۔ بلکہ دہلی کے تمام بادشاہوں میں اس کو وہ امتیاز حاصل ہے جو کسی دوسرے کو میسّر نہیں آیا۔

اس بے چارے نے اپنے والد سلطان شمس الدین التمش کی وفات کے بعد سے اب تک گیارہ سال نظر بندی میں گذارے تھے۔ لیکن اس کی یہ دانشمندی تھی کہ نظر بندی کے اس دور کو اس نے خفیہ سازشوں یا خواب و راحت میں ضائع نہیں کیا۔ بلکہ اس نے اس فرصت کے ایک ایک لمحہ کو اپنی سیرت کی تعمیر میں صرف کیا۔

کتابوں کے مطالعہ سے اس کو شغف تھا اور اپنی محنت سے اپنا رزق فراہم کرنا اس نے اپنی زندگی کا پروگرام بنا لیا تھا۔ یہ بہترین خطاط تھا۔ اس نے کتابت کو ذریعہ معاش بنایا۔ اسی کی آمدنی سے وہ گذر اوقات کرتا تھا۔

وہ بادشاہ بن کر تخت پر بیٹھا تب بھی اس کے ہاتھ سے قلم نہیں چھوٹا۔ ایسی

تدبیریں بہت سی اختیار کیں جن سے اہلِ ملک کی زندگی کا معیار بلند ہو۔ مگر اپنی زندگی کا معیار وہی قائم رکھا جو نظربندی کے زمانہ میں تھا۔ نوکر رکھنے کی استطاعت نظربندی کے زمانہ میں نہیں تھی۔ گھر کا کھانا خود بیوی پکاتی تھی۔ جب یہ بادشاہ' اور بیوی ملکۂ جہاں بنی۔ تب بھی اپنے خادم وہ خود ہی رہے۔ بیوی خود ہی روٹی پکاتی' گھر کا کام خود ہی کرتی اور بادشاہ کتابت کی مزدوری کرتا اور امور سلطنت سے فراغت پاتا تو اپنے کپڑے خود سینے لگتا تھا۔

یہ حُسنِ اتفاق تھا کہ حضرت شاہ بوعلی قلندرؒ دہلی پہونچے۔ تو دہلی کی قسمت بھی سلطان ناصر الدین محمود جیسے انصاف پسند' پاکیزہ سیرت' نیک بادشاہ کے آفتاب اقبال سے چمک اٹھی۔

قدرت کی فیاضیوں نے اس کو وزیر بھی ایسا ہی نیک نفس' نیک نیت' با تدبیر اور وفادار دیا تھا" غیاث الدین بلبن" جس کا نام آج تک عزت سے لیا جاتا ہے۔ وہ اس کا وزیر تھا۔

وزیرے چنیں شہریارے چناں
جہاں چوں نگیرد قرارے چناں

حضرت شیخ شرف الدین جب ۶۴۴ھ میں دہلی پہونچے۔ تو سلسلۂ درس تو آپ نے کچھ دنوں بعد ہی شروع کر دیا۔ مگر عہدۂ قضا یقیناً اس وقت نہیں ملا ہوگا اگرچہ مکالمہ کے الفاظ سے سمجھ میں آتا ہے۔ کہ چالیس سال بعد اس عہدہ پر فائز ہوئے مگر یہ یقیناً غلط ہے۔ کیونکہ چالیس سال بعد سیاست کا وہ گھناؤنا دور آتا ہے جس میں بوعلی شاہ قلندر تو کیا معمولی درجہ کا نیک سیرت انسان بھی عہدۂ قضا قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا تھا۔

مختلف روایتوں کے ملانے سے بطور قدر مشترک جو بات ثابت ہوتی ہے

Marfat.com

وہ یہ ہے کہ قریباً چالیس سال آپ نے درس اور منصب قضا کی خدمت میں صرف کیے۔

قیاس یہ ہے کہ جس طرح آپ کا دہلی پہونچنا اس مبارک اور مسعود وقت میں ہوا تھا جب سلطان ناصر الدین محمود جیسے سلطان عادل کے عروج سے دہلی کی قسمت جاگی تھی۔ ایسے ہی جب یہ دور ختم ہوا اور سرزمین دہلی پر بادشاہوں کا خون بہنے لگا۔ تو حضرت قلندر صاحب نے رختِ سفر باندھا اور نہ صرف شہر دہلی کو خیر باد کہا۔ بلکہ شہری زندگی ہی کو "الوداع" کہہ دیا۔

سلطان ناصر الدین محمود بیس سال حکومت کرکے جمادی الاول ۶۶۴ھ (۱۲۶۶ء) میں اس دارفانی سے رخصت ہوا تو امرائے دولت نے اس کے وزیر غیاث الدین بلبن کو جس کے عادلانہ جوہر اور نظام سلطنت کی بہترین قابلیت کا تجربہ زمانہ دراز سے کرتے چلے آئے تھے، بادشاہ بنا دیا۔ یہ اسی طرح منصفانہ شان اور بہادرانہ شوکت سے بائیس سال تک سلطنت کرتا رہا۔ ۶۸۶ھ (۱۲۸۷ء) میں جب اس کی عمر تقریباً ۸۵ سال تھی۔ اس نے بھی جانِ شیریں جان آفرین کے حوالہ کی لیکن اس کی وفات کے بعد فوراً ہی دہلی کا ستارۂ اقبال گردش میں آ گیا۔

غیاث الدین بلبن نے سوچ سمجھکر اپنے بیٹے "خسرو" کو ولی عہد بنایا تھا لیکن اس کے دوسرے پوتے "کیقباد" کی سازش غالب آئی۔ کیقباد نے خود تخت سلطنت پر قبضہ کیا اور ولی عہد کو تختۂ دار پر لٹکا دیا۔ لیکن اس کی سازشی سلطنت کامیاب نہیں ہوئی۔ ایک فوج کا کمانڈر شائستہ خاں خلجی سامنے آیا۔ اس نے کیقباد کو "کلوکھڑی" کے محل میں قتل کروا کر اس کی لاش محل کی کھڑکی سے دریائے جمنا کی ریتی میں پھنکوا دی۔

عوام کے ہیجان کو فرد کرنے کے لئے اس وقت کیقباد کے تین سالہ لڑکے "کیومرث شاہ" کو بادشاہ بنا دیا۔ اور جب حالات کسی قدر معتدل ہو گئے تو اس تین سالہ بچے کو بھی

Marfat.com

ذبح کرا کر ۶۸۹ھ (۱۲۹۰ء) میں خود تاج سلطنت اپنے سر پر رکھ لیا مختصر یہ کہ سلطان غیاث الدین بلبن کی وفات سے صرف تین سال کے اندر نہ صرف یہ کہ دو بادشاہ قتل کئے گئے بلکہ اس خاندان کی سلطنت ہی ختم ہو گئی۔ اور اب خلجی سلطنت کا آغاز ہوا جس کا بانی یہی شائستہ خاں ہے جس نے اپنا لقب اور خطاب جلال الدین فیروز شاہ اختیار کیا۔

چاہ کندہ را چاہ در پیش

چشم عبرت کے لئے کتنا عجیب و غریب سبق ہے کہ یہی شائستہ خاں اپنی تمام صلاحیتوں اور قابلیتوں کے باوجود پورے چھ سال بھی حکومت کرنے نہیں پایا، کہ ۶۹۵ھ میں خود اس کے پروردہ برادر زادہ اور داماد نے اس کو قتل کر کے تاج بادشاہت اپنے سر پر رکھا۔ اور بادشاہ کے سر کو جھنڈے پر آویزاں کر کے پورے لشکر میں گشت کرایا۔

یہ بھتیجے صاحب جس نے اپنے خسر اور چچا کو قتل کیا "علاء الدین خلجی" ہیں۔ شائستہ خاں نے اس کو گورنر بنا رکھا تھا۔ مگر علاء الدین کی نظریں بہت اونچی تھیں وہ صرف گورنری پر قناعت نہیں کر سکتا تھا۔ اول اس نے جنوبی ہند پر حملہ کر کے برار اور خاندیش وغیرہ کو فتح کیا۔ اور جب وہاں سے پلٹا تو اب اس کی نظر بادشاہت کے سوا کسی اور پر نہیں جمتی تھی۔ اس نے اپنے چچا شائستہ خاں کو اپنے نیام گاہ "کڑہ مانکپور" آنے کی دعوت دی۔ چچا اگرچہ بحیثیت داماد کے علاء الدین سے خوش نہیں تھا۔ کیونکہ میاں بیوی اور ساس داماد کے تعلقات اچھے نہیں تھے لیکن ہونہار بھتیجے کی حیثیت سے بہت خوش تھا۔ بھتیجا جو غیر معمولی فتوحات کے بعد واپس آیا تھا جب اس نے ملاقات کے لئے دعوت دی تو شائستہ خاں (جلال الدین فیروز شاہ) سے نہیں رہا گیا۔ اعوان سلطنت نے منع بھی کیا مگر اس کو اپنے بھتیجے اور خود اپنی

ہمت پر اتنا اعتماد تھا کہ گنگا کے راستہ "کٹرہ مانکپور" پہونچ گیا۔ کشتی وسط رمضان میں کٹرہ مانکپور کے قریب پہونچی۔ علاء الدین استقبال کے لئے کشتی پر آیا۔ اور بغل گیر ہوتے ہی خنجر چچا کی بغل میں رسید کر دیا۔ انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

دہلی میں بادشاہ کے حادثہ کی خبر پہونچی تو ملکہ جہاں نے اپنے بیٹے رکن الدین ابراہیم شاہ کو تخت نشین کر دیا۔ مگر یہ بادشاہت صرف اس وقت تک تھی۔ جب تک علاء الدین کا لشکر جرار دہلی نہیں پہونچا تھا۔ لشکر کے پہونچنے میں چار ماہ صرف ہوئے۔ اور جب جنوبی ہند کا فاتح لشکرے کر دہلی پہونچ گیا تو رکن الدین ابراہیم شاہ کی بادشاہت خس وخاشاک کی طرح بہہ گئی۔ رکن الدین کی زندگی کا تو سوال ہی کیا، ساتھ میں اس کی ماں اور اس کے دوسرے عزیزوں کو بھی تہ تیغ کر دیا۔

یہی علاء الدین ہے جس کا تذکرہ تمہیدی مضمون میں گذر چکا ہے۔ جس کے متعلق حضرت امیر خسرو کے الفاظ یہ تھے کہ "مہذب ڈاکو" ہیں۔

بادشاہت کے متعلق ان بادشاہوں کا نظریہ یہ تھا کہ "بادشاہت بانجھ ہوتی ہے" نہ اس کا کوئی رشتہ ہوتا ہے نہ قرابت، لہذا بادشاہت کے لئے ہر ایک کا خون مباح ہے خواہ کوئی ہو۔

بہر حال اس جرم کے بعد جو خود علاء الدین کی نظر میں ممکن ہے جرم نہ ہو۔ اس کی بادشاہت ضابطہ اور قاعدہ کی بادشاہت رہی۔ چنانچہ اس کا شمار ہندوستان کے کامیاب بادشاہوں میں ہوتا ہے۔ اس کا دور حکومت ۷۱۶ھ (۱۳۱۳ء) تک رہا۔ شوال ۷۱۶ھ میں اس نے بھی عالم جاودانی کو رخت سفر باندھا۔

جہاں را چنیں ست آئین و داد
کہ جز مرگ کس را ز مادر نہ زاد

علاء الدین کے بعد پھر انارکی پھیلی، اور طوائف الملوکی کا دور ہوا۔ یہاں

Marfat.com

تک کہ حضرت بوعلی شاہ قلندر کے سنہ وفات ۷۲۴ھ تک تخت شاہی کو تین مرتبہ "قتل گاہ" بننا پڑا۔

سلطان علاء الدین کے بعد اس کے سب سے چھوٹے لڑکے شہاب الدین عمر کو تخت نشین کیا گیا جو صرف ایک سال سلطنت کر سکا۔ قطب الدین مبارک اول نے اس کو قتل کر کے سریر سلطنت پر قدم رکھا۔ وہ بھی ۴ سال سے زیادہ جم نہ سکا۔ ۷۲۰ھ میں ناصر الدین خسرو نے اس کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اور اس کے ساتھ اس کے خاندان کے اور افراد کو بھی تہہ تیغ کیا کہ کوئی اس کے مقابلہ پر نہ آسکے لیکن اپنی تمام تدبیروں کے باوجود قدرت کے دست قہر سے نجات نہ پاسکا۔ پنجاب کے گورنر غیاث الدین تغلق نے علم بغاوت بلند کیا اور خسرو کو گرفتار کر کے حکم دیا کہ جس جگہ خسرو نے قطب الدین کو قتل کیا تھا۔ اسی مقام پر اس کو قتل کیا جائے۔ خسرو خاں نے اپنی بادشاہت کے تحفظ کے لئے خاندان خلجی کے تمام ایسے افراد کو قتل کروا دیا تھا جن سے مقابلہ کا خطرہ تھا۔ اب خسرو خاں کے قتل ہونے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اس پورے خاندان کی سلطنت ختم ہو گئی۔ اور ۷۲۱ھ سے یہ تخت خاندان تغلق کے حوالہ ہوا جس کا بانی یہی غیاث الدین تھا۔ جو ۷۲۵ھ میں مکان کے نیچے دب کر مر گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس کے بیٹے برنا شاہ نے وہ مکان بنوایا ہی ایسا تھا کہ معمولی جھٹکے سے گر جائے۔ چنانچہ چند مست ہاتھیوں نے جو لڑ رہے تھے مکان میں ٹکر ماری اور یہ محل اس طرح گر گیا کہ غیاث الدین تغلق کی بادشاہت کو بھی لے بیٹھا۔

یہاں بادشاہوں کی سوانح عمری لکھنی مقصود نہیں ہے بلکہ اس سیاسی فرا تفری کا ایک نمونہ پیش کرنا ہے۔ جس کے متعلق ہمارا خیال ہے کہ وہ حضرت شاہ بوعلی قلندر کے تارک ہونے کا بڑا سبب بنی۔

سیاسی بحران کا اثر علماء اور مشائخ پر

سیاسی بدحالی اور خود غرضی و خود پرستی کا بحران جس طرح ختم ہونے والے بادشاہ اور اس کے خاندان کے لئے مصیبت ہوتا تھا وہ ان کے لئے بھی آزمائش بن جاتا تھا جو عالم او ر مفتی کہلاتے ۔ یا مذہبی لحاظ سے عوام میں اثر درسوخ رکھتے تھے ۔ کیونکہ عوام کا رجحان مذہبی تھا ۔ ہر ایک قاتل و سفاک بادشاہ اپنی خود غرضی کے راستہ پر قدم بڑھاتا ہوا یہ چاہتا کہ کوئی مذہبی نشان بھی اُس کے ہاتھ میں ہو جس سے وہ اپنی اس سفاکی اور خونریزی کا جواز ثابت کر سکے اور اس طرح عوام کے ہجوم کو اپنے ساتھ رکھ سکے ۔

وہ نام کے علماء جن کی نظر اپنے اقتدار، اپنے مفاد، شاہی وظیفہ اور جاگیر پر ہوتی تھی، وہ پوری قابلیت صرف کرکے دریا کی تہہ میں سے بہ کوڑی نکالتے تھے اور بادشاہ جہاں پناہ کے لئے کوئی نشان فراہم کرتے تھے ۔ لیکن حق پرست و خدا ترس علماء کے لئے یہ مصیبت دوہری ہو جاتی تھی ۔ ایک طرف بادشاہ کی ٹیڑھی ترچھی نگاہ، جو بسا اوقات " برق خرمن سوز " کا کام کرتی تھی اور دوسری جانب شاہ پرست علماء کا طعن و تشنیع جوان شکستہ دل علماء ربانی کے لئے تیر و نشتر سے بھی زیادہ تیز ہوتا تھا ۔

اس صورت حال کو سامنے رکھ کر جب حضرت قلندر صاحبؒ کی مثنوی گنگنائی جاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے وہ اسی پس منظر کی ایک تصویر ہے اور " گفتہ آید در حدیث دیگراں " میں حضرت قلندر صاحب نے وہ سب کچھ کہہ دیا ہے جس کے دل شکن اور ہوش رُبا اثر نے حضرت قلندر صاحب کو ترک دنیا پر مجبور کیا تھا ۔

ان حالات نے معاشرہ اور سماجی زندگی پر کیا اثر ڈالا ہے ۔ اور عوام کی حالت کس درجہ تباہ ہے ۔ اس کی تصویر ملاحظہ فرمائیے ۔

ارشاد ہے :-

از جہاں مہر و وفا معدوم شد
حال مردم یک بیک معلوم شد

ترجمہ:۔ محبت اور وفاداری دنیا سے معدوم ہوچکی ہے، لوگوں کی حالت یک بیک معلوم ہوگئی ہے

اے دریغا وضع نیکاں شد بدل
در دیارِ حکم افتادہ خلل!

ترجمہ:۔ افسوس نیک لوگوں کی وضع بدل گئی۔ دنیا کے عدل و انصاف میں خلل پڑ گیا۔

تیغ ممسک شجرۂ احساں بُرید
ہم چو عنقا ہمت از عالم پرید

ترجمہ:۔ بخیل کی تلوار نے حسنِ سلوک کے درخت کو کاٹ ڈالا۔ ہمت اور حوصلہ عالم سے
ایسے ہی اُڑ گیا۔ جیسے عنقا کی جنس ضائع ہوگئی۔

ہمتے رفتست از شاہ و گدا
منعماں گشتند گدائے بے نوا

ترجمہ:۔ شاہ اور گدا دونوں سے ہمت اور حوصلہ کی جنس ضائع ہوگئی۔ دولت مند بھی
گدائے بے نوا بن گئے۔

ہمتے برخاست از صاحب دلاں
دارم از دستِ زمانہ صد فغاں

ترجمہ:۔ اہلِ دل اور روحانی لوگوں سے بھی ہمت مفقود ہوگئی۔ دستِ زمانہ سے میرے دل
بار آہ و فغاں حسرت و ماتم۔

رحم از دلہائے مردم شد نہاں
سختیے پیدا شدہ بر مرد ماں

ترجمہ:۔ انسانوں کے دلوں سے رحم بھی پردہ پوش ہوگیا۔ لوگوں میں ایک قسم کی سختی پیدا ہوگئی

Marfat.com

خُلق نیکو شد زعالم ناپدید
طبع مردم سگ صفت گشتہ پلید

ترجمہ:۔ اچھے اخلاق دنیا سے ناپید ہو گئے۔ آدمیوں کی طبیعت کتوں کی طرح پلید ہو گئی۔

یہ تو عوام کی حالت تھی۔ اب رہے خواص تو دولت مند امراء کی حالت یہ ہے۔

نیست رحمے در دلِ اہلِ دول
شیوۂ اہلِ دول باشد دغل

ترجمہ:۔ دولت مندوں کے دلوں میں رحم نہیں ہے۔ دولت مندوں کا طریقہ دھوکا اور مکر و فریب ہے۔

اہلِ دنیا بہر سیم و مال و زر
گر بدست آید خورند خونِ جگر

ترجمہ:۔ دنیا داروں کی حالت یہ ہے کہ سونا چاندی اور مال کی خاطر اگر ہو سکے تو جگر کا خون بھی پی لیں۔

آں شنیدی کہ زبرائے عز و جاہ
بے گنہ کردند یوسف را بچاہ

ترجمہ:۔ تم نے سنا ہوگا کہ عزت اور جاہ کی خاطر حضرت یوسف (علیہ السلام) کو بلا کسی قصور کے کنوئیں میں ڈال دیا تھا۔

از حسد بے رحمیٔ اخوان ببیں
حال زار یوسف کنعاں ببیں

ترجمہ:۔ حسد کے باعث بھائیوں کی آپس کی بے رحمی دیکھنا چاہو تو یوسف کنعان کا حال زار دیکھ لو۔

تاجدار بادشاہوں کی حالت ملاحظہ فرمائیے:۔

Marfat.com

بر سرت باشد ترا گر تاجِ زر
کس نیاید از تکبر در نظر

ترجمہ :۔ اگر تمھارے سر پر سونے کا تاج ہو تو تکبر کی یہ حالت ہو کہ کوئی بھی نظر میں نہ آئے

بلکہ رُو تابی چو نمرود از خدا
گم کنی خود را نترسی از جزا

ترجمہ :۔ بلکہ نمرود کی طرح خدا سے بھی منہ موڑ لو۔ اپنے آپ کو ایسا دار فتہ کرو کہ خدا کا خوف دل سے نکل جائے۔

حرص افزوں می شود از مال و زر
قطع گردد حب فرزند و پدر

ترجمہ :۔ مال و زر سے حرص میں اور اضافہ ہوتا ہے (یہاں تک کہ) بیٹے اور باپ کی محبت بھی ختم ہو جاتی ہے۔

ہیچ جا دیدے گدا ر بے نوا
رو بگرداند چو فرعون از خدا

ترجمہ :۔ اگر کسی جگہ کوئی گدائے بے نوا نظر پڑ جائے تو اس سے اس طرح منہ موڑ لیتا ہے۔ جیسے فرعون نے خدا سے منہ موڑ لیا تھا۔

ان تاجداروں کی سفاکی اور بربریت کی حالت ملاحظہ فرمایئے۔

بادشاہاں را ببیں کز بہر مال
خون اخوان و پدر دانند حلال

ترجمہ :۔ بادشاہوں کو دیکھو کہ مال کی خاطر بھائیوں اور باپ کے خون کو بھی جائز اور حلال سمجھتے ہیں[1]

---

[1] غالباً علاؤ الدین خلجی کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۴ پر ملاحظہ ہو)

Marfat.com

حکومت اور معاشرہ یعنی راج اور سماج گویا دامن اور چولی ہیں۔ ایک کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے۔ بادشاہ اور امراء اگر عظمت و اقتدار، عیش و عشرت اور دولت و ثروت کے حریص ہوتے ہیں تو عوام میں بھی ان کی کمی نہیں ہوتی جو اپنے اپنے انداز میں عظمت و جاہ اور عیش و عشرت کے عاشق ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہوتا ہے کہ بادشاہوں اور ارکانِ دولت کے ہاتھ میں تلوار ہوتی ہے۔ وہ اس کے بل بوتے پر اپنی آرزوئیں پوری کرتے ہیں یا ان آرزوؤں کی راہ میں فنا ہو جاتے ہیں۔ وہ عوام جن کے ہاتھ میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۹۳ کے بعد ملاحظہ ہو)

کڑہ مانک پور میں گنگا کے کنارے جلال الدین فیروز شاہ کے قتل کا واقعہ گذر چکا ہے۔ کہ علاؤ الدین نے بغل گیر ہوتے ہوئے بغل میں خنجر رسید کر دیا تھا۔ بیشک اس کا سبب ایک وہ بھی تھا جس کی طرف وہاں اشارہ کیا تھا یعنی علاؤ الدین کا شوق سلطنت اور گورنر کے بجائے بادشاہ بننے کا جذبہ۔ مگر مورخین نے اس کا سبب ایک اور بھی بیان کیا ہے۔ وہ یہ کہ علاؤ الدین خلجی نے جنوبی ہند کی فتوحات میں بے شمار دولت حاصل کی تھی۔ سونے اور چاندی کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ سچے موتی، زمرد، لعل اور یاقوت منوں کی مقدار میں وصول کئے تھے۔ مثلاً سات من زمرد۔ دس من موتی وغیرہ۔ اسلامی اصول کے مطابق یہ تمام مال غنیمت یکجا جمع ہوتا پھر اس کا ایک حصہ مجاہدین کو دیا جاتا۔ ایک حصہ فقراء اور مساکین کے لئے مخصوص ہوتا باقی بیت المال یعنی قومی فنڈ میں محفوظ کیا جاتا۔ مگر یہ بادشاہ اسلامی اصول پر عمل پیرا نہیں تھے۔ اب علاؤ الدین نے کچھ حصہ شاہی خزانہ کے لئے دہلی بھیجدیا۔ باقی سب اپنے پاس رکھ لیا۔ بادشاہ نے اصرار کے جانب بھی کوئی توجہ نہیں کی۔ آخر کار جلال الدین کو خیال ہوا کہ وہ خود علاؤ الدین کے پاس جائے تو میرے جانے کا لحاظ کر کے وہ یہ دولت مجھے دیدے گا۔ مگر علاؤ الدین نے بادشاہ کے اس حُسن ظن کا یہ جواب دیا۔ کہ جب تک بادشاہ دہلی میں تھا اس کو اس طرح خوش آمدید کہا کہ بادشاہ نے اپنے ساتھ فوج لے جانے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی۔ اور جب بغل گیر ہوا تو اس کا استقبال خنجر آبدار سے کیا۔ بس علاؤ الدین (بھتیجے اور داماد) نے صرف دولت کو محفوظ رکھنے کی خاطر اپنے چچا اور خسر اور مربی کا خاتمہ کیا۔ قلندر صاحب غالباً اسی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔

Marfat.com

تلوار نہیں ہوتی یا سماجی نقطۂ نظر سے شمشیر بکف ہونا ان کے لئے نازیبا ہوتا ہے وہ ان آرزوؤں اور غلط جذبات کی تکمیل کے لئے وہ راستے اختیار کرتے ہیں۔ جن کو مکر و فریب دجل اور نمائش کہا جاتا ہے۔ یہی پست جذبات اور غلط آرزوئیں ہوتی ہیں۔ جو ایک ایسے شخص کو جو اپنی فطرت کے لحاظ سے ان عوام سے بھی کمتر ہوتا ہے۔ جن کو "کالانعام" کہا جاتا ہے۔ اس کو آمادہ کرتی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو صوفی صافی، شیخ طریقت اور عالم و فاضل کے روپ میں پیش کرے۔ تاکہ لوگ اس کی تعظیم کریں اور یہ عزت و احترام کی کرسی حاصل کر سکے۔ یہ درحقیقت بدترین اغراض پرست ہوتے ہیں جو اپنی حیثیت و فطرت کے برخلاف رنگ برنگ آئینوں میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ بادشاہوں کی نفس پرستی نے جس طرح معاشرہ اور سماج کو تباہ کیا تھا۔ اور تباہ شدہ سماج میں جس طرح یہ ہوا پرست نمائشی زاہد و صوفی نمودار ہوتے تھے اور اپنی اس نمائش کو حقیقت ظاہر کرنے کے لئے جو ہتھکنڈے وہ استعمال کرتے تھے۔ معلوم ہوتا ہے قلندر صاحب کو ان تمام باتوں کا بارہا تجربہ ہوا تھا۔ اور جن چیزوں سے اُکتا کر انھوں نے دنیا کو پس پشت ڈال دیا تھا۔ اس میں اس عنصر کثیف و خبیث کا بھی حصہ کافی تھا۔ اس پس منظر کے مطالعہ کے بعد مثنوی کے اشعار ملاحظہ فرمائیے:۔

فرماتے ہیں:۔

زہد و تقوی نیست آں کز بہر خلق
صوفی باشی و پوشی کہنہ دلق

ترجمہ:۔ زہد اور تقویٰ یہ نہیں ہے کہ مخلوق کی خاطر صوفی بنو اور پرانی گدڑی پہنو۔

شانہ و مسواک و تسبیح و ریا
جبہ و دستار و قلب بے صفا

Marfat.com

ترجمہ :۔ شانہ بھی ہو، مسواک اور نمائشی تسبیح بھی ہو، جبہ و دستار بھی ہو مگر دل اسی طرح گندہ اور آلودہ رہے۔

پیش و پس گردد مریدِ ناخلف
چوں خرِ ابلہ پئے آب و علف

ترجمہ :۔ آگے پیچھے نالائق مریدوں کا ہجوم ہو جس طرح خرِ ابلہ گھاس اور پانی کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں۔

چوں بہ بینی چند کس بیہودہ گرد
خویش را گوئی منم مردانہ مرد

ترجمہ :۔ جب آگے پیچھے چند بیہودہ لوگوں کو دیکھو تو سمجھ لو کہ میں ہی مردِ مرداں ہوں۔

دام اندازی برائے مرد و زن
خویش را گوئی منم شیخ زمن

ترجمہ :۔ عورتوں اور مردوں کے لئے مکر کا جال بچھائے رکھو۔ اور یہ دعویٰ کرتے رہو کہ شیخ زمن میں ہی ہوں۔

وعظ گوئی خود نیاری در عمل
چشم پوشی ہمچو شیطان دغل

ترجمہ :۔ دوسروں کو وعظ اور خود عمل نہیں یعنی مکار شیطان کی طرح آنکھ بند کئے رہیں۔

مکر و تلبیس و ریا کارت بود
ہر نفس شیطاں ترا یارت بود

ترجمہ :۔ مکر و تلبیس، نمود و نمائش تمھارا کام ہو۔ ہر دم شیطان تمہارا یار و مددگار ہے۔

خادماں گویند ایں شیخ زماں
چشم پوشیدہ است از خلق و جہاں

ترجمہ:۔ خادم یہ شہرت دیں کہ یہ زمانہ بھر کے شیخ طریقت ہیں۔ ساری مخلوق اور سارے جہاں سے آنکھ بند کر رکھی ہے۔

ایں خوشامد گوئے چندیں ابلہاں
رہزنانند، رہزنانند، رہزناں

ترجمہ:۔ یہ خوشامدی، بے وقوف، ڈاکو ہیں ڈاکو۔

از ستائش خویشتن را گم مکن
عیب خود بیں عیب بر مردم مکن

ترجمہ:۔ ان کی تعریف سے اپنے آپ کو گم مت کر اپنے عیبوں پر نظر رکھو دوسروں کے عیب نہ نکالو۔

خود بدہ انصاف اے اہل دغل
دل پُر ست از مکر و مصحف در بغل

ترجمہ:۔ اے فریب خوردہ اگر ہو سکے تو خود انصاف کر۔ دل مکر سے بھرا ہوا ہے۔ اور قرآن شریف بغل میں ہے۔

صوفیم گوئی نداری سینہ صاف
از کرامتہا ر خود شیخا ملاف

ترجمہ:۔ دعویٰ ہے کہ میں صوفی ہوں اور سینہ صاف نہیں۔ شیخ محترم مہربانی فرمائیے۔ اپنی کرامتوں کے دعوے مت بگھاریئے۔

می کنی طاعت تو از بہر ریا
گر نکردی سجدہ از بہر خدا

ترجمہ:۔ تمہاری ساری عبادت ریا اور نمود کے لئے ہے۔ اگر خدا کے لئے سجدہ کی توفیق نہیں ہوئی۔

Marfat.com

نفس کافر کیش داری در کمیں
بہر شہرت مے نشینی اے لعیں

ترجمہ:۔ دل کے کمیں گاہ میں وہ نفس ہے جو کافرانہ انداز رکھتا ہے۔ اے لعین و مردود تیری گوشہ نشینی بھی اسی غرض سے ہے کہ تارک دنیا مشہور رہو۔

مے کشائی دست از بہرِ دعا
مزہ خواہی از عبادات ریا

ترجمہ:۔ دعا کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہو اور واقعہ یہ ہے کہ اس نمائشی عبادت کی اجرت بندوں سے وصول کرنا چاہتے ہو۔

مے کنی از سکر عالم را مطیع
مے دہی تسکیں منم فردا شفیع

ترجمہ:۔ مکر و فریب سے دنیا کو مطیع کرنا چاہتے ہو اور لوگوں کو اطمینان دلاتے ہو کہ فردا قیامت کو میں سفارش کروں گا۔

از تکبر می کنی ہر سو نظر
خویش را گوئی کہ ہستم باخبر

ترجمہ:۔ ہر طرف تکبر سے نظر ڈالتے ہو اور اپنے متعلق دعویٰ کرتے ہو کہ میں باخبر ہوں۔

بُت پرستی مے کنی ہم بُت گری
شد دلت رشک بتانِ آزری

ترجمہ:۔ تم بت پرست بھی ہو اور بت گر بھی، تیرا دل بتانِ آزری کے لئے بھی باعثِ رشک ہے

آرزو ہائے تو ہرگز کم نشد
قامت حرص و ہوایت خم نشد

ترجمہ:۔ تیری آرزوئیں کبھی بھی کم نہیں ہوتیں۔ حرص و طمع کا قامت کبھی بھی خم نہیں ہوا۔

Marfat.com

تعجب ہوتا ہے آج ہر ایک نفس پرست اپنی نمائشی بدمستی اور آوارہ گردی کے لئے حضرت قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی پناہ تلاش کرتا ہے۔ اس کا پروپیگنڈہ یہ ہوتا ہے کہ معاذ اللہ حضرت بو علی شاہ قلندر بھی اسی کی طرح تھے اور یہ ٹھیک ٹھیک انھیں کے مانند اور انھیں کے نمونہ پر ہے۔ اور اس کے نقش قدم پر چل رہا ہے مگر یہ اشعار جو اوپر ذکر کئے گئے اور اس مضمون کے بہت سے اشعار جن سے مثنوی کے صفحات رنگین ہیں۔ ان کی کھلی ہوئی شہادت ہے۔ کہ حضرت قلندر اس مسخ شدہ قلندری سے بیزار ہیں۔ یہ بیزاری یہاں تک بڑھتی ہے کہ تہذیب کا دامن بھی دست قلندر سے چھوٹ جاتا ہے۔

غور فرمایئے قلندر صاحب کس قدر برافروختہ ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

نفس کافر تو بود ہمراہ تو
آتشِ دوزخ بود جانکاہ تو

ترجمہ:۔ تیرا کافر نفس تیرے ہمراہ رہے تو آتشِ دوزخ تیرے لئے جانکاہ ہوگی۔

گر تو مردی نفسِ کافر را بکش
ور نداری دسترس بنشیں خمش

ترجمہ:۔ اگر واقعی مرد ہے تو نفس کافر کو ختم کر۔ اگر اس کی طاقت نہیں ہے تو خاموش بیٹھو (شمع طریقت اور روحانی بزرگ ہونے کا دعویٰ مت کرو)

گر نداری ہمت مردانِ دین
چو زناں رو، در پسِ پردہ نشیں

ترجمہ:۔ اگر تمہارے اندر مردانِ دیں جیسی ہمت نہیں ہے تو جاؤ اور عورتوں کی طرح پردہ کے پیچھے بیٹھ جاؤ۔

گر ز دست تو نیاید کار مرد

ہمچو ہیزاں در پس مرداں مگرد

ترجمہ :۔ اگر تمھارے ہاتھ سے مردوں کے کام نہیں ہو سکتے تو ہیز اور زنخوں کی طرح مَردوں کے پیچھے نہ گھومو۔

اے مخنث نے تو مردی نے تو زن
مثل شیطان راہ مرداں را مزن

ترجمہ :۔ او مخنث نہ تو مرد ہے نہ عورت، تو اب شیطان کی طرح لوگوں کی راہ مت مار (ان کو گمراہ مت کر)

ان اشعار میں بھی اعتدال ہے۔ اب اور ملاحظہ فرمایئے :۔

چوں نداری شرم اے پیماں شکن
باز می خواہی مراد خویشتن

ترجمہ :۔ او پیمان شکن بد عہد جب تیرے اندر شرم نہیں ہے تو پھر اپنی مراد پوری ہونے کی تمنا بھی نہ رکھ۔

عمر با خامی طمع سر می زنی
بلکہ از ابلیس ملعوں کمتری

ترجمہ :۔ تمنا رخام۔ میں اپنی عمر صرف کر رہے ہو بلکہ واقعہ یہ ہے کہ تم ابلیسِ لعین سے بھی کمتر ہو۔

نفس بد کردار چوں تو سگ پلید
دست ایمانت بدنداں پس گزید

ترجمہ :۔ تجھ جیسے ناپاک کتے کا نفس بد کردار (معاذ اللہ) تیرے ایمان کے ہاتھوں کو دانتوں سے کاٹ رہا ہے۔

شہوت و خواب خورش داری مدام

Marfat.com

از عبادت کاہلی و ناتمام

ترجمہ:۔ ہمیشہ ہمیشہ شہوت اور خواب و خور میں مصروف رہتے ہو اور جہاں تک عبادت کا تعلق ہے تو سراسر کاہلی اور سستی ۔ اور جو کچھ عبادت ہوتی ہے وہ ناقص اور ناتمام ۔

جہل خرداری تو اے بیہودہ گرد
انچہ تو کردی گہے شیطاں نہ کرد

ترجمہ:۔ گدھوں جیسی جہالت کا تو مالک ہے ۔ ایسے آوارہ گرد جو کچھ تو کر رہا ہے کبھی شیطان نے بھی ایسا نہیں کیا۔

یافت تعلیم از تو شیطاں مکرد ریو
از تو آموزند بازی طفل و دیو

ترجمہ:۔ تجھ سے شیطان نے مکر و ریا کی تعلیم پائی ہے ۔ شریر لڑکے اور دیو تجھ سے تعلیم پاتے ہیں

بہر لقمہ اے سگِ مردار خو
مے دَوِی صحرا بصحرا کو بکو

ترجمہ:۔ اے مردار طبیعت کتے تو لقمہ کے لئے دوڑتا ہے صحرا بصحرا کوچہ بکوچہ ۔

خوار می گردی ز بہر آب و نان
در پئے سگ تا بکے باشی دواں

ترجمہ:۔ تو روٹی اور پانی کے لئے ذلیل پھرتا ہے ۔ آخر کب تک دنیا کے کتوں کے پیچھے دوڑتا رہیگا۔

دین و ایمان کے حق میں اندرونی خطرات

حفاظت کی صورتیں اور لائحہ عمل

چودھویں صدی ہجری کے لیل و نہار اس حالت میں گذر رہے ہیں کہ مسلمان

Marfat.com

سخت ابتلا و آزمائش میں ہیں۔ اور اسلام بدخواہوں اور مخالفین کے نرغہ میں گھرا ہوا ہے۔ لیکن حضرت قلندر صاحبؒ اور ان کے معاصرین کا دور جس کے کچھ اجمالی حالات پچھلے صفحات میں لکھے گئے ہیں۔ دین و ایمان کے لحاظ سے وہ بھی اسی طرح خطرات کے نرغہ میں تھا۔ اہل ایمان اس وقت بھی ابتلاء و آزمائش میں تھے۔

چھٹی صدی ہجری کے تقریباً وسط میں فتنۂ تاتار برپا ہو چکا تھا۔ جس میں دارالخلافہ بغداد تباہ کیا گیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ ۱۶ لاکھ مسلمان تہ تیغ کئے گئے اور جہاں تک اسلامی تہذیب سے عداوت کا تعلق ہے تو مساجد اور مدارس سے گذر کر لائبریریوں اور کتب خانوں تک کو برباد کیا گیا۔ علوم و فنون کی کتابیں دریائے دجلہ میں بہادی گئیں۔ یہاں تک کہ عرصہ تک دریائے دجلہ کا پانی سیاہ ہوتا رہا۔

بے شک۔ یہ اسلام کا اعجاز تھا کہ تھوڑے ہی دنوں بعد اس نے دشمنوں کو دوست بنا لیا اور جو اسلام کو مٹانے آئے تھے وہ خود اسلام کے لئے سینے لگے۔ مگر جہاں تک سیاست کا تعلق ہے اس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی یعنی وہی ملوکیت جو ٹنے والوں کے رگ و پے میں سرایت کر چکی تھی۔ اس کا سرطان ان نو مسلم فرمانرواؤں کے رگ و ریشہ کو بھی اسی طرح مسموم بنائے ہوئے تھا۔ تاج و تخت کے لئے برادر کشی، نسل کشی اور قتل و خون کی گرم بازاری اب بھی اسی طرح قائم رہی اور یہ اژدہا اب بھی اسی طرح خاندان شاہ کے جگر پاروں کو ڈستا رہا۔ وہ اولوالعزم صاحب حوصلہ علماء اور مشائخ جنھوں نے اپنے اخلاقی اور روحانی کمالات سے سرکش کافروں کو یہاں تک مسخر کیا تھا کہ وہ فاتح اسلام ہونے کے بجائے مفتوح اسلام بن گئے تھے۔ انھوں نے سیاست

Marfat.com

کی اس دہکتی ہوئی بھٹی کے قریب جانا پسند نہیں کیا۔ کیونکہ اس دور میں سیاست اور ملوکیت کچھ اس طرح جکڑ بند تھیں کہ ممکن نہیں تھا کہ سیاست کے بحرِ محیط میں غرق ہونے کے بعد کسی شخص کا دامن ملوکیت کی آلائش سے پاک رہ سکے۔ ان حامیانِ ملّت اور ہمدردانِ دین کے لئے سب سے زیادہ قلق اور صدمہ کی بات یہ تھی کہ ملوکیت کے یہ وحشیانہ مظاہرے جو لبسا اوقات اسلام کے نام پر ورنہ کم از کم ان کی طرف سے ہوتے تھے جن کی زبان پر حمایت اسلام کے دعوے اور جن کے خطابات میں اس مفہوم کے الفاظ شامل ہوتے تھے وہ کسی غیر مسلم کو اسلام کی طرف مائل تو کیا کرتے اسلام سے متنفر بناتے رہتے تھے۔ اسلام مذہب رحمت ہے وہ جبر و اکراہ برداشت نہیں کرتا۔ اس کی نظر میں زبانی اقرار کی کوئی اہمیّت نہیں، جب تک ضمیر کی آواز اس کی تائید نہ کرے اور تسلیم و رضا اسکی لپشت پر نہ ہو۔

وہ صرف یہی اعلان نہیں کرتا کہ دین اور دھرم کے بارے میں کسی زور زبردستی اور جبر و اکراہ کی قطعاً گنجائش نہیں (لا اکراہ فی الدین) بلکہ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ جو لوگ دھرم اور دین کے بارے میں جبر و اکراہ کو کام میں لائیں ان سے جنگ کرو یہاں تک کہ یہ فتنہ ختم ہو۔ اور لوگوں کے دلوں کو یہ آزادی نصیب ہو کہ وہ دین کو کسی غلبہ تسلط یا کسی اقتدار کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی آزادانہ مرضی کے ساتھ خالص اللہ کے لئے اختیار کرسکیں۔

وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔

(سورہ انفال)

(ترجمہ:- ان سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ نہ رہے فساد اور ہو جائے پورا دین اللہ کیلئے)

پس اس دور میں اگرچہ ایشیا اور افریقہ کے بڑے حصہ میں سیاسی اقتدار مسلمانوں کو حاصل رہا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ایمان و اسلام اب بھی نرغہ ہی میں تھا

Marfat.com

اور مومنین با اخلاص کے لئے یہ دور بھی ابتلاء و آزمائش کا دور تھا۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ آج یعنی چودھویں صدی ہجری میں ابتلاء آزمائش کے بیشتر اسباب خارجی ہیں اور اس دور میں یہ ابتلاء و آزمائش زیادہ تر ان کی وجہ سے تھا جو خود بھی حامیانِ اسلام اور ظل اللہ کہلاتے تھے۔

نشانِ راہ قرآن حکیم میں رب العالمین نے بڑی بختگی سے فرمایا ہے:۔

"والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا"

(جو لوگ ہماری راہ میں مجاہدے کرتے ہیں ہم ان کو اپنے راستوں کی ہدایت کرتے رہتے ہیں)

چنانچہ مجاہدۂ حق کے ولولۂ صادق نے علماء ربانی اور مشائخ حق پرست کی رہنمائی کی۔ اور انھوں نے وہ راستہ اختیار کیا جس کے نتیجہ میں اسلام کی کشتی ڈوبنے کے بجائے ساحلِ مراد تک پہونچتی رہی اور کامیاب ہوتی رہی۔

تبلیغ واشاعت کالائحہ عمل

مسلک عشق و محبت کا پرچار۔ استقامت کے ساتھ رواداری

اسلام، اپنی انسانیت نوازی اور رحم پروری کے باعث اس کی گنجائش رکھتا ہے کہ اس کو عشق و محبت کا مذہب قرار دیا جاسکے۔ ان مجاہدین فی سبیل اللہ اور کشتگان خنجر تسلیم نے اس گنجائش سے فائدہ اٹھایا اور عشق و محبت کو اپنا مذہب بنا دیا۔

ان کے فکر و عمل کی بنیاد دو باتوں پر تھی۔ اول یہ آیت کریمہ۔

الذین آمنوا اشد حبا للہ

اہل ایمان اللہ کی محبت (عشق مولیٰ) میں سب سے بڑھے ہوئے ہیں

دوم ۔ یہ حدیث مقدس :۔

الخلق عیال اللہ

(مخلوقِ خدا اللہ کا کنبہ ہے)

لائحہ عمل اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اس کی رضا جوئی اور اطاعت و فرماں برداری کے لئے وہی راستہ اختیار کیا جائے جس کو اس نے "صراط مستقیم" قرار دیا ہے۔ اور جس کو تمام محبان خدا کا راستہ بتایا ہے لیکن یہ صراط مستقیم تنگ و تاریک نہیں ہے۔ وہ کھلے ہوئے میدانوں سے گذرتا ہے۔ اس کی فضا پُر کیف اور خوشگوار ہے۔ وہ "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو۔" کی لائنوں پر ہموار کیا گیا ہے۔ اس کے بانی نے اعلان کر دیا ہے۔

لکل وجھۃ ھو مولیھا (سورہ بقرہ)

(ہر ایک کے لئے ایک طرف (ایک رخ) ہے کہ وہ منہ کرتا ہے اس طرف، تمہارا کام یہ ہے کہ نیک کاموں میں سبقت کرو۔ اور آگے بڑھو)

لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا ۔ (سورہ مائدہ)

(ہر ایک کے لئے مقرر کر دیا ہے۔ ہم نے ایک دستور اور مقرر کر دی ہے ایک راہ)

لکل امۃ جعلنا منسکا ھم ناسکوہ (سورہ حج)

(ہر ایک فرقہ کی ٹھہرادی ہم نے ایک راہ بندگی کی۔ کہ وہ اسی طرح کرتے ہیں بندگی)

بہر حال یہ تین بنیادیں تھیں۔ جن پر ان بندگان حق پرست کے فکر و عمل کی تعمیر ہوئی تھی یعنی (۱) اللہ سے محبت۔ اور عشق مولیٰ (۲) بندگان خدا سے محبت اور خلق خدا کی ہمدردی (۳) روا داری اور دوسری ملتوں کے لئے فراخی حوصلہ۔

اس کی مثال حضرت سلطان الاولیاء محبوب ربانی نظام الدین (بدایونی ثم الدہلوی) کا وہ مشہور واقعہ ہے کہ آپ نے ایک برہمن کو دیکھا کہ وہ بھی اس کی پوجا

کر رہا ہے۔ جس کی محبت میں سلطان الاولیاء کا دل پُرسوز ہے۔ تو غیض و غضب یا اشتعال کے بجائے آپ کی زبان مبارک پر برجستہ یہ مصرع موزوں ہو گیا۔

ہر قوم راست راہے
دینے و قبلہ گاہے

(ہر قوم کے لئے ایک راہ ہے، ایک دین ہے اور ایک قبلہ گاہ ہے)

قرآن حکیم کی آیت ولکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا۔ کی تفسیر اس سے بہتر اور کیا ہو سکتی ہے۔

بیشک عشق و محبت اور رواداری کے نام پر غلطیاں بھی ہوئیں۔ کسی نے عشق و محبت کے بہانے بے قیدی اور آوارگی کو قلندری قرار دے لیا۔ کسی نے رقص و سرود کا نام چشتیت رکھ لیا۔ کبھی رواداری کو مداہنت کی حد تک پہنچا دیا گیا۔ اور ایسا بھی ہوا کہ عشق و محبت کے دائرہ کو (معاذ اللہ) نفس پرستی کی سرحد سے ملا دیا گیا۔ مگر جس حقیقت کا انکار ممکن نہیں ہے وہ یہ ہے کہ وہ پیغام جو حضرت خاتم المرسلین، محبوب رب العالمین، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مبارکہ کا مقصد تھا۔ اس دور میں انھیں محبت کے متوالوں کے ذریعہ بندگانِ خدا تک پہونچا۔ اور وہ یقیناً ان لاکھوں مجروح دلوں کے لئے مرہم شفا بنا جو ملوکانہ اقتدار کی جبروتیت و قہاریت سے مجروح تھے۔

۱۹۴۷ء کی مثال ہمارے سامنے ہے وہ لاکھوں مسلمان جو تقسیم ہند اور تبادلہ آبادی کے قیامت خیز ہنگاموں کا تختۂ مشق بنے تھے وہ گاندھی جی کے فدائی اور جانثار بن گئے۔ کیونکہ گاندھی جی نے اپنی ہمدردیوں اور میٹھے بول سے ان کے زخمی دلوں پر اطمینان کا مرہم رکھا تھا۔

یہ جو آپ دیکھتے ہیں کہ فریدالدین عطار (متوفی ۶۲۷ھ) شمس تبریز (م ۶۴۵ھ)

Marfat.com

مولانا روم (م ۶۷۲ھ) امیر خسرو (م ۷۲۵ھ) خواجہ اجمیری (م ۶۳۳ھ) خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۳ھ) فریدالدین گنج شکر (م ۶۶۴ھ) مولانا حمیدالدین صوفی (م ۶۷۳ھ) حسام الدین بدایونی (م ۶۸۷ھ) علاؤ الدین صابر کلیری (م ۶۹۰ھ) نظام الملۃ والدین بدایونی ثم الدہلوی (م ۷۲۵ھ) جیسے بزرگ جتنے بھی ہیں۔ وہ مے کدہ عشق و محبت کے ساقی بنے ہوئے ہیں۔ تو یقین جانئے "یہ بے خودی بے سبب نہیں غالب" یعنی محض جذبات اور بے مغز ہاؤ ہو نہیں ہے۔ بلکہ ایک مقصد ہے اور ایک پروگرام ہے جس پر نہایت پختگی اور ہوشمندی سے عمل ہو رہا ہے۔" دیوانہ بکار خویشتن ہوشیار۔"

حضرت قلندر صاحب اور مسلکِ عشق

یہ تو حدیث دیگراں تھی۔ اب خود قلندر صاحب کی سنیئے یہ کس طرح عشق کو جوہر حیات اور دین و دنیا کی متاعِ بے بہا قرار دیتے ہیں۔ اور کس طرح ان کی تمنا ہے کہ سوزِ عشق دم بدم بڑھتا رہے اور پروانہ کی طرح تن من نذر سوز ہوتا رہے۔

ارشاد ہے :۔

ہر دمے کز عشق جانے یافتہ	جس دل نے عشق سے زندگی حاصل کر لی۔
تا ابد روح روانے یافتہ	اس نے ابد تک روح رواں حاصل کر لی
بر دل ہر کس کہ نورِ عشق تافتہ	جس شخص کے دل پر عشق کا نور درخشاں ہوتا ہے
خویش را با جان جاناں زندہ یافت	وہ اپنے آپکو جان جاناں (معشوق حقیقی) کیساتھ زندہ پاتا ہے۔
دل کہ بر دلبر رسد از سازِ عشق	دل تو وہی ہے جو عشق کی ساز سے دلبر تک پہنچ جائے
جان کہ بر جاناں دہد آواز عشق	جان وہی ہے جو جاناں کو عشق کا پیغام دے

Marfat.com

دلربا بر دلبرے عشقت دہد — دل رُبا معشوق، تمہارے اندر دلبر کا عشق پیدا کرتا ہے

عشق کو تا جامہ ہستی درد ہد — وہ عشق جو جامۂ ہستی کو چاک کر ڈالتا ہے۔

عشق کو بے بال و پر طیراں کند — عشق۔ وہ عشق جو بال و پر کے بغیر پرواز کرتا ہے۔

عشق کو در لامکاں جولاں کند — وہ عشق جو لامکان میں جولانی کرتا ہے۔

عشق کو تا تاج سلطانی نہد — ہاں عشق کی ضرورت ہے تاکہ تمہیں بادشاہت کا تاج میسر آجائے۔

عشق کو ملک سلیمانی نہد — ہاں وہ عشق جو حضرت سلیمانؑ کی وسیع ترین مملکت بخش دیتا ہے

عشق کو تا چشم دل بینا کند — وہ عشق درکار ہے جو دل کی آنکھ کو بینا بنادے۔

عشق کو تا سینہ پُر سودا کند — ہاں عشق کی ضرورت ہے تاکہ سینہ سودا سے لبریز ہو جائے

عشق کو تا عقل را زائل کند — ہاں وہ عشق چاہیئے جسکے آتے ہی عقل زائل ہو جاتی ہے

عشق کو تا عقل را حاصل کند — ہاں عشق کی ضرورت ہے تاکہ عقل اور سمجھ میسر آجائے۔

عشق ایک لازوال دولت ہے کیونکہ وہ حسن لازوال کا پرتو ہے جب تک اصل باقی ہے یہ پرتو بھی باقی ہے۔

(یاد رہے اصحاب عشق و عرفان کی عقل کو عقل نہیں سمجھتے اور ارباب ظاہر کی عقل عشق کو دیوانگی قرار دیتی ہے)

ہیچ می دانی کہ اصل عشق چیست — تمہیں کچھ خبر ہے۔ عشق کی اصل بنیاد کیا ہے

عشق را از حسن جاناں زندگی ست — عشق کی اصل بنیاد حسنِ جانان ہے اسی سے اسکی زندگی ہے

حسنِ جاناں چو نظر در خویش کرد — حسن جانان نے جب خود اپنے اوپر نظر کی۔

گشت شیدا عشق را در پیش کرد — تو وہ خود شیدا اور مفتون ہو گیا۔ اور عشق کا عنوان سامنے کر دیا

کشتگانِ عشق را جانِ دگر — بس جبکہ عشق خود حسن اور حسن خود عشق ہے تو جو عشق کے شہید ہیں انھیں ایک

ہر زماں از غیب احسانِ دگر — ہر زماں اور ایک نئی خوبی ہر وقت میسر آتی رہتی ہے۔

لہٰذا فراست وبصیرت کی بات یہ ہے کہ:۔

ار توانی اے دلا در عشق کوش — اے دل۔ اگر طاقت اور امکان ہے تو عشق کیلئے کوشش کرتا رہ

ایں حکایت را ز عاشق دار گوش — اور عاشق کی طرف یہ بات کان میں ڈالے رکھو۔ کہ

Marfat.com

اے خنک جانے کہ خود را باختہ — وہ جان کس قدر اچھی اور مبارک ہے جس نے خود اپنی بازی لگا دی

سوختہ خود را د باحق ساختہ — اپنے آپ کو مبتلائے سوز کیا اور حق کے ساتھ ساز کر لیا۔

ہمت پروانہ بیں اے بے خبر — پروانہ کے حوصلہ کو دیکھ۔ اے نادان

سوز چوں پروانہ تا یابی خبر — بس تم بھی پروانہ کی طرح بھسم ہو جاؤ تب تم کو محبوب کا پتہ لگیگا

در محبت تا نسوزی بال و پر — جب تک محبت میں اپنے بال و پر نہ جلا ڈالو گے۔

کے شوی ہمرنگ آتش سربسر — سر سے پاؤں تک آگ کے ہمرنگ کس طرح ہو سکتے ہو۔

مثنوی کا تقریباً ایک نہائی حصہ اسی قسم کے اشعار سے رنگین ہے۔ اس کے علاوہ اسی مضمون کی بہت سی غزلیں آپ کے دیوان میں ہیں۔ جو حضرت قلندر صاحب کے مسلکِ عشق کی ترجمانی کر رہی ہیں۔ مسلکِ عشق کا عکس خلقِ خدا پر لطف و رحم اور ہمدردی و غمخواری کی صورت میں نمودار ہوتا تھا۔ یہی قلندری کا جوہر ہوتا تھا۔ اور تبلیغ و اشاعت کے سلسلہ میں یہ حضرات اسی جوہر سے کام لیتے تھے۔

ایک سوال — اور — جواب

مسلک عشق کی دعوت دیتے ہوئے قلندر صاحب نے عشق کی جو خوبیاں بیان کی ہیں۔ اُن کا نچوڑ یہ دو شعر ہیں۔

ہمت پروانہ بیں اے بے خبر
سوز چوں پروانہ تا یابی خبر
در محبت تا نسوزی بال و پر
کے شوی ہم رنگ آتش سربسر

ترجمہ:۔ اے بے خبر پروانہ کی ہمت دیکھ اگر تم باخبر ہونا چاہتے ہو تو پروانہ کی طرح جل جاؤ۔ محبت میں جب تک اپنے بال اور پر نہیں جلا لوگے۔ تو

Marfat.com

پوری طرح آگ کے ہم رنگ کب ہو سکو گے۔"

ہم رنگی کیا ہے؟

یہ شعر جس طرح وجد آفریں اور کیف آور ہیں وہ ایک سوال کی تلقین بھی کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ایک پاک باطن جو اللہ تعالیٰ سے عشق و محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ وہ اگر اسی سوز و گداز میں پروانہ کی طرح بال و پر جلا کر ہم رنگ محبوب ہو جائے تو وہ ہم رنگی کیا ہوگی۔ آیا اللہ تعالیٰ کی طرح معبود و مسجود ہو جائے گا۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ احکام شریعت سے بلند و بالاتر ہے۔ نماز و روزہ وغیرہ کے احکام اس پر نافذ نہیں ہوتے یہ بھی شرعی تکلیفات سے آزاد ہو جائے گا۔ اور معاذ اللہ "انا الحق" جیسا دعویٰ اس کے لئے درست ہو گا۔؟

اس میں شک نہیں کہ ہوا پرستوں اور ملحدوں نے ہم رنگی کے یہی معنی لئے ہیں۔ اور اسی کو وہ شانِ قلندری سمجھتے ہیں۔ چنانچہ خود حضرت قلندر صاحب کے ان سوانح نگاروں نے جو ہفوات اور خرافات کو سوانح قرار دیتے ہیں۔ ان میں یہ قابلیت تو نہیں ہے کہ فلسفی اور منطقی طور پر کوئی بات سمجھ سکیں یا سمجھا سکیں۔ مگر جو بے سر و پا، لغو باتیں وہ نقل کرتے ہیں۔ غور کیا جائے تو ان کی بنیاد یہی تصور باطل ہوتا ہے۔

چنانچہ حکمت نامہ یا حکمنانہ جو قلندر صاحب کی طرف منسوب ہے۔ جس کو حضرت مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ نے "از اختراعات عوام" قرار دیا ہے اس میں تحریر ہے کہ:۔

"محرم الحرام کی بیسویں تھی کہ موذنوں نے صبح کی اذان دی۔ نماز کی تیاری ہونے لگی۔ مولانا سراج الدین صاحب رکوعی نے اس فقیر سے (قلندر صاحب سے) کہا۔ سنتوں کا وقت ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ ہاں تکبیر پڑھوایئے تاکہ

Marfat.com

نرض ادا کر لوں۔ جب فرض پڑھ چکے تو جتنے درویش اور علماء وہاں موجود تھے وہ سب اس درویش کے پاس آئے۔ اور عرض کیا۔

حضرت مخدوم! ایک بات نہایت ادب سے عرض کرنی ہے۔ جناب نے نماز صبح کی سنتیں کیوں نہیں پڑھیں۔؟

اس درویش (قلندر صاحب) نے جواب دیا۔

" فرمان خواجہ کائنات سرور موجودات، رحمتِ عالمیان وصفوت آدمیان، دتمہ دور زمان، احمد مجتبےٰ ومحمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم برایں درویش ہم چنیں سرت کہ اے شرف سنت خود بتو بخشیدم۔"

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی اس احقر کے لئے یہی ہے کہ اے شرف اپنی سنت میں نے تم کو بخش دیں۔

اس کے بعد چالیس سال تک صرف فرض پڑھتا رہا کہ حضرت ذوالجلال کا فرمان اس درویش کو پہنچا کہ۔

" اے درویش تو ازاں مائی ومن ازاں تو۔ فریضہ خود بتو بخشیدم۔"

" یعنی اے درویش جبکہ تو میں ہے اور میں تو ہوں۔ لہذا میں نے اپنا فرض تجھ کو بخشید یا۔"

میں نے جیسے ہی یہ فرمان خداوندی سنا سر زمین پر رکھا اور اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کیا۔ پھر تمام درویش اور علماء جیسے " میر سید علی متقی " اور ان جیسے علماء رحمہم اللہ۔ ان حضرات نے اعتراضات کئے میں نے جوابات دیئے۔

اس کے بعد حکمنامہ میں ہے کہ قلندر صاحب نے یہ بھی فرمایا۔ کہ " میرا درجہ علم وفضل میں اتنا بلند تھا کہ کسی کو میرے سامنے دم مارنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔"

(حکمنامہ)

نماز کی معافی کوئی معمولی بات نہیں، جس کو شرف المناقب نظرانداز کر دیتے لہٰذا آپ نے بھی اس منقبت کو ذکر فرمایا ہے۔ مگر اس کی نوعیت دوسری ہے۔ مولانا ضیاء الدین سیاحی عرف علی مفتی یا میر سید علی مفتی " کا واقعہ مونچھوں کے تراشنے کے بارے میں پہلے گذر چکا ہے اسی افسانہ کا ایک ٹکڑا یہ بھی ہے کہ مفتی نے آنحضرت (قلندر صاحب) کو نماز کی ہدایت اور تاکید کی "

حضرت قلندر صاحب نے فرمایا: " نماز بارگاہِ الٰہی سے معاف ہو چکی ہے "

مفتی نے کہا: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز معاف نہیں ہوئی۔ تم سے کس طرح معاف ہو گی۔؟

قلندر صاحب :۔ میں خود اپنے اختیار میں نہیں ہوں۔ مست الست ہوں دکھاوے کی نماز میں نہیں جانتا۔ نماز دوسرے کا حق ہے۔

مفتی نے کہا:۔ اس معاملہ میں حیلہ نہیں چل سکتا۔

مفتی صاحب کا یہ جواب سن کر حضرت قلندر صاحب کو جوش آگیا۔ فرمایا مفتی صاحب اُٹھیے کمر بند سنبھالیے اور فقیر کے اس کمر بند سے کمر مضبوط باندھ دیجیے۔ اگر کمر بندھی رہے تو مجھ پر فرمانِ شریعت نافذ کیجیے۔ اور بندھی نہ رہے تو مجھے معاف قرار دیجیے۔

مفتی صاحب اُٹھے اُنھوں نے کمر بند کسنا چاہا۔ مگر جب بھی وہ کمر بند کسنا چاہتے تھے۔ کمر بند مفتی صاحب کے ہاتھ میں رہ جاتا تھا۔ اور قلندر صاحب اسی طرح " آزاد از کمر بند ایستادہ ماند " (کمر بند سے آزاد کھڑے رہتے تھے) آخر کار مفتی صاحب شرمندہ ہوئے۔ پھر بہت کچھ رد و بدل کے بعد حضرت قلندر صاحب " شانِ جمالی " میں آئے تو آپ نے فرمایا: مفتی ضیاء الدین صاحب میں عاشق ہوں۔ اور اپنے عشق میں مبتلا ہوں۔ آپ

Marfat.com

اُٹھئے فرض ادا کیجئے میں بھی فرضوں میں شامل ہو جاؤں گا۔ چنانچہ تکبیر پڑھی گئی مفتی صاحب امام بنے۔ نماز پڑھنی شروع کی۔ جب حضرت مفتی صاحب نے قرات پڑھنی شروع کی تو قلندر صاحب بھی نماز میں شامل ہو گئے۔ مگر فو ر اً استغراقی کیفیت طاری ہو گئی۔ امام صاحب نے رکوع سجدہ وغیرہ سب کچھ کیا۔ تمام رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا۔ مگر قلندر صاحب اسی طرح سر جھکائے کھڑے رہے۔ جب مفتی صاحب نماز سے فارغ ہوئے دیکھا کہ قلندر صاحب اسی طرح سر جھکائے کھڑے ہیں۔

مفتی صاحب نے عرض کیا "حضرت کیسے کھڑے ہیں" قلندر صاحب نے سر اٹھایا اور فرمایا۔ میاں مفتی ضیاء الدین۔

انکن کھاتی گرڈ دھادے

یہ نماز سُنر فا نہیں بھاوے

حاضرین نے قلندر صاحب سے عرض کیا۔ کہ حضرت کا ارشاد سمجھ میں نہیں آیا۔ قلندر صاحب نے فرمایا۔

"لاصلوٰۃ الا بحضور القلب" (جبتک دل حاضر نہ ہو نماز نہیں ہوتی)

حاضرین نے عرض کیا کہ بات اب بھی سمجھ میں نہیں آئی۔ کچھ وضاحت فرمایئے۔

حضرت قلندر صاحب :۔ بات یہ ہے کہ مفتی صاحب کے یہاں گھوڑی کے بچہ ہوا ہے۔ مفتی صاحب کے مکان میں ایک کھاتی بھی ہے (یعنی چاہِ گندم جس میں گندم حفاظت کے لئے بھر دیئے جاتے ہیں) مفتی صاحب نماز پڑھ رہے تھے دوران کا دل ان کے مکان پر تھا کہ بچھیرا (گھوڑی کا بچہ) کھاتی میں نہ گر جائے۔

پھر قلندر صاحب نے فرمایا:۔

"عاشقم گاہے در جوش و خروش و گاہے بندہ شوم جز عشق ہیچ ندانم"۔

Marfat.com

(میں عاشق ہوں۔ کبھی جوش و خروش میں رہتا ہوں اور کبھی بندۂ نیاز مند
بن جاتا ہوں۔ عشق کے سوا میں کچھ نہیں جانتا)

آں عاشقِ الٰہی یعنی قلندر صاحب کی یہ حالت دیکھ کر مفتی صاحب
شرمندہ ہوئے۔

بہر حال صاحبِ شرف المناقب کی نظر اس گہرائی تک نہیں پہونچی۔ آپ نے
صرف ایک قصہ نقل کر دیا۔ البتہ مکالمہ کی عبارت میں اس نظریہ کو پیش کر دیا ہے۔
جو بے دین مصنوعی قلندروں کا نظریہ بن جاتا ہے۔ یعنی یہ دعویٰ کہ ہمارا تعلق اللہ تعالیٰ
سے یہ ہے کہ "من تو شدم تو من شدی"

معاذ اللہ جب تصور یا دعویٰ یہ ہو کہ "اللہ بندہ بن گیا اور بندہ اللہ" تو عبادت
کس کی اور سجدہ کس کو۔ (معاذ اللہ)

صاحب مکالمہ نے ہم رنگی کا مطلب یہی لیا۔ مگر ان کج فہم مصنوعی قلندروں
نے یہ نہیں خیال کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سنتیں معاف کرنے کا حق کہاں
سے ملا۔ کیا سنتوں کے وقت معبود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مانا جاتا ہے۔ کیا
کسی کبھی نمازی کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ فرض نماز کا سجدہ تو اللہ کو کیا جاتا
ہے اور سنتوں کا سجدہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوتا ہے۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی معبود و مسجود ہوں اور سنتوں کا رکوع سجدہ
محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جاتا ہو تب تو یہ ہو سکتا ہے کہ معبود نے اپنا
حق معاف کر دیا۔

لیکن جب مسجود و معبود ہر نماز میں اللہ ہی ہے اور سنت اور فرض کا فرق
صرف یہ ہے کہ فرض کی فرضیت دلیل قطعی سے ثابت ہے۔ اس پر عمل کرنا فرض، ترک
کرنا گناہ کبیرہ اور اس سے انکار کرنا کفر ہے اور سنتوں کا ثبوت اس درجہ قطعی نہیں

ہوتا۔ اسی بنا پر ان کے ایک دو مرتبہ ترک سے گناہ کبیرہ نہیں ہوتا۔

اگر کوئی انکار کر بیٹھے تو اس پر کفر کا فتویٰ بھی نافذ نہیں کیا جاتا۔ بالفاظ دیگر فرق یہ ہے کہ فرض کی اہمیت زیادہ ہے۔ اس کا انکار کر دینا کفر ہے۔ یہ اہمیت سنتوں کو حاصل نہیں ہے۔ اصل نماز یا اصل روزہ وہ ہے جو فرض ہے۔ اور مسنون نماز یا مسنون و مستحب روزہ اس کے لئے تکملہ اور تتمہ ہیں۔ باقی معبود دونوں میں ایک ہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ۔ تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا مجال کہ وہ سنتیں کسی کو بخشدیں۔

باقی عام طور پر نیت کے وقت جو کہا جاتا ہے "سنت رسول اللہ کی"۔ تو اوّل تو یہ بھی عوام کی بات ہے محقق علماء زبان سے نیت کرنے کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتے۔ کیونکہ نیت دل کے ارادہ کو کہتے ہیں۔ لہٰذا نیت کے وقت دل کا حاضر ہونا اور توجہ کا جم جانا ضروری ہے۔ زبان سے ادا کرنا ضروری بھی نہیں۔ اگر زبان سے الفاظ ادا کر دیئے اور دل اور باتوں میں مشغول رہا۔ اس کو نماز کا خیال بھی نہیں آیا تو نہ وہ نیت درست ہوگی۔ اور نہ وہ نماز قابل التفات ہوگی۔

علاوہ ازیں مطلب یہ ہوتا ہے کہ جس اہمیت کے ساتھ من جانب اللہ فرضوں کا حکم ہے وہ اہمیت اس کو حاصل نہیں جو سنت ہے۔ یہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کیا ہوا طریقہ ہے جس کو آپ نے اس لئے کیا تاکہ فرضوں کے روئے زیبا میں چمک دمک زیادہ ہو جائے۔ اور اگر کچھ خامی تھی تو اس کی تلافی ہو جائے۔

بہر حال یہ تصور کہ سنت نماز کے معبود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔ یہ تو ایک عامی کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ چہ جائیکہ شرف الدین بوعلی شاہ جیسا عالم و فاضل جس کے سامنے زمانہ کے علماء اور فضلاء کو دم مارنے

Marfat.com

کی ہمت و جرأت نہ ہوتی تھی۔ ایسا غلط خیال قائم کرے اور اس کو ضبط تحریر میں لائے۔

پھر یہ بھی قابلِ لحاظ ہے کہ اولیاء اللہ کے کشف کی حیثیت یہ ہرگز نہیں کہ وہ اس فرض کو ساقط کر دے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کی وحی نے لازم کیا ہے۔ یہ تو اصولی بحث ہے جس کا یہ موقع نہیں۔ یہاں تو قابل توجہ یہ ہے۔ کہ اگر ان واقعات کو کچھ بھی اہمیت دی جاتی ہے تو خود ان میں تضاد موجود ہے۔

سوانح نگاروں کے بیان میں تعارض اور تضاد

ایک طرف یہ عذر کہ میں "مست الست ہوں میں اپنے اختیار میں نہیں۔ پھر یہ دعویٰ کہ خدا نے فرض معاف کئے تو میں نے سجدۂ شکرادا کیا ——— اگر یہ صحیح ہے کہ معافی باضابطہ ہوئی ہے تو مستی کے عذر کے کیا معنی؟

ہاں اس سلسلہ میں اگر کوئی بات صحیح ہے تو وہ صرف وہ واقعہ جس کو صاحب "شرف المناقب" نے خاتمہ کتاب کے قریب بیان کیا ہے۔ اور تعجب ہے مصنف کو یہ احساس نہیں ہوا کہ یہ واقعہ "میر سید علی مفتی" کے واقعہ کی تردید کرتا ہے۔

مصنف شرف المناقب تحریر فرماتے ہیں:۔

نقل ہے کہ عاشق الٰہی (حضرت قلندر صاحب) "شمس الدین ایبک بادشاہ دہلی" کے عہد میں (زمانۂ حکومت میں) سیر کرتے ہوئے اپنے والدین کی زیارت کے لئے پانی پت تشریف لے آئے۔ والدین کی زیارت سے مشرف ہونے کے بعد کچھ دنوں مشغول بخدا رہے اور ایسے مستغرق ہو گئے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی افاقہ نہیں ہوتا تھا (ہوش میں نہیں آتے تھے) پانی پت کے بہت سے لوگ جو قلندر صاحب کی اس استغراقی کیفیت سے واقف نہیں تھے۔ آپ کے پاس

Marfat.com

آکر سوالات کرتے تھے کہ آپ نماز کیوں نہیں پڑھتے۔ قلندر صاحب جواب دیتے تھے کہ ہم اپنے اختیار میں نہیں ہیں۔ بالآخر ان ظاہر بینوں نے ایک محضر نامہ تیار کیا کہ یہ شخص خلاف شرع ہے، نماز بھی نہیں پڑھتا، اس کو سزا ملنی چاہیئے کہ دوسرے اس طرح کی حرکت نہ کریں اور شرع شریف کے خلاف قدم نہ رکھیں۔ القصہ اس محضر نامہ پر اس زمانہ کے قاضی اور مفتی وغیرہ اور جملہ اکابر و مشاہیر کے دستخط اور مہریں ہوگئیں۔ آخر میں کسی وجہ سے یہ محضر نامہ خواجہ نصیر الدین اور خواجہ مسعود کے سامنے آیا۔ یہ دونوں بھائی بھائی تھے۔ ان کے والد ماجد کا اسم گرامی خواجہ ملک علی انصاری تھا۔ ابن خواجہ ترک علی بن مسعود ثانی بن شیخ خواجہ عمر بن خواجہ ابراہیم بن شیخ عثمان بن ابو طاہر بن احنف بن النفع بن نافع بن محمود شاہ بن مسعود بن شیخ عبداللہ انصاری۔

یہ دونوں (خواجہ نصیر الدین اور خواجہ مسعود) ابھی طالب علم تھے قصبہ بابل سے آکر پانی پت کی ایک مسجد میں مقیم تھے۔ انھوں نے محضر نامہ دیکھا تو اس کو چاک کر ڈالا۔

ظاہر سے محضر نامہ مرتب کرنے والے اس حرکت سے بہت مشتعل ہوئے انھوں نے ان دونوں کے برخلاف "قاضی" کے یہاں دعویٰ دائر کر دیا۔ قاضی صاحب کے یہاں یہ دونوں بھائی پیش ہوئے۔ تو قاضی صاحب نے اس حرکت کا سبب دریافت کیا۔ ان دونوں نے کہا۔

"ایں درویش قلندر بوعلی مست و مجذوب مست۔ احکام شرع شریف برایں چنیں کس جاری نیست۔"

(یہ درویش، یعنی قلندر بوعلی مست اور مجذوب ہیں۔ ایسے مجذوبوں پر شرع شریف کے احکام جاری نہیں ہوتے۔)

Marfat.com

القصہ بہت کچھ گفتگو کے بعد یہ قصہ رفع دفع ہوا، اور یہ دونوں بھائی اپنی مسجد میں گئے۔ ایک روز حضرت قلندر صاحب اس مسجد کی طرف تشریف لے آئے۔ یہ دونوں بھائی قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انکی قدم بوسی کی اور مسجد میں لے آئے۔ جو ماحضر تھا وہ پیش کیا۔ حضرت قلندر صاحب نے اس وقت خوش ہوکر ان کے لئے دعا فرمائی اور بشارت دی۔ کہ:-

"شما بخاطر جمع ایں جا در پانی پت باشید"

(تم دل جمعی اور اطمینان سے اس جگہ یعنی پانی پت میں رہوگے)

غرض حضرت قلندر صاحب کی دعا کی برکت ہے۔ کہ ان دونوں بزرگوں کی (جو اس وقت طالب علم تھے) اولاد (انصاری خاندان) آج تک پانی پت میں آباد ہے اور ترقی کر رہا ہے۔ اور ان کے بعض بزرگ جیسے شیخ امان اور شیخ حسین وغیرہ بہت زیادہ صاحب تاثیر اور صاحب کرامات درویش ہوئے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (انتہی شرف المناقب)

شرف المناقب کی اس روایت میں یہ غلطی تو ضرور ہے کہ اس کو شمس الدین ایبک کے زمانہ کا واقعہ بیان کیا ہے۔ حالانکہ وہ ۶۳۵ھ میں قلندر صاحب کے دہلی جانے سے بھی پہلے وفات پا چکا تھا۔ اس کے علاوہ باقی مضمون اصول روایت کے لحاظ سے بھی درست معلوم ہوتا ہے اور درایت کے لحاظ سے بھی صحیح ہے۔ کیونکہ متعدد ذرائع سے یہ ثابت ہے کہ حضرت قلندر صاحب نے حضرات انصار کے مورث اعلیٰ کو جو پانی پت میں اقامت گزیں ہوئے تھے۔ دعا دی تھی۔ اور اس خاندان کی بقا و ترقی اس دعا کی برکت ہے۔ مثلاً عبدالسلام صاحب چشتی صابری پانی پتی کا ایک قلمی رسالہ ہمارے سامنے ہے۔ یہ رسالہ تیرھویں صدی کے آخری ربع ۱۲۸۰ھ میں مصنف نے تحریر کیا تھا۔ اور حضرت مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی کے

Marfat.com

خاندانی مخطوطات میں محفوظ تھا۔ یہ رسالہ اُردو میں ہے اور اس میں چند سوالات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔ ساتویں سوال کے جواب کے آخر میں تحریر ہے۔ واضح ہو کہ زاں جناب حضرت خواجہ شرف الدین میں خواجہ ملک علی انصاری بہت ذی علم اور ذی فضل (اولاد میں (۹) خواجہ عبداللہ انصار کے مع پسران خواجہ نصیر و خواجہ مسعود) وارد پانی پت ہوئے ہمیشہ درس و تدریس گرم رکھتے تھے۔ ان کو ساتھ حضرت شرف الدین کے ایک طرح کی عقیدت ہوگئی۔ حضرت نے فرمایا تم سکونت اس دیار میں اختیار کرو۔ اور عصا دستی اپنا عطا کیا۔ اور اولاد در نسل کی افزائی کی دعا دی۔ پس وہ بزرگ بطوع و رغبت سکونت پذیر پانی پت ہوئے۔ اولاد ان کی انصار ماشاء اللہ تا حال قائم و برقرار ہے۔

اسی طرح مولانا قاری عبدالحلیم صاحب انصاری نے "تذکرہ رحمانیہ" میں انھیں خواجہ ملک علی کے متعلق تحریر فرمایا ہے:۔

"پانی پتی انصاریوں کے جدِ اعلیٰ خواجہ ملک علی رحمۃ اللہ علیہ کے صاحبزادوں (خواجہ نصیرالدین و خواجہ مسعود) کی شادی حضرت خواجہ قطب الدین بوعلی قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مخدوم صاحب (شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) کی صاحبزادیوں سے کرا کر یہ دعا دی تھی کہ تمھاری اولاد قیامت تک یہاں بسے گی۔ اور بڑے بڑے علماء اور ذی وقار لوگ تمھاری نسل میں پیدا ہوں گے۔ (تذکرۃ الصالحین عرف تذکرہ رحمانیہ ص۱۱ و ص۱۲)

بہرحال تحریری وثیقوں اور خاندانی روایات سے یہ بات تواتر کے درجہ میں ثابت ہے۔ کہ حضرات انصار کے مورث اعلیٰ جو پانی پت میں فروکش ہوئے تھے۔ ان کو حضرت قلندر صاحب نے دعا دی تھی۔ اور اس دعا کی وجہ بھی تقریباً مُسلّم ہے یعنی مورث اعلیٰ کی مخلصانہ عقیدت و محبت حضرت قلندر صاحب سے۔

Marfat.com

اس مخلصانہ عقیدت کا ایک مظاہرہ یہ تھا کہ خواجہ نصیر اور خواجہ مسعود نے اس محضرنامہ کو چاک کر دیا۔ پھر جب حضرت قلندر صاحب ان کی مسجد میں اتفاقیہ پہونچ گئے۔ تو ان صاحبزادوں نے قلندر صاحب کی بہت زیادہ مدارات کی وغیرہ۔

بہرحال اس روایت کے بموجب سکر دائم اور استغراق مسلسل اور جذب مستقل وہ عارضہ تھا جس نے اس آخری دور میں حضرت قلندر صاحب کو مرفوع القلم کر دیا تھا۔

عبدالسلام صاحب چشتی صابری کا تذکرہ پہلے گذر چکا ہے۔ ان کا سادہ بیان حضرت قلندر صاحب کے متعلق خود ان کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"بیچ اوائل عمر حضرت نے جملہ علوم و فنون بکمال حاصل کئے اور بروایت اقتباس الانوار۔ مدت تیس سال تک بپایہ مینار مسجد قوۃ الاسلام بیچ درس و تدریس و افادۂ خلائق کے مشغول رہے اور طریقہ مجاہدہ و ریاضت سلوک فرماتے رہے۔ آخرکار حضرت پر عالم جذب طاری ہوگیا۔ بہرحال باقی عمر بیچ جذب کے گذاری۔"

کیا یہ جذب مقصود ہے؟

یہاں سوانح نگاروں کی ایک کمزوری ظاہر ہوتی ہے کہ وہ اپنے ممدوح کی شان کو بلند کرنے کے لئے احکامِ شریعت میں توڑ مروڑ شروع کر دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کو گوارا نہیں کرتے کہ ان کے ممدوح کو مرفوع القلم قرار دیا جائے۔ اس کے برخلاف وہ اس کے لئے آمادہ ہو جاتے ہیں کہ ان کے حق میں احکامِ شریعت کو منسوخ قرار دیا جائے۔ ایک دوسری غلطی اس سے یہ پیدا ہوتی ہے کہ اس جذب و استغراق کو مقصود سمجھا جانے لگتا ہے۔ حالانکہ یہ ایک عارضہ ہے مقصود نہیں ہے۔

چنانچہ یہی صاحب شرف المناقب جو اس استغراق اور مدہوشی کو حضرت

Marfat.com

قلندر صاحب کے مناقب میں شمار کراتے ہوئے مولانا مفتی ضیاء الدین صاحب عرف "میر سید علی مفتی" کا مذاق بنا رہے ہیں۔ شرف المناقب کے شروع میں تحریر فرماتے ہیں۔

" قطب الاخیار مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ درکتاب نفحات آوردہ کہ اہل وصول بعد از انبیاء علیہم السلام دو طائفہ اند۔ اول صوفیہ کہ بواسطہ متابعت خلاصہ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام رتبہ وصول یافتہ اند وبعدہٗ در رجوع برائے دعوت خلق بطریق متابعت مامور شدہ وایں طائفہ کاملاں مکمل اند کہ فیض الہٰی ایشاں رابعد استغراق در عین جمیع وجہ توحید۔ از شکم ماہی فنا بساحل بقا خلوص ارزانی فرمود تا خلق را بہ نجات دلالت کنند۔

دوئم طائفہ آں جماعت اند کہ بعد از وصول بدرجۂ کمال غرق بحر جمع گشتند واز شکم ماہی فنا چناں ناچیز مستہلک شدند کہ ایشاں راہرگز خبر واثر بساحل تفرقہ بقا نرسیدہ حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر عاشق الہٰی از طائفہ ثانیہ بودند۔"

ترجمہ:۔ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نے مشہور تصنیف "نفحات" میں تحریر فرمایا ہے۔ کہ انبیاء علیہم السلام کو مستثنیٰ کرکے باقی اہلِ وصول اور خدا رسیدہ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اول صوفیائے کرام، جو خلاصۂ کائنات فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے نقشِ قدم پر چل کر رتبہ وصول (درجۂ خدا رسی) حاصل کرتے ہیں۔ اس کے بعد مناسب صورت سے خلقِ خدا کی اصلاح اور تبلیغ کی طرف رجوع کرنے کا ان کو حکم ہوتا ہے۔ یہ حضرات دعوت وارشاد میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ یہ کامل ومکمل اولیاء اللہ ہوتے ہیں کہ فیض الہٰی ان کو سرچشمۂ جمیع اور گرداب توحید میں غرق کرنے کے بعد ماہی فنا کے شکم سے نکال کر ساحلِ بقا پر پہونچاتا ہے۔ تاکہ خلق خدا کو نجات کے راستے بتائیں۔

دوسری وہ جماعت ہے کہ درجۂ کمال پر پہونچنے کے بعد دریا رجمع میں غرق

Marfat.com

ہو جاتے ہیں۔ اور راہی فنا کے شکم میں ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ تفرقہ بقا، کے ساحل کی انھیں کوئی خبر نہیں رہتی۔ حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر عاشق الٰہی اسی دوسری جماعت میں ہیں۔"

ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ مبرعلی مفتی صرف ایک دنیادار عالم تھے۔ یا خدارسیدہ بزرگ اور سلسلۂ طریقت کے سالک تھے۔ ہمارا منشا یہ ہے کہ جذب و استغراق دائم ایک عذر تو ہو سکتا ہے مقصود نہیں ہونا اور سوانح نگاروں کی یہ غلطی ہے کہ اس کو ایسے انداز سے بیان کرتے ہیں کہ گویا وہ مقصود ہے۔ اور یہ نہیں خیال فرماتے کہ احکامِ شریعت کو کسی شخص کے حق میں منسوخ اور مرفوع قرار دینے کے مقابلہ میں یہ بات بہت آسان ہے کہ اس شخص کو مرفوع القلم کہا جائے۔ تاہم ان کی یہ غلطی غیر شعوری ہے جو اس بزرگ کی فرطِ محبت اور عقیدت میں سرزد ہوتی ہے جس کی وہ سوانح لکھ رہے ہیں۔ اور اس سے زیادہ گمراہ کن اور متمردانہ و باغیانہ غلطی ان کی ہے جو ایک طرف قلندری کے بہانہ کفر والحاد اور معاذاللہ شانِ خدا میں گستاخی اور بے ادبی کی راہ ہموار کرتے ہیں اور دوسری جانب شرمناک ہوا پرستی کو چھپانے کے لئے ایک مقدس لبادہ بنلاتے ہیں۔ ان کے نزدیک قلندری یا عشق و محبت کے لئے اس طرح کی حُسن پرستی لازم اور ضروری ہے۔ جس کو مہذب الفاظ میں بوالہوسی کہا جاتا ہے۔ اس کی چند مثالیں خود قلندر صاحب کی سوانح سے آئندہ نقل کی جائینگی۔ (انشاء اللہ) ہم یہاں اس طویل بحث کے دامن کو سمیٹ کر اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

ہم رنگی محبوب کی حقیقت اور اُس کی صحیح تصویر

قلندر صاحب کا یہ شعر موضوعِ کلام تھا ؎

در محبت تا نسوزی بال و پر
کے شوی ہم رنگ عاشق سربسر

(جب تک محبت میں بال و پر نہ جلادو، پوری طرح عاشق کے ہم رنگ کیسے ہو سکتے ہو۔

سوال یہ تھا کہ ہم رنگی کے کیا معنی ہیں۔ اور ایک فانی انسان محبوب حقیقی یعنی حضرت حق جل مجدہٗ کے ہم رنگ کس طرح ہو سکتا ہے۔ پہلی قسطوں کے طویل سلسلۂ کلام میں یہ بتایا گیا ہے کہ بوالہوس مصنوعی قلندروں نے ہم رنگی کے وہ معنی لئے جو سراسر زندقہ، الحاد اور بے دینی ہے یعنی احکامِ شریعت سے آزادی اور جامہ تہذیب و شرافت سے برہنگی (معاذ اللہ) لیکن وہ ہم رنگی جو صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ سے ثابت ہوتی ہے۔ وہ ہم رنگی وہ ہے جس کی تعلیم تخلقوا باخلاق اللہ ۔ سے دی گئی ہے (تم بھی ان اخلاق سے آراستہ ہو جاؤ جو اللہ کے اخلاق ہیں) وہ ربّانی اخلاق جن سے ایک انسان آراستہ ہو سکتا ہے۔ وہ وہ ہیں جن کی تعلیم و تمرین اور جن کا عملی تجربہ کرانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث کیا گیا تھا۔ مثلاً اللہ تعالیٰ رب العالمین، ارحم الراحمین ہے۔ تم رب نہیں بن سکتے مگر مربّی بن سکتے ہو۔ بس مخلوق خدا کے لئے مربیانہ اخلاق اختیار کرو۔ پرورش، ہمدردی، غمخواری، تقاضائے ربوبیت ہے۔ تم اپنے اندر محتاجوں کی حاجت روائی مصیبت زدوں کی ہمدردی، بے کسوں اور بے بسوں کی غمخواری کا جذبہ پیدا کرو۔ ہر ایک مخلوق کے ہمدرد بن جاؤ۔ رحم و کرم کو ہر جاندار کے لئے عام کردو۔ اپنے پرائے ہر ایک سے انصاف کرو۔ یہ ہیں وہ اخلاق جن کو صبغۃ اللہ کہا جاسکتا ہے۔ جو تخلقوا باخلاق اللہ اور اخلاق خداوندی سے آراستہ ہونے کی عملی تصویر ہیں۔

Marfat.com

ان بزرگانِ پاک باطن نے اس مفہوم اور مقصود کے لئے ایک جچتا ہوا جامع لفظ استعمال کیا ہے وہ لفظ ہے عشق، عشق، عشق۔

احکامِ شریعت کی پابندی کے لئے قلندرانہ جذبات ان اشعار سے ظاہر ہوتے ہیں جو قلندر صاحب کی مثنوی سے منتخب کر کے پہلے نقل کئے جا چکے ہیں۔

اسی طرح قلندر صاحب کے ایک مکتوب کے اقتباسات بھی پہلے بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہ مکتوب بقول مولانا عبدالحق صاحب محدث، عشق و محبت کی زبان میں لکھا گیا تھا۔ اس میں معشوق حقیقی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو عاشق حقیقی ثابت کیا ہے۔ اور تخلقوا باخلاق اللہ کی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ تم بھی عاشق بن جاؤ اور جس طرح عاشق حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کا عشق اپنی ہر مخلوق کے لئے عام ہے۔ تمہارا عشق بھی اس کی مخلوق میں کوئی امتیاز نہ پیدا کرے۔ تبلیغ و اصلاح بھی ہو تو عاشقانہ اور ہمدردانہ انداز میں ہو۔ قلندر صاحب کا ایک جملہ یاد رکھئے اور لطف اندوز ہوتے رہیئے۔ وہ جملہ یہ ہے۔

"اے برادر عاشق شو — ہر دو عالم را حُسنِ معشوق داں"

(بھائی! عاشق بن جاؤ۔ دونوں جہانوں کو معشوق کا حُسن سمجھو)

اس عشق و محبت کے ساتھ جہاں تک خود تمہاری ذات کا تعلق ہے تو تقاضا عشق یہ نہیں ہے کہ "انا الحق" کہو۔ معاذ اللہ یہ تو خود پرستی ہے۔ عاشق کے پاس "انا" (میں) کہاں، وہ تو فنا ہو چکا۔ یہ فنا ہی اس کا کمال ہے۔ یہی اس کا سرمایہ ہے۔ "انا" اس کی زبان پر آئے تو کس طرح آئے؟ متاعِ عشق برباد ہو تو "انا" زبان پر آسکتا ہے۔ مگر متاعِ عشق وہ دولتِ جاوداں ہے جس کے خاتمہ کے تصوّر سے ہی پتّہ پانی ہو جاتا ہے۔

قلندر صاحب کا یہ ارشاد کبھی کبھی فراموش نہ ہونا چاہیئے۔

Marfat.com

تا توئی کے یار گردد یار تو
چوں نباشی، یار باشد یار تو

ترجمہ:۔ (جب تک تم تم ہو (اپنی انانیت کو باقی رکھے ہوئے ہو یعنی اس تصور کو باقی رکھے ہوئے ہو کہ میں بھی ایک چیز ہوں) اس وقت تک یار کب یار ہو سکتا ہے۔ تم اس تصور کو ختم کر دو کہ میں بھی کچھ ہوں اس وقت یار واقعی یار بن جائیگا۔)

تو مباش اصلا، کمال این ست وبس
تو درو گم شو، وصال این ست وبس

ترجمہ:۔ (تم بالکل نہ رہو یہ تصور ہی ختم کر دو کہ میں بھی کچھ ہوں۔ بس یہ ہے کمال؛ تم اس (محبوب) میں گم ہو جاؤ، یہی وصال ہے اور بس۔

مولانا حکیم عبدالحی صاحب نے "نزہتہ الخواطر" میں حضرت قلندر صاحب کا قول نقل کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:۔ اور محظوظ ہوجیئے۔

"درویشی چیست؟ نفس کشتن، طلسم ہستی شکستن، و ترک از غیر گرفتن واز خود رستن، و بدوست پیوستن، و در آتش محبت سوختن، و خاکستر شدن۔" (ص ۶ ج ۲)

ترجمہ:۔ (درویشی کیا ہے؟ نفس کو مارنا، ہستی کے طلسم کو توڑ دینا (اس تصور کو مٹا دینا کہ میں کچھ ہوں) جو بھی غیر ہے اس کو ترک کر دینا خود اپنے آپے سے بھی رہائی پالینا۔ اور دوست سے پیوست ہو جانا۔ آتش محبت میں جلنا اور خاک بن جانا۔)

مذہب، عشق، تبلیغ واصلاح کا لائحہ عمل

بات بہت دور جا پڑی۔ اصل مقصد یہ ہے کہ اس دور میں جو اگرچہ مسلمانوں

Marfat.com

کی حکومت کا دور تھا۔ مگر حکومت وہ تھی جس کو صادق مصدوق خاتم الانبیاء علیہ وعلیہم السلام کی زبانِ حقیقت ترجمان نے "ملک عضوض" فرمایا تھا۔ "درندہ صفت حکومت" "کٹکھنی حکومت" اس دور میں ان شاہنشاہوں کے کردار سے اگر بالفرض اسلام کی اشاعت ہوئی تو وہ جبر و قہر کے انداز میں ہوئی۔ جو فطرتِ اسلام کے سراسر مخالف ہے۔ ان بزرگوں نے فطرتِ اسلام کو اس کے اصلی روپ میں پیش کیا۔

کور باطن نکتہ چیں کہتے ہیں کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔ مگر جو حقیقت آفتاب کی طرح نمایاں ہے وہ یہ ہے کہ تلوار الگ رہی۔ تلوار اٹھانے والے بھی الگ رہے۔ خلقِ خدا ان سے وابستہ رہی جو گدڑی پوش تھے۔ جن کو تلوار اٹھانے والوں سے یہاں تک نفرت تھی کہ ان سے ملنا بھی پسند نہیں کرتے تھے جو فقیر کے لقب پر فخر کرتے تھے۔ اگرچہ عوام کی عقیدت کا یہ حال تھا کہ وہ ان کو شاہ اور شاہ صاحب کہتے تھے۔ انہی فقیروں نے عشق کو اپنا مذہب قرار دیا۔ محبت کے ترانے گائے۔ خلقِ خدا کو مانوس کیا۔ بادۂ الفت سے انھیں سرشار کیا۔ شاہی محلات میں نہیں، بلکہ خلقِ خدا کے دلوں میں گھر کیا۔ اور اس طرح اسلام کی کشش کو باقی رکھ کر بچھڑے ہوؤں کو ملایا۔ ٹوٹنے والے دلوں کو جوڑا اور کلمۃ اللہ کو بلند کیا۔ ع

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مسلکِ عشق کی غلط تفسیر

آج کل ایک خاص فن یہ ہے کہ غالب اور حافظ شیرازی کے اشعار کے مرقعات تیار کیے جا رہے ہیں۔ یہ مرقعات با تصویر ہوتے ہیں۔ آپ کو تعجب ہوگا۔ کہ حضرت قلندر صاحب جیسے عاشقانِ سرمست کے بھی مرقعات تیار کیے گئے۔ مگر تصاویر کے ذریعہ نہیں بلکہ افسانوں کے ذریعہ۔ اور چونکہ ان افسانوں کے مصنف جو خود

Marfat.com

اغراض پرست بوالہوس تھے جو ٹی کی آڑ میں شکار کھیلنے کو اپنا فن سمجھتے تھے تو یہ افسانے بھی ایسے ہی ہیں جن کو بوالہوسی کی قلمی تصویر کہنی چاہیئے۔

مثال ملاحظہ ہو:- حضرت قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ایک غزل ہے۔

غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم
گوش را نیز حدیث تو شنیدن ندہم

(مجھے اپنی آنکھ پر بھی غیرت آتی ہے۔ اس لئے آنکھ کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ تجھ کو دیکھ سکے۔ کان کو بھی اجازت نہیں کہ وہ تیری بات سن سکے۔)

گر شبے دست دہد وصل تو از غایت شوق
تا قیامت نشود صبح دمیدن ندہم

(اگر کسی رات آپ کا وصال حاصل ہو جائے تو انتہائی شوق کے باعث صبح کو اجازت نہیں دوں گا کہ وہ طلوع ہو جائے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو۔)

گر بیاید ملک الموت کہ جانم ببرد
تا نہ بینم رخ تو روح رمیدن ندہم

(اگر ملک الموت میری جان لینے آئے تو جب تک تیری صورت نہ دیکھ لوں۔ روح کو پرواز کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔)

ہدیہ زلف تو گر ملک دو عالم بدہد
یعلم اللہ کہ سر موئے تو دیدن ندہم

(تیری زلف کے ہدیہ (قیمت) میں اگر دونوں جہان کی حکومت بھی دی جائے تو اللہ جانتا ہے کہ ایک بال کا کنارہ بھی دیکھنے کی اجازت نہیں دے سکتا)

گر بدام دل من افتد آں عنقا باز
گرچہ صد حملہ کند باز پریدن ندہم

Marfat.com

(اگر میرے دل کے جال میں وہ عنقا دوبارہ پھنس جائے تو اگر سو بار حملہ کرے تو دوبارہ اڑنے کا موقع نہ دوں۔)

شرف گر باد وزد بوئے از نفس برد

باد را نیز دریں دیر وزیدن ندہم

(اے شرف اگر ہوا تیرے سانس کی بو باہر لے جانے لگے۔ تو ہوا کو بھی اس کی اجازت نہ دوں کہ وہ چلے۔)

عشق الٰہی اور محبوب حقیقی کے بارے میں کتنے عمدہ اشعار ہیں۔ ظاہر ہے۔ حضرت حق جل مجدہٗ نہ ان آنکھوں سے نظر آ سکتے ہیں نہ اُن کا کلام اِن کانوں سے سُنا جا سکتا ہے۔ حضرت قلندر صاحب اس کی توجیہہ یہ کر رہے ہیں۔ کہ عاشق انتہا سے زیادہ غیرت مند ہے۔ تصویر جاناں دل میں سموئے ہوئے ہے۔ وہ اسی میں محو ہے۔ اور اسی طرح مگن ہے کہ چاہتا ہے کہ جو کچھ ہو وہی وہ ہو۔ اسے شرکت غیر قطعاً گوارا نہیں ہے۔ یہاں تک کہ وہ خود اپنی آنکھوں اور اپنے کانوں کو بھی اپنا رقیب سمجھتا ہے۔ اسے یہ بھی گوارا نہیں کہ آنکھ اس کے رُخ زیبا کو دیکھ سکے۔ یا کان اس کی صدائے دلکش کو سُن سکے۔ اسی طرح جملہ اشعار کی توجیہہ اور تشریح کی جاتی ہے۔

اب بوالہوس مصنوعی قلندروں کی فنکاری ملاحظہ فرمائیے:۔

کہ مبارک خاں جو خاندان شاہی کا ایک فرد تھا۔ اور اس کے ایثار و قربانی اور جذبۂ خدا طلبی کی بناء پر حضرت قلندر صاحب اس پر شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اس کے اس ارادتمندانہ تعلق اور بے لوث رابطہ کو کس طرح ملوث کیا ہے۔ اور تعجب ہے کہ مصنف شرف المناقب جیسے حضرات نے بھی جو حضرت قلندر صاحب سے مخلصانہ عقیدت رکھتے ہیں۔ اس افسانہ کو بلا تنقید و تبصرہ نقل کر دیا ہے:۔

Marfat.com

افسانہ یہ تراشا گیا ہے کہ پانی پت میں کوئی فوجی افسر تھا اس کو بھی مبارک خاں سے دلچسپی تھی۔ ایک روز مبارک خاں سیر و شکار کے لئے گئے ہوئے تھے۔ فوجی افسر نے موقع پا کر ان کو اپنے قبضہ میں کر لیا حضرت قلندر صاحب شام تک مبارک خاں کے منتظر رہے۔

"چوں روز آخر شد و شب رسید قلندر بو علی را اشتیاق محبوب غالب شد۔"

(جب دن ختم ہوگیا اور رات آپہونچی تو قلندر بو علی پر محبوب کا اشتیاق غالب ہوگیا)

بالآخر اشتیاق محبوب نے یہاں تک مضطرب کیا کہ آپ اس فوجی افسر کی ڈیوڑھی پر پہونچ گئے۔ اور دیدار محبوب کے اشتیاق میں یہ اشعار گنگنانے لگے۔ (جو اوپر نقل کئے گئے ہیں)

حضرت قلندر صاحب غزل پڑھ رہے تھے اور تاریکی شب بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ روایت ہے کہ وہ رات بہت دراز ہوگئی۔ یہاں تک کہ وہ فوجدار بھی عاجز ہوگیا۔ اور" درازی شب و بسیاری خواب" سے سارا عالم تنگ ہوگیا۔ آخر کار پانی پت کے عامل (کلکٹر) کو اس کا احساس ہوا۔ اُس نے تحقیق و تفتیش شروع کر دی کہ آخر درازی شب کا سبب کیا ہے؟ عامل (کلکٹر) کو تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ قلندر صاحب فوجدار کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور فرما رہے ہیں کہ جبتک مبارک خاں میرے پاس نہیں پہونچیں گے صبح نہیں ہوگی (خدا جانے حضرت قلندر صاحب نے یہ الٹی شرط کیوں لگائی۔ حالانکہ شب فراق کی طوالت مطلوب نہیں ہوتی۔ شب وصال کی طوالت مقصود ہوتی ہے۔ (محمد میاں)

قصہ مختصر جب فوجدار عاجز ہوگیا تو اس نے مبارک خاں کو قلندر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اور جیسے ہی مبارک خاں حضرت قلندر صاحب کے

Marfat.com

پاس پہونچے آفتاب برآمد ہو گیا۔ حضرت قلندر صاحب نے مبارک خاں کا ہاتھ پکڑا۔ اور اس کو اپنے ساتھ لے آئے۔

وہاں ایک مطرب بچہ (نوجوان قوال) حاضر تھا۔ اس نے یہ اشعار گائے۔

اگر بینم شبے ناگہ من آں سلطان خوباں را
سرے در پار دے آرم فدا سازم دل و جاں را

(اگر دفعتہً کسی رات میں اس معشوقوں کے بادشاہ کو دیکھ لوں تو اس کے پیروں میں سر ڈال دوں دل اور جان کو قربان کر دوں۔)

بپرسم از رہ یاری کہ جاناں چوں نہ آئی آخر
کجائی کت نمے بینم دو چشم مست غلطاں را

(یاری اور دوستی کی راہ سے میں اس سے دریافت کروں کہ جاناں آخر تم آتے کیوں نہیں تم کہاں ہو کہ میں تمہاری چشم غلطاں کو دیکھ بھی نہیں سکتا۔)

قوال یہ اشعار پڑھ رہا تھا کہ حضرت قلندر صاحب:۔
"از عالم معرفت بدریا وحدت مستغرق شد۔"

(عالم معرفت سے دریار وحدت میں غرق ہوگئے)

جب یہ استغراق کیفیت ختم ہوئی تو آپ نے اس "مطرب بچہ" پر نظر کرم فرمائی اپنا گھوڑا اس کو بخش دیا۔ پھر وہاں سے اُٹھے۔ مبارک خاں کا ہاتھ پکڑ کر پانی پت سے کرنال کی طرف روانہ ہو گئے۔ پھر کرنال کے قریب موضع "بوڑھ کھیڑہ" میں جاکر قیام فرما ہوئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ حتیٰ کہ داعی اجل کو لبیک کہا۔"

مبارک خاں کے متعلق مشہور ہے کہ یہ شہزادہ تھا بچپن ہی میں اس کو خدا طلبی کا شوق پیدا ہوا۔ اور حضرت قلندر صاحب کی خدمت سے فیضیاب ہونے لگا۔ اس کی بہتر صلاحیتوں نے حضرت قلندر صاحب کی توجہات اور آپ کی شفقتوں

کو بھی اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ آپ کو ان سے بہت زیادہ اُنس ہوگیا۔ آپ کو کبھی گوارا نہیں تھا کہ یہ آپ کی خدمت سے غیر حاضر ہوں۔ ظاہر ہے کہ یہ انس اور اُلفت وہی ہے جو ایک جوہر شناس کو کسی بہتر جوہر سے ہونی چاہیئے۔ مگر خدا محفوظ رکھے۔ یارانِ طریقت نے اس کو کچھ اور ہی رنگ دے دیا۔ اور وہ اشعار جو عاشقانِ پاک طینت نے اپنے محبوبِ حقیقی کے شوق میں کہے تھے۔ ان کو اس مفروضہ عشق پر چسپاں کردیا۔

اتفاق سے حضرت قلندر صاحب کی زندگی میں مبارک خاں کی وفات ہوگئی۔ اس لئے ان سے فیضیاب ہونے کا موقع لوگوں کو نہیں مل سکا۔ اور یہ جوہر قابل اسی طرح زیر زمین دفن ہوگیا۔ لیکن قدردان جوہری کو اب بھی اس کی قدر تھی۔ چنانچہ جو جگہ حضرت قلندر صاحبؒ نے اپنی قبر کے لئے تجویز کر رکھی تھی۔ اس کے قریب ہی ان کو دفن کرایا۔ اور یہ بھی روایت ہے کہ سلطان علاؤالدین بادشاہ دہلی سے فرمائش کرکے مبارک خاں کی قبر پر قبہ اور گنبد بھی حضرت قلندر صاحبؒ نے ہی اپنی زندگی میں بنوادیا تھا۔ بہرحال سجادہ صاحبان کی روایت یہ ہی ہے کہ قلندر صاحب نے یہ بھی فرمائش کی تھی کہ اُن کے مزار پر حاضر ہونے والا پہلے...... مبارک خاں کے مزار پر حاضر ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب) (شرف المناقب وغیرہ)

گوجری کا افسانہ

اسی قسم کا ایک افسانہ ایک گوجری کا بھی ہے۔ سوانح نگاروں نے اس کو حضرت قلندر صاحب کے کرامات اور آپ کے مناقب میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ جس طرح مبارک خاں کے مذکورہ بالا افسانہ میں قلندر صاحبؒ نے آفتاب کو باندھ دیا تھا۔ کہ جب تک مبارک خاں رہا نہیں ہوئے آفتاب نہیں نکلا۔ اسی طرح

Marfat.com

اس افسانہ میں اولاد بخشنے کی کرامات ظاہر ہوئی ہے اور صرف عورت کے بطن سے ہی نہیں بلکہ ایک بچہ تو پتھر کے نیچے سے برآمد کرایا ہے۔ پورا افسانہ ملاحظہ فرمایئے۔

حضرت قلندر صاحبؒ "بوڈھ کھیڑا" میں قیام فرما ہیں۔ ایک حسین و جمیل گوجری دہی کا گھڑا سر پر رکھے ہوئے اس طرف سے گذر رہی ہے۔ حضرت قلندر صاحب کی نظر اس پر پڑتی ہے تو آپ فرماتے ہیں: "گوجری دہی بیچتی ہو"؟

گوجری:۔ "ہاں صاحب بیچتی ہوں" اور بیچنے کے لئے ہی یہ بوجھ اٹھائے پھر رہی ہوں۔ مگر میاں صاحب آپ میری دہی خرید سکیں گے۔ دہی قیمتی ہے۔

قلندر صاحب:۔ ضرور، بتاؤ کیا قیمت ہے؟

گوجری:۔ "زر سرخ کا ایک تنکہ"۔ (یہ سونے کا ایک سکہ ہوتا تھا۔)

قلندر صاحبؒ نے زانو کے نیچے سے سونے کا یہ سکہ نکالا۔ اور گوجری کو دیدیا۔ اور فرمایا: "یہ تنکہ بھی تمھارا اور یہ دہی بھی تمہیں کو بخشی، لے جاؤ"

گوجری دعائیں دیتی ہوئی خوشی خوشی چلی گئی۔ دو چار روز بعد پھر اسی طرح آئی اور ایک تنکہ لے گئی۔ اسی طرح وہ آتی جاتی رہتی تھی۔ اور اپنے گھر والوں سے اس درویش (قلندر) کی تعریف کیا کرتی تھی۔

اتفاق سے اس گوجری کے کوئی بچہ نہیں تھا۔ ایک روز اس کے شوہر نے کہا تو اس بزرگ کی بہت تعریف کرتی ہے۔ اُس سے سونے کا "تنکہ" لاتی ہے اس سے بیٹا بھی تو مانگ۔

اگلے روز گوجری بن ٹھن کر "لباس فاخرہ پوشیدہ" (اچھا لباس پہن کر) اور دہی کی ٹھلیا سر پر رکھ کر قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ اور نہایت ادب سے سلام کیا:۔

"بوعلی را ادائیش پسند آمد"۔ (قلندر صاحبؒ کو اس کی ادا پسند آئی) اور خوش

ہو کر یہ رُباعی پڑھی۔

اے گوجری در حُسن لطافت چو مہی !	اے گوجری حُسن لطافت میں چاند جیسی
ایں دیگ دہی بر سر تو تاجِ شہی !	دہی کی ہنڈیا تیرے سر پر جیسے بادشاہی تاج
از لعل لبت شیر و شکر می بارد	تیرے لعل جیسے ہونٹوں سے شیر و شکر برستا ہے
ہر گاہ بگوئی کہ دہی لیو دہی!	جب تو کہتی ہے دہی لو دہی

حضرت قلندر صاحب کو خوش دیکھ کر گوجری نے اپنی درخواست پیش کر دی۔
کہ مدت است کہ طلب فرزندی دارم۔ توجہ فرمائید و دعا کنید۔ مرا فرزند عطا شود۔ (عرصہ سے فرزند کی طلب میں ہوں۔ آپ توجہ فرمائیے۔ اور دعا کیجئے مجھے لڑکا نصیب ہو)
آپ نے گوجری سے فرمایا کہ۔ فوراً جاؤ اور اپنے محلہ میں "آواز لگا دو" کہ جس کے اولاد نہ ہو۔ وہ کل کو میرے ساتھ چلے۔ گوجری نے ایسا ہی کیا۔ اور اگلے روز عورتوں کی ایک بھیڑ لے کر وہ قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔

شرف المناقب کی روایت ہے:۔

"چوں حضرتؒ جماعت زناں راہمراہ آں معشوقہ دید۔ قدرے لبس خوردہ برگِ تنبول بدست ہر یک زن داد و گفت بخورید"

(حضرت قلندر صاحب نے جب اس معشوقہ (گوجری) کے ساتھ جب عورتوں کی جماعت کو دیکھا تو پان کی گلوری چبائی ہوئی تھوڑی تھوڑی ہر ایک عورت کو دے دی اور فرمایا اسے کھا لو۔)

حضرت قلندر صاحبؒ کی اس لبس خوردہ گلوری کو تمام عورتوں نے کھا لیا۔ مگر ایک عورت نے کھانے کے بجائے اس کو پتھر کے نیچے رکھ دیا۔ پس قلندر عاشقِ الٰہی کی زبان کی برکت سے تمام عورتوں کو اسی روز سے اُمید ہو گئی۔ اور نو ماہ چند روز بعد ہر ایک کے لڑکا ہوا۔ مگر وہ عورت جس نے گلوری کے ریزہ کو چبانے

Marfat.com

کے بجائے پتھر کے نیچے دبا دیا تھا، محروم رہی۔ چالیس روز بعد جب یہ عورتیں چلّہ نہا چکیں تو ہر ایک نے اپنے بچہ کو گود میں لیا۔ اور دہی کی ہنڈیا سر پر رکھی اور قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

"آں معشوقہ نیاز ہر یک را در پیش حضرت گذرا یند"۔

(اس گوجری (معشوقہ) نے ہر ایک عورت کی نیاز قلندر صاحب کی خدمت میں پیش کی۔)

حضرت قلندر صاحب نے ہر ایک کی نیاز قبول فرمائی۔ ان عورتوں میں وہ بھی تھی جس نے گلوری نہیں چبائی تھی اور اولاد سے محروم رہی تھی۔ وہ اس وقت نہایت آزردہ اور غمگین کھڑی ہوئی تھی۔ جب حضرت قلندر صاحب کی نظر اس پر پڑی۔ تو فرمایا۔ "غمگین کیوں ہو"؟

اس محروم عورت نے سارا ماجرا سنا دیا۔ تب حضرت قلندر صاحب نے فرمایا۔ جاؤ، پتھر اٹھاؤ۔ تمہارا لڑکا اسی پتھر کے نیچے ہے۔ جہاں تم نے ہمارا پس خوردہ پان دبا دیا تھا۔ عورت یہ سنتے ہی تیزی سے پتھر کے پاس گئی۔ دیکھتی کیا ہے کہ اسی جگہ جہاں یہ گلوری دبائی تھی، ایک لڑکا پڑا ہوا کھیل رہا ہے۔ عورت کی جیسے ہی اس بچہ پر نظر پڑی۔ مادرانہ شفقت جوش مارنے لگی۔ چھاتیوں میں دودھ بھر آیا۔ عورت نے بچہ کو گود میں لیا اور قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ ارشاد ہوا۔ لڑکا تمھیں مبارک ہو۔

ایسے افسانے روایت اور درایت کے لحاظ سے جو بھی حیثیت رکھتے ہوں اس سے قطع نظر ہمارا منشا یہ ہے کہ ایسے بیانات میں عشق و معاشقہ کا لفظ غیر محتاط ہی نہیں ہے۔ بلکہ سوء ادبی اور گستاخی ہے۔ یہ مصنوعی قلندر جو قلندری کے خرقہ اور پوستین میں اپنی اغراض پوری کرنے کے عادی رہے ہیں۔ وہ ایسے افسانوں کے موجد ہیں۔ جن کا حقیقت اور واقعیت سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہے۔

Marfat.com

حضرت قلندر صاحب کی وفات اور آپکا مزار

آٹھویں صدی ہجری کے چوبیسویں رمضان کا پہلا عشرہ ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ یہ تارک دنیا جو شہروں کی رونق۔ اور آبادیوں کی چہل پہل چھوڑ کر عرصہ سے بوڈھ کھیڑہ کے جنگل میں اپنی جھونپڑی ڈالے ہوئے تھا۔ ۹ رمضان کی شب کو اس نے زندگی کے دھاگہ کو بھی توڑ دیا۔ اور تن تنہا عالمِ جاودانی کی طرف رخصت ہو گیا۔

تاریخِ وفات اور مقامِ وفات میں اختلاف نہیں ہے۔ شرف المناقب کی روایت ہے کہ وفات کے وقت آپ تنہا تھے حتیٰ کہ وہ رات اور اگلا دن گذر گیا۔ اور آپ کی لاش تنہا پڑی رہی۔ شام کے وقت کچھ لکڑ ہارے اپنے معمول کے مطابق حضرت قلندر صاحبؒ کی قدمبوسی کے لئے گئے تو دیکھا کہ حضرت قلندر صاحب رخصت ہو چکے ہیں۔ اور اُن کا "کالبدخاکی" بے جان پڑا ہوا ہے۔ انھوں نے فوراً کرنال آکر خبر دی۔ ۱۱ ر رمضان کو کرنال کے حضرات بوڈھ کھیڑہ پہونچے۔

آپ کی لاش۔ جال کے درخت کے نیچے ایک چبوترے پر جو" زیر زیوائے کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔ روبقبلہ پڑی ہوئی تھی۔ کرنال کے ان ارادتمندوں نے لاش اٹھائی اور کرنال لے آئے۔ جہاں غسل دیا گیا۔

ابھی غسل سے فراغت نہیں ہوئی تھی کہ پانی پت کے حضرات پہونچ گئے اور اصرار کیا کہ وہ جنازہ کو پانی پت لے جائیں گے۔ کرنال والوں کی خواہش یہ تھی کہ مزار کرنال ہی میں ہو۔ مگر وہ رشتہ دار جو ولی کی حیثیت رکھتے تھے راضی نہیں ہوئے۔ اور دلیل یہ تھی کہ خود حضرت قلندر صاحب پانی پت اپنی قبر کی جگہ تجویز کر چکے ہیں چنانچہ "سہ دابہ" بھی بنوا چکے ہیں۔ لہٰذا آپ کو آپ کی پسندیدہ سرزمین میں دفن کرنا چاہیئے۔ بالآخر ان کی تمنا اور ان کی کوشش کامیاب ہوئی۔ کرنال والوں نے

Marfat.com

اجازت دی اور پانی پت کے حضرات جنازہ کو پانی پت لے آئے۔ جہاں آپ کو آپ کی بنوائی ہوئی قبر میں دفن کر دیا گیا۔

پانی پت سے کرنال پہونچنے والے حضرات اور ذریعہ اطلاع

پانی پت اور کرنال میں تقریباً اٹھارہ میل کا فاصلہ ہے۔ مادیات کے موجودہ ترقی یافتہ دور میں اٹھارہ میل تو کیا اٹھارہ سو میل کے فاصلہ پر بھی چند سکنڈ میں اطلاع پہونچائی جا سکتی ہے لیکن اس زمانہ میں کہ خبر رسانی کا ذریعہ صرف قاصد ہوا کرتے تھے۔ اور اٹھارہ میل کی مسافت پر خبر پہونچانے کے لئے "پیک تیز رفتار" کو بھی پورا دن صرف کرنا پڑتا تھا۔ اور جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے صورت یہ ہوئی۔ کہ ۹ رمضان کا دن گذار کر شب کو وفات ہوئی۔ ۱۰ر کی شام کو اس کی اطلاع لکڑ ہاروں کے ذریعہ کرنال پہونچی۔ ۱۱ر کی صبح کو کرنال کے حضرات بوڈھ کھیڑہ پہونچے اور شام تک جنازہ کو کرنال لائے۔ اب تک یہ خبر کرنال ہی تک محدود تھی۔ مگر کرنال کے حضرات نے رات گزار کر جیسے ہی صبح کو غسل دینا شروع کیا۔ پانی پت کے حضرات پہونچ گئے۔

سوال یہ ہے کہ جب خبر پہونچنا ممکن نہیں تھا۔ اور جس قدر ممکن تھا اس کا کوئی اہتمام بھی نہیں کیا گیا تھا۔ تو یہ کیسے ہوا کہ شام سے لیکر صبح تک صرف رات رات میں پانی پت خبر پہونچ گئی۔ اور نہ صرف خبر پہونچی، بلکہ وہاں کے حضرات چل بھی دیئے اور صبح کے وقت کرنال پہونچ بھی گئے۔ اُس زمانہ کے ذرائع کے لحاظ سے یہ سوال نہایت اہم ہے۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ یہ یقین کر لیا گیا کہ کرنال سے پانی پت خبر پہونچانے کا ذریعہ "الہامی" تھا۔

چنانچہ محمد بن احمد صاحب نے شرف المناقب میں اور عبدالسلام صاحب

Marfat.com

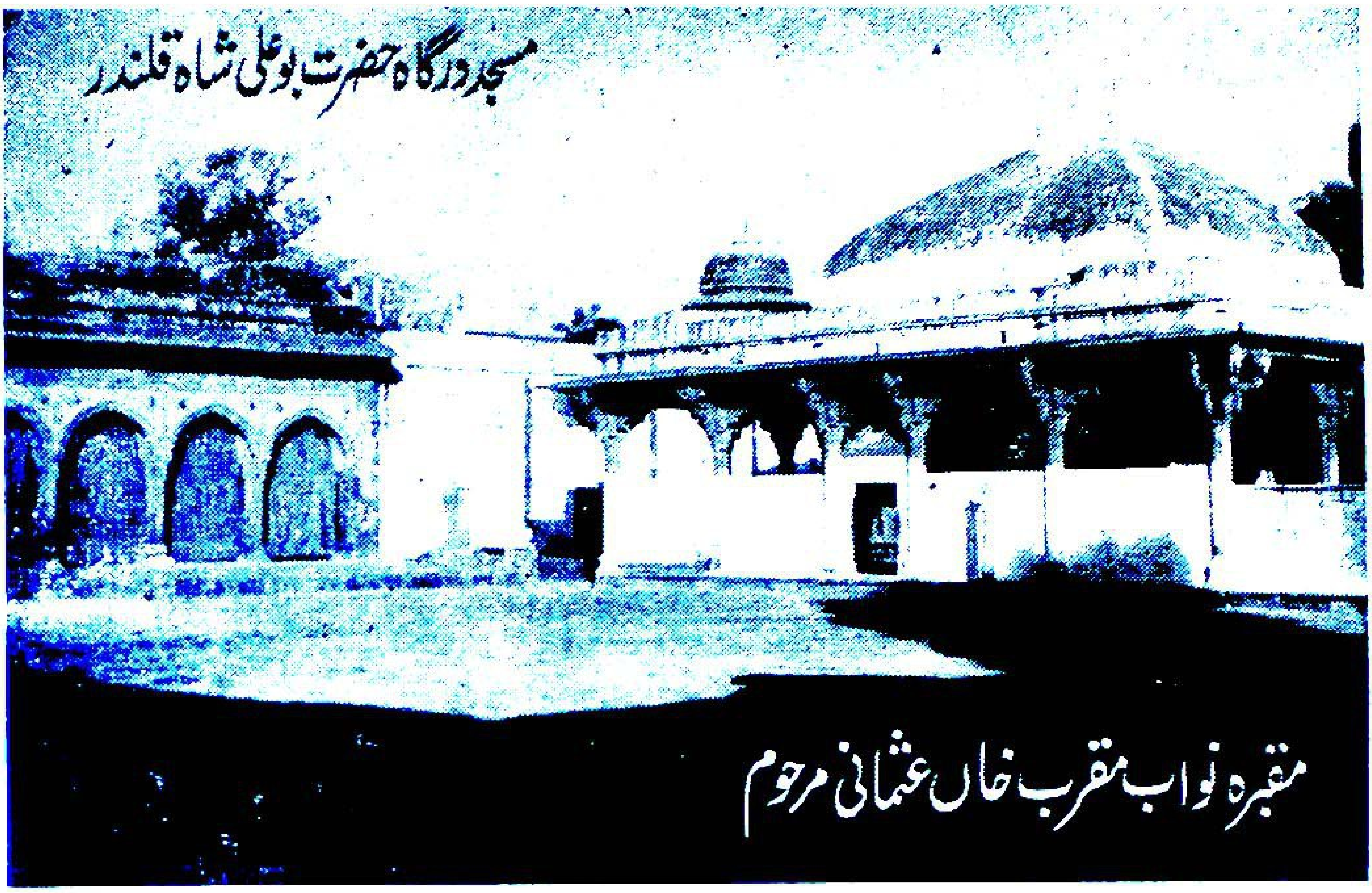
مسجد درگاہ حضرت بو علی شاہ قلندر
مقبرہ نواب مقرب خاں عثمانی مرحوم

درگاہ حضرت بو علی شاہ قلندر رحمۃ اللہ علیہ
برزمینے کہ نشانِ کفِ پائے تو بود
سالہا سجدۂ صاحب نظراں خواہد بود

Marfat.com

Marfat.com

چشتی صابری نے اپنے "جوابی" رسالہ میں تحریر کیا ہے کہ مولانا سراج الدین صاحب بھی جو پانی پت کے اولیاء اللہ میں سے تھے۔ اور حضرت قلندر صاحب سے خاص تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے ایسی حالت میں جس کو نہ نیند کہہ سکتے ہیں نہ بیداری۔ (اور باصطلاح صوفیاء کرام "معاملہ") میں دیکھا کہ حضرت قلندر صاحب فرما رہے ہیں۔

"مولانا جلد تشریف لائیے۔ میں اس دار فانی سے رخصت ہو چکا ہوں۔ میری نعش کو پانی پت لے آئیے اور میرے نام کا جو قبہ بنا ہوا ہے۔ وہاں دفن کر دیجئے۔"

چنانچہ مولانا سراج الدین صاحبؒ کی جیسے ہی آنکھ کھلی۔ آپ نے حضرت قلندر صاحب کے برادر زادہ شیخ احمد صاحب اور پانی پت کے مہاجر اور انصاری خاندانوں کے سربرآوردہ حضرات کو جمع کیا۔ اور ان کے سامنے اپنے کشف کی وضاحت کی۔ سب حضرات نے فوراً سامان سفر تیار کیا۔ اور کرنال روانہ ہو گئے۔ اور ایک پہر دن گذرا تھا یعنی طلوع آفتاب سے تقریباً ایک گھنٹہ بعد یہ لوگ کرنال پہونچ گئے۔

ان جانے والوں میں ایک تو وہی بزرگ مولانا سراج الدین صاحب تھے جن کو یہ مکاشفہ ہوا تھا۔ دوسرے حضرت قلندر صاحب کے برادر زادے شیخ احمد تھے جو "زندہ پیر" کے نام سے مشہور تھے۔ اور ان کے علاوہ پانی پت کے مہاجر اور انصار خاندانوں کے سربرآوردہ بزرگ تھے۔

مزار شریف کہاں ہے

اس مضمون کے مطالعہ کرنے والے حضرات کو اس میں تردد نہیں ہوگا۔ کہ حضرت قلندر صاحب کا مزار پانی پت میں ہے۔ مگر ان کو تعجب ہوگا کہ قلندر

صاحب کا مزار" کرنال" میں بھی ہے۔ اب یہ بحث پیدا ہوتی ہے کہ اصل مزار کونسا ہے۔۔ پانی پت والا ۔۔۔۔ یا کرنال والا ۔۔۔۔!

صاحب تحقیق مصنفین صرف ایک ہی بات لکھتے ہیں کہ:۔

"روضہ او در پانی پت ست" (اخبار الاخیار وغیرہ)

اب یہ کرنال میں جو عظیم الشان عمارت قلندر صاحب کے نام سے مشہور ہے اس کی حقیقت کیا ہے۔ تو عبدالسلام صاحب چشتی صابری اس کی حقیقت یہ بیان فرماتے ہیں:۔

"پس خانقاہ واقع کرنال شاید نشستگاہ حضرت عالم جناب مُسمّی مثل بوڈھ کھیڑہ و باگیوتی وغیرہ۔"

کسی زمانہ میں کسی شخص نے بغرض اعتقاد انھیں روایات غیر صحیحہ پر نظر کرکے صورت مزار تجویز کرادی۔ جیسا زمانہ حال میں بجائے چبوترہ قدیم نشستگاہ حضرت واقعہ (بوڈھ کھیڑہ) قبر بنائی گئی۔ حالانکہ پیشتر سے نہ تھی لیکن فیض روحی شرف الدین کا کل مواضع اقامت میں جاری ہے۔

عبدالسلام صاحب چشتی صابری کا یہ سادہ بیان بظاہر صحیح ہے۔ مگر رنگین طبع سوانح نگار یہ سادگی کب برداشت کرسکتے تھے۔ اُن کی گلکاری ملاحظہ فرمایئے صاحب شرف المناقب کے بیان کا ترجمہ یہ ہے:۔

طویل بحث ہوئی کہ جنازہ کرنال میں دفن کیا جائے یا پانی پت لے جایا جائے۔ مولانا سراج الدین صاحب نے جب دیکھا کہ ہر دو فریق اپنی اپنی بات کی پچ کررہے ہیں تو آپ نے فرمایا۔

"یاران طرفین رجوع بحضرت نمایند۔ آنچہ مرضی مبارک حضرت باشد بعمل بآرید۔" (دونوں طرف کے دوست حضرت قلندر صاحب کی طرف رجوع

کریں۔ جو کچھ مرضی مبارک ہوگی اس پر عمل کریں۔)

فریقین نے مولانا سراج الدین صاحب کی یہ بات تسلیم کرلی۔ سردست نزاع ملتوی ہوگیا۔

دن گذر گیا۔ رات آئی۔ تو دونوں فریق جنازہ کے گرداگرد بیٹھ گئے۔ اور درود اور قل پڑھنے لگے۔ اُس وقت مولانا سراج الدین صاحب نے فرمایا۔

حضرت قلندر صاحب! فرمایئے کیا مرضی ہے۔ مزار پانی پت میں بنے یا کرنال میں؟ بہت دیر ہوگئی کوئی بات نہیں کھلی۔ ٹھیک آدھی رات کا وقت تھا۔ کہ حاضرین میں سے ہر شخص نے محسوس کیا کہ حضرت قلندر صاحب فرما رہے ہیں۔

دونوں شہر ہماری ولایت کے ماتحت ہیں۔ اس فقیر کا دونوں شہروں میں روزانہ گذر ہوتا ہے۔ بس آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔

"ما ایں جا و ہم بہ پانی پت حاضرم۔"

اس کے بعد قلندر صاحب نے فرمایا: کہ مولانا سراج الدین صاحب جو ہدایت فرمائیں اس پر عمل کیا جائے۔

اب دونوں فریق مولانا سراج الدین صاحب کی طرف متوجہ ہوئے۔ مولانا نے فرمایا کہ صبح کے وقت مولانا کے جنازہ پر مالکورا کی راگنی قوال گائیں (یہ راگنی حضرت قلندر صاحب کو بہت پسند تھی) جب قوال یہ راگنی شروع کردیں تو دونوں فریق یکے بعد دیگرے حضرت قلندر صاحب کا جنازہ اٹھائیں جس فریق کے آدمی جنازہ کو اٹھا سکیں وہی اپنے یہاں لے جائیں اور دفن کردیں۔

بہرحال مولانا نے یہ بھی فرمایا کہ راگنی کے وقت اگر جنازہ کو حرکت ہو تو ہم پانی پت والے جنازہ اُٹھائیں گے۔ اور اگر حرکت نہ ہو تو آپ لوگ یعنی کرنال والے جنازہ اٹھائیں۔

Marfat.com

صبح ہوئی تو مولانا سراج الدین صاحب کی ہدایت کے بموجب قوالوں نے راگنی شروع کی ۔ اس وقت جنازہ پر اکثر اولیا ء بزرگ اور چھوٹے بڑے عوام موجود تھے ۔ راگنی میں گرمی آئی ۔ تو دفعتہً حضرت قلندر صاحب کا دست مبارک کفن سے باہر آگیا ۔ اور اوپر کو اٹھ گیا ۔ اور بدن میں بھی حرکت ہوئی ۔ مولانا سراج الدین صاحب نے بسبب پاسِ شریعت قوالوں کو فوراً روک دیا (؟) جب قوال خاموش ہوئے تو مولانا نے کرنال والوں سے کہا جنازہ اُٹھایئے ۔ ان لوگوں نے ہر چند جنازہ اُٹھانا چاہا جنازہ نہ اُٹھ سکا ۔ آخر کار کرنال والوں نے خود ہی پانی پت والوں سے کہا ۔ کہ اب آپ اُٹھایئے ۔ چنانچہ پانی پت والوں نے جیسے ہی بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر جنازہ کو ہاتھ لگایا ۔ جنازہ فوراً اُٹھ گیا ۔ اب پانی پت والے مطمئن ہوئے ۔ جنازہ کو تابوت میں رکھا ۔ اور روانہ ہوگئے ۔ شام تک پانی پت پہونچے اور ۱۲ رمضان المبارک پنجشنبہ اور جمعہ کی درمیانی شب میں بعد نماز مغرب جنازہ کو دفن کر دیا ۔

صاحب شرف المناقب فرماتے ہیں کہ اس کی تصدیق کہ حضرت کا جنازہ پانی پت ہی میں دفن ہوا ہے اس سے بھی ہوتی ہے کہ اکثر اولیاء اللہ نے یہی تحریر فرمایا ہے ۔

چنانچہ سید محمود گیسو دراز گلبرگی ۔ سید یداللہ دکھنی ۔ شیخ عبدالحق دکھنی ۔ شیخ امان پانی پتی ۔ میر مودود لاری ۔ شیخ عبدالرزاق جھنجانوی ۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی ۔ شیخ دو جن جیندوی ۔ شیخ موسیٰ رامپوری شیخ محمد شریف اعظم آبادی نیادلی ۔ شیخ عبدالرسول انبالوی ۔ شیخ محمد نظام بلخی ۔ مخدوم شیخ جلال الدین پانی پتی شیخ بڈھ ۔ اور شیخ محمد عثمان پانی پتی وغیرہ جیسے جلیل القدر اولیاء اللہ اور صاحب سلسلہ مشائخ نے یہی تحریر فرمایا ہے ۔ اور اسی کو صحیح قرار دیا ہے ۔ کہ مزار مبارک پانی پت ہی میں ہے ۔

Marfat.com

خطاب قتّال اور وجہ خطاب

جہاں تک ہمارے مطالعہ کی وسعت ہے صرف شرف المناقب کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُس نے آپ کا خطاب "قتال" بھی بتایا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ بہت قتل کرنے والا۔

یہ خطاب۔ ایک رحم پرور، عاشق مزاج بزرگ کے لئے عجیب و غریب ہے اور اس سے زیادہ عجیب وہ افسانہ ہے جس کو اس خطاب کی وجہ اور بنیاد بتایا گیا ہے۔

مولانا ضیاء الدین صاحب سنامی کے سات لڑکوں کی شہادت جو بروایت شرف المناقب حضرت قلندر صاحب کی شانِ جلالی کا کرشمہ تھی وہ بھی اس خطاب کی وجہ بن سکتی تھی۔ مگر مصنف شرف المناقب کی اعجوبہ پسند طبیعت صرف سات کی شہادت پر قناعت پذیر نہیں ہے۔ وہ ایک برات کے جمِ غفیر کی ہلاکت کو اس خطاب کی وجہ گردانتی ہے۔

افسانہ ملاحظہ فرمایئے:۔

مصنف شرف المناقب فرماتے ہیں۔ کہ کبھی کبھی حضرت قلندر صاحب پر استغراق کی ایسی کیفیت بھی طاری ہوتی تھی۔ کہ چڑیا کی چہک بھی ناگوار ہو جاتی تھی۔ اس وقت جس پر بھی نظر قہر پڑ جاتی وہ بھسم ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ پانی پت کے قریب "موضع باگھوتی" میں قیام فرما تھے۔ اور اسی کیفیت کا غلبہ تھا۔ کہ ایک پوری بارات نظر قہر کا شکار ہو گئی۔ صورت یہ ہوئی کہ بارات کے ڈھول تاشے آپ کو ناگوار ہوئے۔ اسی ناگواری کی حالت میں اس بارات پر نظر پڑ گئی۔ دفعتہً پوری بارات غائب ہو گئی۔ خانہ عروس پر بارات کا انتظار ہو رہا تھا۔ جب وقت پر بارات نہیں پہونچی تو اول انتظار کیا گیا اور جب مایوسی ہونے لگی تو

Marfat.com

بارات کی تلاش شروع کی گئی۔ مگر دولہن کے مکان سے لیکر دولہا کے عشرت کدہ تک ایک ایک کونہ چھان مارا کہیں سراغ نہ لگا آخر کار کسی صاحبِ دل نے ایک بزرگ کا پتہ بتایا کہ اُن کے ذریعہ شاید بارات کا کچھ پتہ، نشان مل سکے۔

یہ تلاش کرنے والے اُن کے پاس پہونچے۔ بزرگ نے پورا ماجرا سنا۔ تو اُن کا دل بھر آیا۔ آپ نے درد بھرے انداز میں حضرت قلندر صاحب کا نام لیا۔ کہ اُن کے پاس پہونچو۔ اُمید ہے کہ یہ عقدہ وہاں حل ہو جائے گا۔

مگر اس کا خیال رہے کہ صبح سے لیکر وقت زوال تک ہرگز ہرگز قلندر صاحب کے پاس نہ جانا کہ وہ وقت خاص روحانی مشغولیت کا ہوتا ہے۔

بہرحال بارات کے آدمی حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے شام کا وقت تھا۔ تقریباً ایک گھڑی دن باقی تھا۔ حضرت قلندر صاحب تالاب کے کنارہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور پانی سے کھیل رہے تھے۔ یہ لوگ وہاں پہونچے تو ایک کنارہ پر دست بستہ کھڑے ہو گئے۔ حضرت قلندر صاحب کی نظر ان پر پڑی تو فرمایا کیسے کھڑے ہو؟ ان غریبوں نے اپنا تمام ماجرا سنایا۔ قلندر صاحب نے فرمایا:۔

"اللہ کی نذر اور اس فقیر کی نیاز قبول کرو تو صاحب کُن فیکون کے حکم سے وہ برات واپس آجائے گی"۔

ان لوگوں نے عرض کیا کہ حضور کا جو حکم ہو تعمیل کی جائے گی چنانچہ قلندر صاحب کا ارشاد ہوا کہ طعام سہ منی (تین من کھانا) نذر خدا تعالیٰ اور نیاز ایں فقیر قبول کیجئے۔

جب ان لوگوں نے یہ نذر مان لی تو حضرت قلندر صاحب نے فرمایا۔ کہ آنکھیں بند کر لو۔ پھر حکم ہوا آنکھیں کھولو۔ اب ان سائلین نے آنکھیں کھولیں

Marfat.com

تو دیکھا تمام بارات موجود ہے۔ خوش و خرم گانے بجانے میں مصروف ہے۔ اب بارات منزل کی طرف چلی۔ نکاح وغیرہ سے فراغت کے بعد حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں نذر و نیاز پیش کرنے کے لئے آئے تو ایک من گوشت کی یخنی۔ ایک من میدہ کی روٹی (پراٹھے) ایک من دہی مصالحہ ڈال کر حضرت قلندر صاحب کی نذر کئے۔ قلندر صاحب نے نذر قبول فرمائی اور فرمایا :۔

"میرے وصال کے بعد جس کو بھی کوئی ایسی دشواری اور پریشانی لاحق ہو۔ وہ اسی طرح تین منی کھانا حلال کمائی کا سچے دل اور پورے اخلاص سے تیار کر کے اللہ کی نیاز اور اس فقیر کی نذر کے طور پر خانقاہ کے متوسلین اور مساکین میں تقسیم کر دے۔ مراد پوری ہو جائے گی۔"

نذر و نیاز حاصل کرنے کی اس ترکیب کو تحریر کرنے کے بعد صاحبِ شرف المناقب فرماتے ہیں :۔

اکثر بزرگانِ معتبر گفتہ اند کہ بسبب ہمیں واقعہ برات نام حضرت شاہ شرف الدین قتال مشہور شد۔

بہرحال یہ خطاب اور وجہ خطاب کے طور پر یہ واقعہ صاحب شرف المناقب کی تصنیف ہے۔ اس طرح کے اور بھی واقعات شرف المناقب میں خوارق اور مناقب کے عنوان سے نقل کئے گئے ہیں ہم اُن کے ذکر کرنیکے بجائے اُن کا حذف کر دینا ہی ضروری سمجھتے ہیں۔ کیونکہ نذر و نیاز کے ان افسانوں کی شہادت یہ ہے کہ یہ افسانے اُن کی تصنیف ہیں۔ جن کے مفادات ان مزارات سے وابستہ ہو گئے تھے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بڑی بڑی درگاہوں میں جہاں بھی آپ جائیں مجاور صاحبان صاحبِ مزار کے مناقب و محامد پر اسی قسم کے قصے بیان فرماتے ہیں :۔

Marfat.com

ہم عصر اصحابِ کمال اور حضرت قلندر صاحب

۶۰۰ھ سے ۷۲۴ھ یعنی ساتویں صدی اور آٹھویں صدی کا پہلا ربع۔ یعنی حضرت قلندر صاحب کا زمانہ حیات مسلمانانِ ہند کی تاریخ میں وہ سنہری دور ہے کہ وہ جلیل القدر علماء اور مشائخ جن کی محبت و عقیدت سے ہندی مسلمانوں کے دل لبریز اور گردنیں اُن کے احترام میں خم ہیں وہ زیادہ تر اسی صدی میں جلوہ افروز ہوئے ہیں۔ ان کا تذکرہ اگرچہ سرمایہ سعادت ہے۔ مگر اس سلسلہ مضمون کا موضوع صرف حضرت قلندر صاحب کے حالات تک محدود ہے۔ ان بزرگوں کی مقدس سوانح حیات کی گنجائش اس مضمون میں نہیں ہے۔ بلکہ یہاں صرف وہ واقعات لکھے جاتے ہیں جو حضرت قلندر صاحب کی طرف منسوب ہیں۔ اور جن کا تعلق اس زمانہ کے اکابر اور اربابِ کمال میں سے کسی سے ہے۔

حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی۔ اور مخدوم المشائخ جلال الدین کبیر الاولیاء

حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری۔ ہندوستان کے اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ شکر گنج فرید الدین اجودھنی کے ممتاز خلیفہ۔ جو خواہر زادگی اور دامادی کا رشتہ بھی رکھتے تھے۔ جن کے متعلق حضرت خواجہ شکر گنج فرمایا کرتے تھے۔ کہ میرے دل کا علم علی احمد صابر کو ملا ہے۔ اور سینہ کا علم شیخ نظام الدین بدایونی کو۔ سلسلہ صابریہ۔ آپ ہی کے فیوض کا پرتو ہے۔ آپ کے اکابر خلفاء میں حضرت شمس کے جلیل القدر خلیفہ حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی

رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پت کے اصل باشندے نہیں تھے۔ آپ ترکستان سے ہندوستان آئے اور حضرت خواجہ صابر کلیری کے دامن سے وابستہ ہوگئے۔ پھر یہاں تک تقرب حاصل کیا۔ کہ خطاب "فرزند" سے سرفراز ہوئے۔ ان اکابر نے رشد و ہدایت کے کچھ مرکز مقرر کر رکھے تھے۔ جن کو "ولایت" کہا کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت خواجہ کلیری جب اپنی حیات طیبہ کے آخری ایام میں سلسلۂ رشد و ہدایت کے جاری رکھنے کے متعلق مریدین با اخلاص کو خاص خاص ہدایتیں فرما رہے تھے۔ تو اس مرید صادق اور فرزند روحانی (حضرت شیخ شمس الدین ترک) کو خرقہ خلافت اور تبرکات مشائخ عطا فرمانے کے ساتھ یہ ہدایت فرمائی۔ "کہ میری وفات کے بعد تین دن گذار کر آپ پانی پت چلے جائیں۔"

اس مرید با اخلاص نے عرض کیا کہ "ولایت پانی پت" حضرت شیخ بوعلی قلندر کے سپرد ہے۔ ارشاد ہوا۔ قلندر صاحب کی ولایت ختم ہو رہی ہے تم وہاں پہونچ جاؤ گے تو وہ شہر سے باہر اپنا ڈیرہ ڈال لیں گے۔

یہیں سے حضرت قلندر صاحب کی سوانح حیات کے ساتھ ان بزرگوں کے حالات کا جوڑ لگتا ہے۔ اب اصل واقعہ تو یہ ہے کہ حضرت خواجہ کلیری کی وفات کے بعد جب حضرت شمس پانی پت پہونچے تو جیسا کہ شیخ کلیر نے فرمایا تھا۔ حضرت قلندر صاحب پانی پت سے روانہ ہو کر ایک قریہ میں پہونچ گئے جس کا نام "بڈھوتی" تھا۔ اس واقعہ سے جس کی صحت کا انکار نہیں کیا جا سکتا حضرت قلندر صاحب کی حیات مقدسہ کے چند پہلو سامنے آتے ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ مشائخ طریقت نے ارشاد و تبلیغ کا جو نظام قائم کر رکھا تھا۔ آپ اس سے وابستہ تھے۔

Marfat.com

۲۔ دہلی سے آپ کی روانگی بتقاضار جذب نہیں ہوئی۔ بلکہ جس طرح دہلی میں آپ کا قیام ایک ضبط و نظم کے ساتھ تھا۔ کہ اول دہلی کے مرکزی مقام مسجد "قوت الاسلام" میں ذمہ داری کے ساتھ فرائض درس وتدریس انجام دیتے رہے۔ پھر منصب قضا سنبھالا تو اس کو بھی اسی پختگی سے انجام دیا۔ ایسے ہی ان علوم ظاہری اور شاہی تعلقات سے کنارہ کش ہونے کے بعد ارشاد و تبلیغ اور روحانی تربیت کے میدان میں قدم رکھا تو وہ بھی ایک نظام میں منسلک ہو کر سوچی سمجھی تدبیر کی طرح ضبط و نظم کے ساتھ تھا۔ مجذوبانہ اقدام نہیں تھا۔

۳۔ حضرت خواجہ کلیریؒ یعنی مرکز پانی پت کے ذمہ دار اعلیٰ آپ کے حالات سے واقف رہتے تھے۔ ایک طرف حضرت قلندر صاحبؒ کے سن اور عمر کا تقاضا تھا۔ دوسری جانب جذب و استغراق کی کیفیت روز افزوں تھی۔ اور اس بنار پر حضرت خواجہ کلیریؒ سمجھ چکے تھے کہ ارشاد و تبلیغ کی ذمہ داری اب قلندر صاحبؒ نہیں سنبھال سکیں گے۔ لہذا آپ نے حضرت شمسؒ کو مامور فرمادیا۔

۴۔ حضرت قلندر صاحب کو اپنی حالت کا خود اندازہ تھا۔ وہ اب شہری زندگی سے بھی اُکتا چکے تھے۔ داعی جذب اُن کو تنہا مقام کی طرف کشاں کشاں لے جارہا تھا۔ چنانچہ جیسے ہی حضرت شمس پانی پت پہونچے۔ قلندر صاحب شہر پانی پت کو چھوڑ کر گاؤں میں چلے گئے۔ کچھ دنوں بعد قلندرانہ جذب نے اور ترقی کی تو اس چھوٹی سی آبادی کو بھی چھوڑ کر جنگل میں چلے گئے۔ جو موضع "بڈھا کھیڑی" کے قریب تھا۔

۵۔ چونکہ آپ مشائخ چشت کے نظام ارشاد و تبلیغ میں منسلک تھے۔ اس بنا پر آپ کا سلسلۂ بیعت بھی نظام کے ذمہ داروں سے جوڑ دیا گیا۔ یہاں

Marfat.com

تک کہ صاحب معارج الولایت نے لکھ دیا کہ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے خلیفہ ہیں۔ حالانکہ قطب صاحب قلندر صاحب کے دہلی رونق افروز ہونے سے بھی دس گیارہ سال پہلے (۶۳۳ھ یا ۶۳۴ھ میں وفات پا چکے تھے۔ اسی طرح کسی نے یہ بھی کہہ دیا کہ آپ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں (خزینۃ الاصفیاء) حالانکہ سلطان المشائخ کا تعلق حضرت قلندر صاحب سے ارادتمندانہ تھا مرشدانہ نہیں تھا۔ جیسا کہ آئندہ روایت سے معلوم ہوگا۔

حضرت خواجہ شمس الدین ترکؒ اور قلندر صاحبؒ

مولانا غلام سرور صاحب خزینۃ الاصفیاء میں تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت خواجہ شمس الدین ترک جب پانی پت پہونچے ایک دیوار کے سایہ میں بیٹھ گئے۔ حضرت قلندر صاحب کو نور باطن سے آپ کی تشریف آوری کا علم ہوگیا۔ تو آپ فوراً اپنے حجرہ سے نکلے اور روانہ ہونے لگے۔ ایک حلوائی کا لڑکا جو خادم خاص اور قلندر صاحب سے بے تکلف تھا۔ اس نے دریافت کیا۔ آپ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں۔ قلندر صاحب نے جواب دیا کہ یہ "ولایت" ایک دوسرے صاحب کے سپرد کر دی گئی۔ وہ صاحب تشریف لے آئے ہیں میں اُن سے ملنے جا رہا ہوں۔"

حلوائی کے لڑکے نے کہا ان کی زیارت مجھے بھی کرا دیجئے۔

فرمایا فلاں محلہ میں جاؤ۔ وہاں ایک صاحب دیوار کے سایہ میں بیٹھے ہوئے ملیں گے۔ قلندرانہ وضع ہے اور لباس جری پہنے ہوئے ہیں۔

حلوائی کا لڑکا وہاں پہونچا۔ اور زیارت سے مشرف ہوا۔

غالباً حضرت قلندر صاحب نے غائبانہ ملاقات کی۔ بہرحال ملاقات کے بعد

قلندر صاحب حضرت شمس کو اپنے حجرہ میں لائے۔اور وہیں آپ کا قیام کرایا۔

کیا حضرت خواجہ کلیری پانی پت تشریف لائے؟

صحیح روایتوں سے یہی ثابت ہے کہ حضرت خواجہ شمس الدین ترک، حضرت خواجہ کلیری کی خدمت میں کلیر شریف رہا کرتے تھے۔وفات کے وقت تک وہیں رہے اور وفات کے بعد اپنے شیخ و مرشد کے حکم کے مطابق پانی پت تشریف لے گئے۔ مگر صاحب شرف المناقب کا بیان یہ ہے:۔

حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری۔کلیر سے حضرت خواجہ قطب الدین کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر فاتحہ پڑھنے کے لئے دہلی جارہے تھے تو آپ پانی پت بھی رونق افروز ہوئے۔پانی پت کے تمام اہل اللہ اور اہلِ علم آپ سے ملاقات کے لئے گئے۔مگر قلندر صاحب نہیں تشریف لے گئے۔حضرت خواجہ کلیری نے حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کو طلب فرما کر ارشاد فرمایا۔

"تم پانی پت میں رہو۔یہی تمہاری قیام گاہ اور یہیں تمہاری آخری خوابگاہ ہوگی۔"

جب یہ خبر حضرت قلندر صاحب کو پہونچی تو آپ نے فرمایا۔بہت بہتر ہوا۔بھائی شمس الدین یہاں مستقل قیام کریں گے۔پھر آپ نے حضرت جلال الدین صاحب سے فرمایا۔بھائی شمس الدین صاحب کے پاس جاؤ میری دعا ان کو پہونچا دو۔اور کہدو کہ ہم بھی تمہارے منتظر تھے۔

مگر بظاہر صحیح روایت وہی ہے جو پہلے بیان کی گئی کہ حضرت ترک حضرت مخدوم کلیری رحمہما اللہ کی خدمت میں آخر تک رہے اور وفات کے بعد پانی پت تشریف لائے یعنی حضرت خواجہ کلیری پانی پت تشریف نہیں لائے۔

Marfat.com

پھر یہ بات بھی بعید از قیاس ہے کہ حضرت خواجہ "صابر" نے کلیر سے دہلی جانے کے لئے سیدھا راستہ چھوڑ کر پانی پت پہونچنے کی زحمت کیوں اُٹھائی۔ بہرحال ہمارا خیال یہ ہے کہ شرف المناقب کی یہ روایت اُن لوگوں کی تصنیف ہے جو صرف یہ چاہتے ہیں کہ حضرت قلندر صاحب کا درجہ تمام بزرگوں سے بلند مانا جائے۔ چنانچہ اس روایت کے بعد تحریر فرماتے ہیں:۔

حضرت شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک پیالہ میں پانی بھرا۔ اور حضرت مخدوم جلال الدینؒ سے فرمایا۔ یہ پیالہ حضرت قلندر صاحب کے پاس لیجاؤ۔ جب شیخ جلال الدین نے یہ پیالہ قلندر صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ تو آپ نے اس پیالہ میں گلاب کا پھول ڈال دیا۔ اور حضرت شیخ جلال الدین صاحب سے فرمایا کہ اس کو بھائی شمس الدین صاحب کے پاس لے جاؤ۔ اور کہدو۔ کہ کوئی پھول اس کی برابر نہیں ہے۔ پھر آپ نے شیخ جلال الدین صاحب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا شمس الدین ترک سے کہدو۔ نقارہ قلندری چار دانگ عالم میں بج رہا ہے۔ فلک الافلاک پر بج رہا ہے۔ آپ ایک کنارہ پر ہیں ہم دوسرے کنارہ پر۔ آپ کی تشریف آوری سے اس لئے مسرت ہے کہ یہاں آبادی میں پاسبان کی ضرورت تھی۔ اے برادر شمس الدین۔! اولیاء اللہ سب ایک ہیں۔ البتہ مراتب کا فرق ہے۔

اور صاحب شرف المناقب تحریر فرماتے ہیں:۔

آن عاشق الٰہی (قلندر صاحب) را خطاب بخشی الاولیار از جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عنایت شدہ و از جناب علی رضی اللہ عنہ بلا واسطہ فیض یافتہ اند واللہ اعلم بالصواب۔

Marfat.com

مخدوم المشائخ جلال الدین کبیرالاولیاء

یہ پانی پت کے باشندے تھے ۔اصل نام محمد، والد صاحب کا اسم گرامی محمود ، عثمانی خاندان ، پیر روشن ضمیر حضرت شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ نے خطاب جلال الدین سے نوازا ۔ ارادتمندوں نے مخدوم اور کبیرالاولیاء کے القاب کا بھی اضافہ کردیا ۔ پانی پت میں آپ کے لئے صرف مخدوم صاحب کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔ ۱۹۴۷ء میں خانقاہ اور مسجد پر غیرمسلموں کا قبضہ ہوگیا تھا ۔ حضرت مولانا لقاءاللہ صاحب عثمانی کی استقامت نے واگذار کرا کر پھر آباد کیا ۔ اب مخدوم صاحب کی یہ درگاہ دینی تعلیم گاہ ہے ۔

حضرتِ مخدوم کو حضرت قلندر صاحب سے محبت وعقیدت تھی ۔ آپ نے حضرت قلندر صاحب سے بیعت کی درخواست کی ۔ مگر قلندر صاحب نے فرمایا ۔ "آپ کا حصہ دوسرے کے یہاں ہے انھیں سے بیعت ہونا ۔"

ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت شیخ جلال الدین صاحب عمدہ لباس پہن کر گھوڑے پر سوار کہیں جارہے تھے ۔ راستہ میں کسی جگہ حضرت قلندر صاحب بھی تشریف فرما تھے ۔ اُن کی نظر گھوڑے پر اور اس سوار پر پڑی ۔

آپ نے فرمایا :- جلال الدین گھوڑا دوڑاؤ ۔ شیخ جلال الدین صاحب نے گھوڑا دوڑایا ۔ تب آپ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ صادر ہوئے ۔ زہے اسپ وزہے سوار ۔ پھر یہ شعر پڑھا ۔

گلگوں لباس کرد ، وسوار سمند شد
یاراں حذر کنید کہ آتش بلند شد

حضرت قلندر صاحب کے ان اتفاقیہ فقروں کا شیخ جلال الدین صاحب پر بہت اثر ہوا ۔ اب تک قلندر صاحب سے محض محبت ہی تھی ۔ اور آج یہ عالم

ہوا کہ "ہر چہ از دنیا بدست داشتند از آں بیروں آمد و آں اسپ را نیز للہ بکسے دا دو راہِ صحرا گرفت "

(ترجمہ:- دنیا کا جو مال و متاع بھی اُن کی ملکیت میں تھا سب سے دامن جھاڑ لیا اور اُس گھوڑے کو بھی راہِ خدا میں کسی کو دے دیا اور جنگل کا راستہ لیا۔)

کچھ عرصہ بعد وہ وقت آیا کہ حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پت تشریف لائے تو حضرت قلندر صاحب نے بھی حضرت مخدوم جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ہدایت فرمائی۔ کہ حضرت ترک کی خدمت میں حاضر ہوں۔ اور اُن کے چشمہ فیض سے اپنا حصہ حاصل کریں۔

شوق اختراع

سیدھی سی بات ہے کہ حضرت خواجہ صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت قلندر صاحب کی حالت کا احساس ہوا کہ وہ اب تبلیغ و ارشاد کا فرض انجام نہیں دے سکتے تو آپ نے اس مرکز کے لئے حضرت خواجہ شمس الدین ترکؒ کو مامور فرمایا۔ اور جیسے ہی حضرت ترک پانی پت پہونچے تو حضرت قلندر صاحب نے اطمینان و مسرت کا اظہار فرمایا۔ خود صاحب شرف المناقب کی روایت ہے کہ حضرت ترکؒ کے اس تقرر اور تعیناتی کی خبر حضرت قلندر صاحب کو پہونچی۔ تو

آپ نے فرمایا:-

الحمد للہ برادر شمس الدین اینجا مستقیم شد خوب شد۔

(خدا کا شکر۔ بھائی شمس الدین صاحب یہاں مستقل ہو گئے اچھا ہوا۔)

پھر فرمایا:-

وطن من بے پاسبان بود۔ مخدوم علی احمد صابر شما را دریں جا پاسبان گذاشت

(میرے وطن کا کوئی پاسبان نہیں تھا۔ مخدوم علی احمد صابر نے آپکو اس جگہ پاسبان مقرر کیا ہے)

Marfat.com

اب خود حضرت قلندر صاحب کے احساس کا تقاضا تھا کہ وہ اس مرکز کو حضرت خواجہ ترک کے لئے خالی کر دیں۔ چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا۔ حضرت ترک کو بلا کر اپنے حجرہ میں مقیم کیا اور خود "باگھوتی" تشریف لے گئے۔

مگر سوانح نگاروں کا ذوق اختراع ملاحظہ ہو۔ کہ اس واقعہ کو کس طرح افسانوی رنگ دیگر ایک اعجوبہ بنا لیا ہے تعجب ہے ان کو اس اعجوبہ پسندی میں اس کا خیال بھی نہیں رہتا۔ کہ کسی بزرگ کو شیر یا بھیڑیئے کی شکل میں پیش کرنا اس کی تعظیم واحترام نہیں ہے، بلکہ توہین ہے۔ کیونکہ درندے تو کیا فرشتے بھی انسانوں سے افضل نہیں ہیں۔ تو جو صاحب تصرف اکابر اولیاء اللہ شرف انسانیت سے واقف ہیں وہ کب برداشت کر سکتے ہیں۔ کہ جامہ انسانیت کو چھوڑ کر شیر کی شکل میں نمودار ہوں۔ لیکن مصنف شرف المناقب کی اعجوبہ پسندی بلکہ عجائب پرستی ملاحظہ ہو۔ تحریر فرماتے ہیں۔

ایک روز حضرت مخدوم جلال الدین کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راستہ میں حضرت قلندر صاحب کا قیام گاہ پڑتا تھا۔ مخدوم صاحب جب وہاں پہونچے تو دیکھا کہ قلندر صاحب کی جگہ ایک شیر بیٹھا ہوا ہے۔ مخدوم صاحب کچھ دیر ہیبت زدہ حیران کھڑے رہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے شیر یہ جگہ شیروں کی نہیں ہے۔ شیر کو جنگل میں رہنا چاہیئے۔ یہ عاشقوں کی جگہ ہے مخدوم صاحب نے جیسے ہی یہ فرمایا شیر اٹھا اور اس نے جنگل کی راہ لی حضرت مخدوم صاحب بھی شیر کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ یہاں تک کہ یہ شیر "باگھوتی" پہونچ گیا۔ مخدوم صاحب کچھ فاصلہ پر کھڑے ہوئے شیر کی حرکتیں دیکھ رہے تھے۔ دفعتہً چار شیر اور نمودار ہوئے۔ اور آپس میں کھیلنے لگے۔ مخدوم صاحب کی حیرانی اور بڑھ گئی۔ یہ یہاں کھڑے ہوئے شیروں کا تماشہ دیکھ رہے

Marfat.com

تھے کہ ناگاہ حضرت قلندر صاحب سامنے آ گئے۔ مخدوم صاحب نے سلام کیا۔ قلندر صاحب نے سلام کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ میاں جلال الدین تم ہمارے محرم کار اور رازوں سے واقف ہو۔ یہاں کھڑے ہو کر اطمینان سے شیروں کا تماشہ دیکھو۔ پھر یہ شیر آگے بڑھے اور مخدوم صاحب کے پیروں کو بوسے دینے لگے۔ اور بلیوں کی طرح آپس میں کھلاری کرنے لگے حضرت قلندر صاحب نے فرمایا۔ جلال الدین تم جانتے ہو۔ پانچواں شیر کون ہے۔؟ پھر قلندر صاحب نے فرمایا۔ پانچواں شیر میں ہوں۔ تمھاری دلداری کے لئے پانی پت چھوڑ کر یہاں آ گیا ہوں۔ مخدوم جلال الدین صاحب کو جب حقیقت کا انکشاف ہوا تو آپ حضرت قلندر صاحب کے قدموں پر گر گئے۔ اور بوسہ دینے لگے حضرت قلندر صاحب نے فوراً آپ کو اٹھایا۔ اور مخدوم صاحب کی پیشانی پر بوسہ دیا۔ مخدوم صاحب نے اسی وقت بیعت کی درخواست کی۔ حضرت قلندر صاحب نے معذرت کرتے ہوئے فرمایا۔

: نصیبہ ظاہری بر آمدن دیگر شخص موقوف است۔ حق تعالیٰ ترا از اولیاء کامل کنانندہ است۔ و فقیر ہم در حق تو دعا گفتہ است

(بظاہر آپ کا حصہ ایک شخص کے آنے پر موقوف ہے۔ حق تعالیٰ آپ کو اولیاء کاملین سے کرنے والے ہیں۔ فقیر نے بھی آپ کے لئے دعا کی ہے)

بہر حال جب ایک نظام کے ماتحت حضرت قلندر صاحب" باگھوتی" تشریف لے گئے۔ تو اس افسانہ کی ضرورت نہیں ہے جس میں خود تضاد موجود ہے۔ کہاں خود بخود تشریف لے جانا۔ اور کہاں شیر بن کر نکالے سے نکلنا۔ (معاذ اللہ)

تعجب ہے۔ جناب غلام سرور صاحب نے بھی خزینۃ الاصفیاء میں اسی

طرح کا ایک افسانہ ٹانک دیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں :۔

جب حضرت شمس الدین کلیر سے پانی پت تشریف لائے تو چند روز بعد آپ کا خادم حضرت قلندر صاحب کی قیام گاہ کے پاس سے گذرا۔ وہاں دیکھا کہ قلندر صاحب شیر کی شکل اختیار کئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ خادم خوف زدہ ہو کر واپس آیا۔ اور حضرت ترک کو اس کی خبر دی۔ حضرت شیخ شمس الدین ترک نے خادم کو ہدایت فرمائی کہ وہ پھر جائیں۔ اور شیر سے کہدیں کہ شیر کی جگہ جنگل ہے۔ آبادی میں شیر نہیں رہا کرتے۔ چنانچہ یہ شیر فوراً اٹھا۔ اور اسی صورت میں پانی پت سے نکل کر پانی پت سے کافی فاصلہ پر اس جگہ قیام فرمایا۔ جس کو "باگھوتی" کہتے ہیں (یعنی شیر کے رہنے کی جگہ۔ کیونکہ "باگھ" ہندی میں شیر کو کہتے ہیں۔) چند سال قلندر صاحب نے یہاں قیام فرمایا۔ پھر آپ موضع "بڑھا کھیڑہ" تشریف لے گئے۔

سلطان المشائخ نظام الدین محبوب الٰہیؒ اور حضرت امیر خسروؒ

یہ بزرگ اردو وا

طبقہ کے لئے محتاج تعارف نہیں ہیں۔ کیونکہ اپنے روحانی کمالات کے علاوہ یہ دونوں بزرگ اُردو زبان کے موجد اور مشترک تہذیب کے بانی بھی مانے جاتے ہیں۔ حضرت محبوب الٰہی سلطان الاولیاء ۱۸ ربیع الاول ۷۲۵ھ تک اور حضرت امیر خسرو چھ ماہ بعد ۱۸ شوال ۷۲۵ھ تک رونق بخش عالم ظاہر رہے۔

حضرت قلندر صاحب ان کی وفات سے پانچ ماہ اور گیارہ دن پہلے ۱۷ رمضان ۷۲۴ھ کو اس عالم سے رخصت ہو چکے تھے۔

وفات میں اگرچہ مہینوں کا فرق ہے۔ مگر عمروں میں تقریباً ۲۵ سال اور تقریباً ۴۵ سال کا فرق ہے کیونکہ حضرت سلطان المشائخ کا سنہ ولادت

Marfat.com

سنہ ۶۳۴ھ ہے اور حضرت امیر خسرو کا سنہ ۶۵۱ھ۔

اگر یہ صحیح ہے کہ حضرت قلندر صاحب سنہ ۶۴۷ھ میں دہلی تشریف لے گئے۔ اور چالیس پچاس سال تک وہاں درس و افتا اور قضا کی خدمت انجام دیتے رہے۔ تو حضرت قلندر صاحب کے زمانہ قیام میں حضرت سلطان المشائخ دہلی پہونچ چکے ہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ قیام دہلی کے زمانہ میں بھی ان بزرگوں کی ملاقات ہوئی ہوگی۔ لیکن ہمیں حضرت امیر خسرو کی صرف اس ملاقات کا علم ہو سکا ہے جو دہلی میں نہیں۔ بلکہ پانی پت جانے کے بعد ہوئی ہے۔

واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ علاؤ الدین خلجی متوفی سنہ ۷۱۵ھ نے حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں کچھ ہدایا بھیجنے چاہے۔ اور حضرت امیر خسرو کو اس کے لئے منتخب کیا۔

سلطان نے حضرت امیر کے شیخ طریقت حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی سے بھی اس کی اجازت حاصل کی حضرت محبوب الٰہی نے اجازت دیتے ہوئے حضرت امیر خسرو کو ہدایت فرمائی۔

اے خسرو شرف الدین پانی پتی انچہ فرماید سعادت خود دانستہ قبول نمائی و بہیچ وجہ اعراض نہ کنی۔

(اے خسرو شرف الدین پانی پتی جو کچھ بھی فرمائیں اس کو اپنی سعادت اور نیک بختی سمجھکر قبول کرلو اور کسی صورت سے کبھی انکار نہ کرو)

جب حضرت امیر نے شرف زیارت حاصل کیا۔ تو ابتدائی تعارف میں قلندر صاحب نے دریافت فرمایا۔ آپ ہی کو خسرو کہتے ہیں حضرت امیر اس زمانہ کی تہذیب کے مطابق اپنی ٹوپی قلندر صاحب کے قدموں میں ڈال کر آداب بجالائے۔ پھر دست بستہ عرض کیا۔ اس خادم ہی کو خسرو کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

اس سوال وجواب کے بعد قلندر صاحب سر بمراقبہ ہو گئے۔ استغراقی کیفیت آپ پر طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھا تو امیر خسرو نے عرض کیا۔ سلطان علاؤ الدین نے سلام عرض کیا ہے۔ اور کچھ ہدیئے بھیجے ہیں۔ انھیں قبول فرمائیے

حضرت قلندر صاحب نے فوراً چونک کر جواب دیا۔

عزیز من! چالیس سال ہو گئے محویت طاری ہے۔ دنیا اور دنیاوی ساز وسامان تو درکنار، مجھے خود اپنی خبر نہیں۔ ان ہدیوں اور تحفوں کو لے کر کیا کروں گا۔

ابھی معذرت کا یہ جملہ پورا نہیں ہوا تھا کہ فرمایا۔ میاں خسرو! آپ شاعر ہیں۔ مناسب وقت کچھ پیش کرو۔

حضرت امیر نے یہ غزل شروع کی:۔

انچہ گوئی ہیچ سخنے جز فراقِ یار نیست

(میں جو بات بھی کہوں، وہ فراق یار کی بات ہو گی اس کے سوا کوئی بات نہیں)

چون امید وصل آں ہجپاں دشوار نیست

(کیونکہ اس کے وصل کی امید ہے یہ اتنی دشوار بات نہیں ہے۔)

عاشقان را در جہاں یکساں نباشد روزگار

(عاشقوں کے لئے دنیا میں یکساں زمانہ نہیں رہتا۔)

زانکہ ایں انگشتہا دست من ہموار نیست

(جس طرح میرے ہاتھ کی انگلیاں یکساں نہیں ہیں۔)

خلق را بیدار باید بود زاب چشم من

(میری آنکھوں کے پانی سے مخلوق کو جاگ جانا چاہیئے)

ایں عجب آں وقت میگریم کہ کس بیدار نیست

Marfat.com

(یہ تعجب کی بات ہے۔ ایسے وقت رو رہا ہوں کہ کوئی بیدار نہیں ہے)

یک قدم بر نفس نہ دال وگر در کوئے دوست

(ایک قدم اپنے نفس پر رکھو دوسرا دوست کے کوچہ میں)

ہر چہ بینی دوست بین با این و آنت کار نیست

(تمہاری نظر میں جو کچھ بھی ہو وہ دوست ہی دوست ہو این و آن سے کوئی کام نہ ہو)

چند میگوئی بروز نار بندائے بت پرست

(کتنا کہوگے۔ اے بُت پرست جاؤ زنار باندھو۔)

بر تن خسرو کدامی رگ کہ آن زنار نیست

(خسرو کے بدن میں ایسی کونسی رگ ہے جو زنار نہیں ہے)

قلندر صاحب بہت محظوظ ہوئے۔ اور فرمایا:۔

خسرو خوش میگوئی۔ خوش خواہی بود۔ خوش خواہی رفت۔

(خسرو خوب کہتے ہو۔ خوش رہوگے۔ خوش جاؤگے)

پھر ارشاد فرمایا:۔ میری غزل بھی ملاحظہ فرمایئے:۔

دہیم خسروان براں نعل استر ست

(بادشاہوں کا تاج اس شخص کی نظر میں جوتیوں کا تلا ہے)

خسرو کسے کہ خلعت تجرید در بر ست

بادشاہ وہ ہے جو ترکِ دنیا کی خلعت پہنے ہوئے ہے

سیمرغ وار روئے نہم من بقاف عشق

(میں سیمرغ کی طرح عشق کے کوہ قاف کا رُخ کئے ہوئے ہوں)

کو عارفے کہ منظر او عرش اکبر ست

(ایسا عارف کہاں ہے کہ عرش اکبر پر اس کی نظر ہو

عقل کل ست علم لدنی بعارفاں !

(عارفوں کے یہاں علم لدنی عقل کل ہے)

این عقل و علم حسی در شی محضر است

؟

درس شرف نبود از الواح ابجدی

(شرف الدین کا سبق ابجد کی تختیوں سے نہیں ہوتا)

لوح جمال دوست مرا اور ا برابر است

(جمال دوست کی لوح اس کے لئے موزوں و مناسب ہے)

حضرت قلندر صاحب نے اشعار کچھ اس سوز و گداز سے پڑھے۔ کہ حضرت امیر خسرو پر یہاں تک گریہ طاری ہوا کہ آپ بے قابو ہو گئے۔ قلندر صاحب نے ازراہِ ظرافت پنجابی زبان میں فرمایا:۔

خسرو روندا ہے کچھ سمجھدا بھی ہے۔

(خسرو روتے ہو کچھ سمجھتے بھی ہو۔)

حضرت امیر خسرو۔ شاہی دربار کے سلیقہ مند مصاحب، جتنے بڑے سخن شناس تھے ایسے ہی نکتہ سنج بھی تھے۔ قدموں پر ٹوپی ڈال کر دست بستہ جواب دیا:۔

ازاں مے گریم کہ نے دانم و نے فہم

حضرت (اسی پر روتا ہوں کہ نہ کچھ جانتا ہوں نہ کچھ سمجھتا ہوں)

حضرت قلندر صاحب اس جواب سے اتنے خوش ہوئے کہ بے اختیار زبان پر تحسین و آفریں کے الفاظ جاری ہو گئے۔ اور حضرت امیر پر بہت کچھ عنایت و نوازش فرمائی۔ پھر خادم خاص "شیخ احمد زندہ پیر" کو حکم فرمایا کہ حضرت امیر کو

Marfat.com

خانقاہ میں لے جاؤ۔ اور کم از کم تین دن تک مہمانداری کے فرائض انجام دو۔ چنانچہ تین روز تک آپ خانقاہ میں قیام فرما رہے۔ خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا۔

تین روز بعد حضرت امیر نے اجازت لیتے ہوئے درخواست کی کہ سلطان علاؤالدین کے لئے کچھ تحریر فرما دیا جائے۔

آپ نے کاغذ کا ایک معمولی سا پرزہ اٹھایا۔ اور اس پر تحریر فرما دیا:-

علاؤالدین خلجی خوط دہلی مقرر دارند کہ بندگان خدا رتعالیٰ زندگانی نیکو کنند۔

(مطالب چند صفحات کے بعد علاؤالدین خلجی کے حالات میں بیان کیا گیا ہے)

حضرت امیر خسرو نے اس وقت پھر درخواست کی "شاہی ہدیئے قبول فرمائیے جائیں۔" حضرت قلندر صاحب کا جواب وہی تھا۔ تب حضرت امیر نے دریافت کیا۔ کہ پھر ان کا کیا کروں۔

فرمایا:- آپ کو اختیار ہے۔ جو مناسب سمجھیں کریں۔

حضرت امیر خسرو:- خانقاہ کے لوگوں کو دیدوں۔

فرمایا:- تمہیں اختیار ہے۔

بہرحال حضرت امیر خسرو ان ہدیوں کو خانقاہ والوں کو تقسیم کر کے رخصت ہونے کے لئے قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:-

حضرت عرصہ سے آرزو تھی کہ سر قدموں میں ڈالوں۔ پائے مبارک کو بوسہ دوں اور آنکھیں ملوں۔

قلندر صاحب نے فوراً جواب دیا۔

" اے برادر نزد ما میا۔ کہ اینجا آتش بسوزال مست۔"

Marfat.com

(اے بھائی ہمارے پاس نہ آنا۔ ہمارا وجود دہکتی ہوئی آگ ہے۔)

(اس سے زیادہ آتش سوزاں کیا ہوسکتی ہے کہ شرعاً پسندیدہ نہیں۔ محمد میاں)

پھر امیر خسرو کو رخصت فرمایا۔

دوسری ملاقات

صاحب شرف المناقب نے ایک اور ملاقات کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ مگر وہ سراسر مصنف کے عجائب پسند مذاق کا نمونہ بلکہ شاہکار ہے۔ فرماتے ہیں:۔

حضرت امیر خسرو ایک مرتبہ از خود قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور چند روز قیام کیا۔ ایک روز حضرت قلندر صاحب نے فرمایا:۔

میاں خسرو۔ کیا بات ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں حاضری ہوتی ہے تو وہاں تمام اولیاء اللہ کو دیکھتا ہوں لیکن حضرت نظام الدین کہیں نظر نہیں پڑتے۔

حضرت امیر خسرو۔ اس کا جواب کیا دے سکتے تھے۔ آپ نے حضرت سلطان جی کی طرف رجوع کیا۔ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی نے فرمایا۔ خسرو حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں دوبارہ جاؤ۔ اور اُن سے کہو کہ مجلس مبارک میں جہاں سرور کائنات رونق افروز ہوتے ہیں تو حضرت کی پشت کی جانب ایک مخدعہ (چھوٹا سا حجرہ یا کھڑکی) ہے۔ فقیر کو اس مخدعہ میں تلاش فرمائیں۔

حضرت امیر نے قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوکر یہی جواب عرض کردیا۔

حضرت قلندر صاحب نے فرمایا۔ اچھا خسرو، آج ہم اور تم دونوں اس مجلس مبارک میں حاضر ہوں۔ اور حضرت نظام الدین کو تلاش کریں۔ چنانچہ جب یہ دونوں مجلس مبارک میں حاضر ہوئے۔ وہاں جملہ اولیاء حاضر تھے۔ حضرت امیر تو انھیں اولیاء کرام کی صف میں کھڑے رہے۔ مگر حضرت قلندر صاحب چکر کاٹ کر اس

مخدعہ کے قریب پہونچ گئے لیکن ہمت نہ ہوئی کہ پردہ اٹھائیں۔
یہ شعر زبان پر آگیا۔ البتہ :۔

پردہ بردار کہ تا عارض جاناں بنگرم
ورنہ از آہ جگر پردہ عالم بدرم

(پردہ اُٹھایئے تاکہ رخ جاناں دیکھ لوں۔ ورنہ آہ جگر سے سارے عالم کا پردہ چاک کردوں گا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قلندر صاحب کی آواز سنی تو فرمایا۔ کیا بات ہے کیا چاہتے ہو۔ حضرت قلندر صاحب نے دست بستہ عرض کیا۔ سلطان الاولیاء محبوب الٰہی کو دیکھنا چاہتا ہوں۔

ارشاد ہوا۔ آؤ۔ دیکھو۔ محبوبیت کی مسہری پر رونق افروز ہیں۔

حضرت بوعلی قلندر زمین بوس ہوکر آداب بجالائے۔ پھر اس پردہ کی طرف پہونچے دیکھا کہ :۔

شیخ نظام الدین محبوب الٰہی بر مُصلّٰے سفید در غایت معشوقی و رعنائی نشستہ اند۔ دیدہ و شکر الٰہی بجا آوردند۔

(شیخ نظام الدین محبوب الٰہی۔ نہایت معشوقی اور رعنائی انداز میں سفید جانماز پر تشریف رکھتے ہیں۔ قلندر صاحب نے آپ کی زیارت کی اور اللہ کا شکر ادا کیا)

یہ شرف المناقب کی روایت ہے۔ اور شرف المناقب ہی کی تخصیص نہیں۔ حضرات مشائخ کے تذکروں میں ایسے قصے بہت سے ملیں گے۔ ایسی روایتوں سے وہ اپنے خیال میں صاحب سوانح کا تو درجہ بلند کرتے ہیں۔ مگر اس کو قطعاً نظر انداز کرتے ہیں کہ ایسی روائیتوں سے خود اُن کی پوزیشن خطرہ میں ہوجاتی ہے کیونکہ صادق مصدوق سرور کائنات کا ارشاد ہے۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ من النار۔

(جو شخص میرے متعلق قصداً کوئی جھوٹی بات بیان کر رہا ہے۔ وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں بنا رہا ہے۔)

جب تک وحی کے ذریعہ صداقت واضح نہ ہو جائے اس قسم کے افسانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر خیر (معاذ اللہ) شان اعلیٰ وارفع سے گرا ہوا۔ اور اس حدیث کا مصداق ہے۔

شیخ احمد یحییٰ و شیخ شرف الدین منیری رحمہم اللہ متوفی ۷۸۲ھ

شیخ احمد یحییٰ اور اُن کے فرزند رشید شرف الدین بن احمد یحییٰ سلسلہ فردوسیہ کے جلیل القدر مشائخ میں سے ہیں۔ قصبہ منیر ضلع پٹنہ عظیم آباد صوبہ بہار میں ان کے مزارات ہیں۔ ریاضت و مجاہدہ اور کرامتوں کے تذکرے آج تک زبانوں پر ہیں۔ شیخ شرف الدین کے مکتوبات اہلِ ذوق کے لئے حقائق و معارف کے جواہر گراں مایہ ہیں۔ حضرت شیخ کے کمالات کی نشاندہی کرتے ہیں۔

صاحب شرف المناقب کا بیان ہے کہ شیخ احمد یحییٰ حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اولاد کے لیے دعا کی درخواست کی۔ حضرت شیخ شرف الدین اسی دعا کا ثمرہ ہیں۔ اور یہ نام بھی حضرت قلندر صاحب کا عطیہ ہے کیونکہ قلندر صاحب نے قبولیت دعا کی بشارت دیتے ہوئے حضرت شیخ احمد یحییٰ سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ بچہ کا نام "شرف الدین" رکھیں گے۔

صاحب شرف المناقب نے دعا کے بعد حضرت احمد یحییٰ صاحب کے سفر بہار اور راستہ میں ایک عورت کی طرف سے درخواست نکاح وغیرہ کا افسانہ بھی ذکر کیا ہے۔ مگر یہاں اس کا تذکرہ قطعاً غیر ضروری ہے۔ بلکہ صحیح مذاق والوں

Marfat.com

کے لئے تکلیف دہ ہے۔ اس لئے اس کو نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

حضرت قلندر صاحب اور شاہانِ دہلی

سال ولادت قلندر صاحب ۶۰۴ھ سے لیکر سال وفات ۷۲۴ھ تک

ایک سو بیس (۱۲۰) سال کے عرصہ میں شاہان دہلی کے خاندانوں میں دو تبدیلیاں ہوئیں۔

خاندان غلامان

خاندان تغلق

خاندان خلجی

حضرت قلندر صاحب کی پیدائش قطب الدین ایبک کے دور حکومت میں ہوئی۔ بلکہ آپ کا سال ولادت قطب الدین کا سنہ جلوس ہے۔ ۶۰۴ھ مطابق ۱۲۰۶ء اس کے بعد بالترتیب بادشاہوں کے نام یہ ہیں۔

از خاندان غلامان

قطب الدین ایبک	از	۶۰۴ھ / ۱۲۰۶ء	تا	۶۰۸ھ / ۱۲۱۰ء	
شمس الدین التمش	از	۶۰۸ھ / ۱۲۱۰ء	تا	۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء	
رضیہ سلطانہ	از	۶۳۴ھ / ۱۲۳۶ء	تا	۶۳۷ھ / ۱۲۳۹ء	معزول کر کے قید کر دی گئی۔
معز الدین	از	۶۳۷ھ / ۱۲۳۹ء	تا	۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء	معزول
علاؤ الدین مسعود	از	۶۳۹ھ / ۱۲۴۱ء	تا	۶۴۴ھ / ۱۲۴۶ء	معزول
ناصر الدین محمود	از	۶۴۴ھ / ۱۲۴۶ء	تا	۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء	
غیاث الدین بلبن	از	۶۶۴ھ / ۱۲۶۵ء	تا	۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء	
معز الدین کیقباد	از	۶۸۶ھ / ۱۲۸۷ء	تا	۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء	قتل کر کے جمنا میں لاش ڈال دی گئی
شمس الدین کیومرث	از	۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء			بچپن میں تخت پر بٹھایا گیا۔ اور چند ماہ بعد قتل

Marfat.com

کر دیا گیا۔ یہ قتل کیا ہوا اس خاندان کی سلطنت ہی ختم ہوگئی۔

خاندان خلجی

جلال الدین خلجی	از	۶۸۹ھ / ۱۲۹۰ء	تا	۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء
علاؤالدین خلجی	از	۶۹۵ھ / ۱۲۹۵ء	تا	۷۱۵ھ / ۱۳۱۵ء
شہاب الدین عمر	از	۷۱۵ھ / ۱۳۱۵ء	اسی سال قطب الدین مبارک اول نے قتل کر	
قطب الدین مبارک اول	از	۷۱۶ھ / ۱۳۱۶ء	تا	۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء مقتول
ناصر الدین خسرو	از	۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء		مقتول

خلجی خاندان کی سلطنت ختم

خاندان تغلق

غیاث الدین تغلق اول	از	۷۲۰ھ / ۱۳۲۰ء	تا	۷۲۵ھ / ۱۳۲۴ء

وفات حضرت قلندر صاحب رمضان ۷۲۴ھ

بادشاہوں کے تعلقات

اس سلسلہ میں قابل اعتماد واقعہ تو ایک ہی ملتا ہے جس کا تذکرہ حضرت امیر خسرو کے سلسلہ میں آچکا ہے۔ کہ علاؤالدین خلجی نے حضرت امیر کو حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں کچھ ہدیئے دے کر بھیجا تھا۔ اور جب حضرت امیر نے واپسی کے وقت درخواست کی۔ کہ قلندر صاحب بادشاہ کچھ تحریر فرمادیں۔ تو حضرت قلندر صاحب نے ایک پُرزہ کاغذ پر یہ لکھ کر دیدیا تھا۔ کہ:۔

علاؤالدین خلجی خوطہ دھلی مقرر دارند کہ بہ بندگان خدا تعالیٰ زندگانی نیکو کنند۔

یہ فقرہ چھوٹا سا ہے۔ مگر اس وقت کے حالات نے اس چھوٹے سے فقرہ کو بہت زیادہ معنی خیز بنادیا تھا۔ اس مختصر فقرہ میں ایک طرف بادشاہ کو اس

کی حقیقت بتادی گئی ہے۔ دوسری جانب اس کے فرض سے اُس کو آگاہ کیا گیا ہے
خوطہ، غالباً ترکی لفظ ہے۔ محصول (مالگذاری) کو کہتے ہیں۔ جو تحصیلدار
وصول کیا کرتے ہیں۔

تحصیلدار یعنی سب ڈویژن کا افسر اگرچہ آج کل اس علاقہ کا کوتوال یا
مجسٹریٹ نہیں ہوتا۔ مگر اس زمانہ میں عموماً یہ تینوں کام ایک ہی شخص کے متعلق
ہوا کرتے تھے یعنی حفاظت، انصاف اور واجبی مطالبوں کی وصولی۔

پس "خوطہ دھلی" کے معنی ہیں۔ کوتوال تحصیلدار۔ اور اگر یہی مجسٹریٹ بھی
ہو تو اس کے مفہوم میں "منصف" بھی داخل ہوگا۔ پس خوطہ دہلی کے لفظ نے
بادشاہ کی حیثیت ظاہر کردی۔ دوسرے فقرہ میں اس کا فرض یاد دلایا گیا ہے۔
فرض وہی ہے جس کے درد کی ٹیس ان بزرگوں کے دلوں کو ہر وقت مضطرب رکھا
کرتی تھی یعنی خدمت خلق اور ہمدردی بندگان خدا۔

اب یہاں ایک اور لطیفہ بھی قابل تذکرہ ہے۔ وہ یہ کہ جب یہ پرزہ بادشاہ
کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو حضرت امیر خسرو نے تو غالباً اس کو اپنا کارنامہ سمجھا۔
مگر خوشامدی مصاحب جن کی فطرت ہی نیش زنی ہوتی ہے۔

بقول حضرت شیخ سعدیؒ

نیش عقرب نہ از پئے کین ست
مقتضا طبیعتش این ست

بادشاہ کو چڑھانا چاہا کہ ان خود فریب صوفیوں کے دماغوں میں کتنا تکبر
گھسا ہوا ہے۔ شاہانہ آداب کا بھی لحاظ نہیں کرتے۔ کاغذ کا پرزہ خود توہین آمیز
اس پر یہ بے سروپا فقرہ۔ جس میں نہ القاب و آداب اور نہ سلام و دعا۔
غرض بادشاہ کو برافروختہ کرنے کی کافی گنجائش تھی اور اس گنجائش سے

کام لینے کی پوری کوشش کی گئی۔ مگر بادشاہ کے دل میں چور تھا جس کا خود اس کو احساس تھا۔

وہ خوب سمجھتا تھا کہ اُس نے دہلی کے بادشاہ کو جو اس کا مُربّی۔ چچا اور خسر بھی تھا۔ دھوکے سے قتل کر کے گورنری کے بجائے بادشاہت حاصل کی ہے۔ یہ خرقہ پوش خانہ بدوش فقراء اگرچہ نظام حکومت اور ملکی سیاست سے اُن کا تعلق نہیں ہے مگر بیشمار بندگانِ خدا کے دلوں پر یہ حکومت کرتے ہیں۔ اگر ان کے تیور بگڑے رہے تو اس کی بادشاہت ریت کا تودہ ہے۔ اس کو اپنی بادشاہت کے استحکام کی فکر تھی۔ کہ ایک طرف حضرت امیر خسرو کے ذریعہ سلطان المشائخ کی خوشنودی حاصل کر رہا تھا اور دوسری جانب امیر خسرو جیسے بذلہ سنج شاعر، صاحب ذوق ادیب اور باسلیقہ مصاحب کے ذریعہ حضرت قلندر صاحب کا گوشہ التفات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

علاؤالدین خلجی کامیاب رہا۔ اس کے بیش بہا ہدیئے تو نظر قلندر کو بادشاہ کی طرف مائل نہیں کر سکے۔ البتہ حضرت امیر خسرو کی سلیقہ مندی نے زبان قلندر سے کہلوا لیا۔

خوش خواہی بود، وخوش خواہی رفت

بادشاہ کا یہی احساس اور تاثر تھا کہ ان خوشامدی مصاحبوں کو جواب دیا۔

"اے نادانان ہزار ہا ہزار رحمت بر من کرد کہ خوطگی دھلی بر من ارزانی داشت"

اے نادانوں مجھ پر قلندر صاحب نے لاکھوں مہربانیاں کی ہیں۔ کہ دھلی کی خوطگی مجھے بخش دی۔

سلطان علاؤالدین خلجی کے علاوہ حضرت قلندر صاحب کے سلسلہ میں اور

Marfat.com

بھی چند بادشاہوں کے واقعات بیان کیئے گئے ہیں۔ مثلاً:۔

(۱) سلطان محمد تغلق کے متعلق روایت ہے کہ اُس نے حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں ایک رُباعی بھیجی اور درخواست کی کہ قلندر صاحب اس کا جواب ارشاد فرمائیں۔ رُباعی یہ تھی:۔

کہ راست کند صورت مردی و زنی	کون ہے جو مرد اور عورت کی صورت بناتا ہے
کہ بشکند این طلسم جانی و تنی	کون ہے جو اس جان و تن کے جادو کو توڑتا ہے
کس نیست کہ استاد قضا را پرسد	کوئی نہیں ہے جو استاد قضا سے سوال کرے
کز بہر چہ سازی و چرا مے شکنی	کیوں تو بناتے ہو اور کیوں توڑتے ہو؟

حضرت قلندر صاحب نے فی الفور یہ رُباعی موزوں کی اور سلطان کے پاس بھیجدی۔

شرط ست کہ در امر خدا دم نزنی	شرط ہے کہ خدا کے معاملہ میں دم نہ مارو۔
این نوع کہ ہستی تو نہ مردی نہ زنی	تم جس نوعیت کے ہو یہ ایسی صورت ہے کہ نہ تم مرد ہو نہ عورت
گل راچہ مجال ست کہ گوید بہ کلال	مٹی کی کیا مجال کہ کمہار سے پوچھے
کز بہر چہ سازی و چرا مے شکنی	کیوں تو بناتے ہو اور کیوں بگاڑتے ہو۔

اس ادبی چھیڑ چھاڑ سے تقریباً ایک سال بعد سلطان حضرت قلندر صاحب کے پاس پہونچا اور دست بستہ کھڑا ہو گیا۔ حضرت قلندر صاحب نے بادشاہ پر نظر ڈالی۔

اور فرمایا:۔ بادشاہ "کے روز یہاں رہو گے۔"

بادشاہ نے کہا "تین دن۔"

حضرت قلندر صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا "چار سال۔"

تغلق کو احساس ہوا کہ شاید میری باقی زندگی کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ

Marfat.com

یہ احساس یہاں تک بڑھا کہ اُس نے خزانوں کے دروازے کھول دیئے۔ اور بہت کچھ دولت تقسیم کر ڈالی۔ پھر واقعہ یہی ہوا کہ جیسے ہی چار سال پورے ہوئے سلطان کی وفات ہوگئی۔

یہ واقعہ اگر صحیح ہے تو بادشاہ کا نام غلط لکھا گیا ہے۔ کیونکہ سلطان محمد تغلق تو حضرت قلندر صاحب کی وفات کے بعد بادشاہ بنا۔ پھر پندرہ سال زندہ رہا ہے۔ بظاہر غیاث الدین تغلق اول کا یہ واقعہ ہے۔ وہ حضرت قلندر صاحب کے آخری دور ۷۲۰ھ میں بادشاہ ہوا۔ اور ۷۲۵ھ میں مکان اس پر گر گیا جس میں وہ دب کر مر گیا۔

(۲) فیروز شاہ ابھی بادشاہ نہیں ہوا تھا۔ سن شعور کا آغاز تھا۔ وہ حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور پابوس ہونے کی اجازت چاہی۔ جب قدم مبارک کو بوسہ دے چکا تو حضرت قلندر صاحب نے فرمایا۔ کیا نام ہے۔

فیروز شاہ نے عرض کیا۔ کمال الدین۔

ارشاد ہوا:۔ عمر بکمال، دولت بکمال، ونعمت بکمال۔

(۳) ایک مرتبہ تین بچے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تینوں ہوشیار مہذب اور باسلیقہ تھے۔ قلندر صاحب نے خادم کو حکم دیا۔ کہ ان کو کھانا کھلائیں۔ خادم ایک طشت میں کھانا لایا۔ تینوں لڑکوں نے بسم اللہ کہہ کر کھانا شروع کر دیا۔ حضرت قلندر صاحب نے تینوں کو ایک ہی "کاسہ" میں کھاتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:۔

"سبحان اللہ سہ بادشاہ دریک کاسہ طعام مے خورند!"

چنانچہ یہ تینوں لڑکے بعد میں بادشاہ بنے۔ ایک سلطان تغلق۔

Marfat.com

دوسرا سلطان محمود۔ تیسرا سلطان فیروز۔

خاتمہ کلام

ایک طویل تحریر جس کو آپ ختم کر رہے ہیں۔ جب اس کا سلسلہ شروع کیا۔ تو صرف ایک "مقالہ" کا ارادہ تھا۔ جو اخبار کے چند کالموں میں آجاتا۔ مگر جیسے جیسے حضرت قلندر صاحب کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر غور شروع کیا۔ مضامین کا ایک سیلاب امنڈنے لگا۔ اور طبیعت مجبور ہوئی کہ جہاں تک ممکن ہو ان کو قلمبند کرے

اولیاء اللہ کا احترام ہمارا عقیدہ ہے۔ اولیاء اللہ کی کرامات کے بھی ہم قائل ہیں۔ مگر رموز تصوف سے ناواقف ہیں اس بنا پر اہل تصوف کی اصطلاحات کو بھی استعمال کرنی مناسب نہیں سمجھتے۔ مگر اس موقع پر اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں ہے۔ کہ اہل تصوف کی اصطلاحات سے مدد لیں۔ اور یہ عرض کر دیں کہ اس مضمون کی ترتیب کے وقت ایسی صورت پیش آئی جس کو روحانی تصرف کہا جا سکتا ہے۔ یعنی اس مضمون یا کتاب کے کسی بھی حصہ پر جب غور کرنا شروع کیا تو ایسی باتیں ذہن میں آئیں۔ جن کا پہلے سے وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ اور یہ یقین مستحکم ہو گیا کہ یہ حضرت قلندر صاحب کا روحانی تصرف ہے۔ رحمۃ اللہ

بہر حال یہ کتاب اگر قابل قبول ہے تو وہ صرف حضرت قلندر صاحب کی کرامت ہے اور بس۔ رحمۃ اللہ

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

محمد میاں

۲۰ رجب ۱۳۸۲ھ ۱۸ دسمبر ۱۹۶۲ء

Marfat.com

حضرت شیخ شمس الدین ترک پانی پتی

یہ وہی قطب وقت، مرشد کامل اور صاحب خدمت ہیں۔ جن کی تشریف آوری کا تذکرہ حضرت قلندر صاحب کے حالات میں گذر چکا ہے کہ جیسے ہی آپ پانی پت میں فروکش ہوئے حضرت قلندر صاحب نے اپنے حجرہ مقدسہ سے بستر لپیٹنا شروع کر دیا حلوائی کے لڑکے نے جب کہا حضرت والا کہاں کو ؟ تو ارشاد ہوا:-

"یہ ولایت (علاقہ) ایک دوسرے صاحب کو سپرد ہو گیا ہے وہ تشریف لے آئے ہیں۔ اب مجھے اجازت نہیں ہے کہ میں یہاں قیام کر سکوں۔"

ہم انھیں قطب اور ابدال کیوں کہتے ہیں اور سلسلہ چشتیہ صابریہ ان پر کیوں ناز کرتا ہے۔ وہ آپ کا عظیم الشان ایثار ہے آپ کی حیرت انگیز قربانی ہے آپ کا لرزہ خیز مجاہدہ ہے۔

خدا جانے کیا دھن تھی جس نے آپ کو وطن عزیز سے نکالا سینکڑوں میل پا پیادہ چلایا۔ خطرناک جنگلوں اور پہاڑوں کو طے کراتے ہوئے ہندوستان پہونچایا اور پانی پت میں اس طرح آراستہ کر دیا کہ وہیں کے ہو گئے۔ وہیں دفن ہوئے وہیں مزار بنا۔ اور اسی خاک پاک سے قیامت کے روز آپ کا شاہانہ جلوس آئے گا۔ (انشاء اللہ)

وطن اور سلسلہ نسب مولانا غلام سرور صاحب نے معارج الولایت کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔ کہ خواجہ شمس الدین ترک

Marfat.com

پانی پتی شیخ احمد لسبوی کے فرزندوں میں سے ہیں۔ چند واسطوں سے آپ کا سلسلہ نسب حضرت محمد بن حنفیہ بن علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ تک پہونچتا ہے۔

صاحب سیر الاقطاب تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا وطن اصلی ترکستان ہے۔ اور آپ ساوات میں سے ہیں۔

سیر الاقطاب میں چند پشتوں تک آپ کے بزرگوں کے نام بھی تحریر کئے ہیں۔ شیخ شمس الدین ترک۔ ابن سید احمد بزرگ۔ ابن سید عبد المومن۔ ابن سید عبد الملک۔ ابن سید سیف الدین۔ ابن خواجہ قرعتاد۔ ابن بابا قرعتاد۔

قرعتاد، غالباً ترکی لفظ ہے۔ بابا قرعتاد کے بعد کا سلسلہ درج نہیں ہے بہرحال نام کی عجمیت سے اتنی بات ظاہر ہے۔ کہ سلسلہ نسب میں ابھی بہت سے واسطہ اور ہیں۔ اور یہ کہ کافی مدت سے یہ خاندان ترکستان میں آچکا ہے۔ یہاں تک کہ نام پر بھی عجمیت کا اثر پڑ گیا۔ پھر چونکہ بابا قرعتاد کے بعد سلسلہ کے دوسرے بزرگوں کے نام صاحب سیر الاقطاب کو بھی معلوم نہیں ہے۔ لہذا اس کی تردید نہیں ہوسکتی کہ آپ محمد بن حنفیہ کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔ نہ اس کا کوئی ثبوت ہے کہ آپ فاطمی ہیں۔ پس فیصلہ یہی کرنا پڑتا ہے کہ آپ علوی سادات میں سے ہیں۔

تعلیم اور تاہّل

مولانا غلام معین الدین صاحب مصنف معارج الولایت تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے وطن ہی میں علوم ظاہری کی تکمیل کی۔ اور جیسا کہ آئندہ سیر الاقطاب کے حوالہ سے نقل ہوگا۔ آپ وہاں صاحبِ اہل وعیال بھی ہوگئے۔ پھر آپ طلب حق میں اپنے وطن سے روانہ ہوئے۔ اور ہمارے خیال میں طلبِ حق کے بجائے صحیح یہ ہے کہ آپ طلب مولیٰ اور جستجوئے یار میں وطن سے روانہ ہوئے۔ ترکستان کو خیرباد کہا۔ ماورانہر پہونچے۔ وہاں کے علماء اور مشائخ سے استفادہ کیا۔ مگر تسکین

Marfat.com

نہیں ہوئی تو ہندوستان کا رُخ کیا سینکڑوں میل کی مسافت طے کر کے آپؒ اجودھن" پہونچے۔ جہاں حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کا دربار جما ہوا تھا۔ جہاں درد دل کے مریضوں کا دار الشفاء تھا۔

یہاں کتنا عرصہ آپ نے "دل صد پارہ" کی مرہم پٹی میں صرف کیا، اس کا علم نہیں۔ البتہ "صاحب سیر الاقطاب" کی شہادت یہ ہے کہ آپ اس دار الشفاء سے یہاں تک فیضیاب ہوئے کہ عشق حقیقی کی سند یعنی خرقۂ خلافت آپ کو عطا ہو گیا۔ خرقۂ خلافت سند عشق ہے۔ اس سے میکدۂ عشق میں داخلہ ہو سکتا ہے۔ مگر یہ داخل ہونے والا ساقی نہیں بن سکتا۔

یہ جو ترکستان سے وادیٔ عشق کے سنگریزوں اور خار مغیلاں کو بوسہ دیتے ہوئے آئے تھے۔ صرف اپنی سرمستی اور اپنی وارفتگی پر راضی نہیں ہو سکتے تھے جب تک وہ جام و سبو ہاتھ نہ آجائے جو دوسروں کو بھی اسی طرح سرمست اور وارفتہ بنا سکے۔

جب حضرت شمس الدین ترکؒ نے اس جذبہ کے ساتھ آستانہ فریدی پر نظر ڈالی، تو جواب یہ ملا۔ کہ ساقی میکدہ بننا ہے تو ہمارے صابر کی خدمت میں حاضری دو۔

مخدوم المشائخ حضرت خواجہ علاؤ الدین صابر کلیری جو اپنے ماموں اور مربی روحانی حضرت فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے مطبخ اور لنگر خانہ کے بارہ سال تک منتظم و مہتمم رہے اور ایک نوالہ کسی کھانے کا نہیں چکھا کیونکہ حضرت شیخ کی طرف سے جب خدمت اہتمام سپرد ہوئی تو واضح الفاظ میں اس کی اجازت نہیں دی گئی تھی۔

یہ احتیاط بھی قابل قدر تھی۔ مگر اس سے زیادہ قابل قدر وہ ضبط و تحمل اور وہ اخفا تھا کہ بارہ سال تک کسی کو خبر نہیں ہونے دی کہ اپنے خورد و نوش کا فاقہ مستانہ نظام مطبخ سے قطعاً جدا ہے۔ جس کا ہنڈیا چولہا جو کچھ بھی ہے،

وہ "توکل" ہے۔

غالباً ضبط واخفا کی یہی بے نظیر طاقت تھی جس نے حضرت خواجہ فریدالدین رحمۃ اللہ علیہ کو موہ لیا۔ چنانچہ جب حضرت گنج شکرؒ کو علم ہوا تو وجد آفریں کیفیت پیدا ہوئی اور بے اختیار زبان مبارک سے نکلا۔

علاؤالدین علی احمد صابر سنت (ہمارا علاؤالدین علی احمد "صابر" ہے۔)

حضرت شیخ کی زبان مبارک سے لفظ "صابر" اس طرح ادا ہوا کہ یہی لفظ خطاب بن گیا۔ اور یہاں تک مشہور ہوا کہ حقیقی نام کی روشنی بھی اس کے سامنے ماند پڑ گئی۔

یہی "صابر" ہیں جن کی خدمت میں حاضری اور جن کی بارگاہ سے وابستگی کا حکم حضرت ترک کے لئے حضرت گنج شکر کی بارگاہ سے صادر کیا جا رہا ہے۔

اب حضرت "ترک" رحمۃ اللہ علیہ کی نکتہ شناسی ملاحظہ ہو۔ کہ حضرت "صابر" کے دامن سے وابستہ ہوئے تو اسی "جوہری وصف" کو اپنے لئے بھی منتخب کر لیا جو خطاب "صابر" کی بنیاد تھا۔

"محتاط خدمت" حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد کا طرۂ امتیاز تھا۔ اسی گوہر آبدار کو حضرت ترک" نے اپنے امتیاز کے لئے بھی منتخب فرمایا۔ چنانچہ پندرہ سال تک حضرت شیخ کے وضو اور غسل اور عام مہمانوں کے لئے کھانا پکانے اور جنگل سے لکڑیاں لانے کی خدمت اپنے ذمے لے رکھی۔ اور اس خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے کہ حضرت شیخ کی طرف سے جب "خرقۂ خلافت" عطا ہوا تو فرزند کا خطاب بھی "سونے پر سہاگے" کا کام کر رہا تھا۔ اور حضرت شمس الدین ترک دو چند مبارک باد کے مستحق تھے۔

آگے بڑھنے سے پہلے ضروری ہے کہ ان چند نکتوں کی بھی وضاحت

Marfat.com

کردی جائے۔ جن کو ارباب طریقت کی اصطلاح میں "رموز" کہا جا سکتا ہے۔ اور جو اس موقع پر دامن غور و فکر کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔

(۱) مصیبت کے وقت جزع فزع نہ کرنا اور خاموش بیٹھے رہنا بھی صبر ہے۔ مگر صرف اسی کیفیت میں صبر کا انحصار نہیں ہے۔ "صبر" در حقیقت ایک طاقت ہے۔ ایسی طاقت کہ رب العزت نے اس سے مدد لینے کی ہدایت فرمائی ہے۔ "استعینوا بالصبر والصلوٰۃ" (صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو) یہ وہ طاقت ہے جس کا دوسرا نام "ضبط و تحمل" ہے۔ مصائب کو جھیلنا۔ اور پیشانی پر شکن نہ آنے دینا۔ نصب العین پر اس طرح جم جانا کہ بڑی سے بڑی مصیبت اور سخت سے سخت حادثہ بھی پائے استقلال میں جنبش نہ پیدا کر سکے۔ یہ ایک طاقت ہے جس کا نام صبر ہے۔ جس سے تاریخی زندگی کے ہر ایک موڑ پر واسطہ پڑتا ہے۔ حضرت خواجہ گنج شکر نے جب علاؤ الدین علی احمد کو صابر فرمایا۔ تو گویا معنیٰ "صبر" کی تفسیر بھی کر دی۔ وہ ضبط و تحمل کی مثبت طاقت ہے۔ جس کی تصویر حضرت علی احمد کلیری نے اپنے عمل سے پیش کی۔

(۲) ہمیں ان بزرگوں کے اوصاف خصوصی میں صرف "رقص و سماع" یاد رہ گیا۔ حالانکہ حضرت صابر کی خصوصیت وہ غیر معمولی تقویٰ ہے جس نے بارہ سال برابر مطبخ کے ایک ایک دانہ کو حرام بنائے رکھا۔ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کے ماموں تھے۔ ماموں کی غیر معمولی شفقت تھی یا حضرت کلیری کی غیر معمولی سعادت اور صلاحیت کہ آپ کو حضرت فرید "فرزند" بھی فرمایا کرتے تھے۔ جب تعلقات اس درجہ ہوں تو کھانے پینے کی چیزوں میں رکھ رکھاؤ نہیں رہا کرتا۔ قرآن حکیم نے بھی اس کی اجازت دی

ہے کہ ایسے تعلقات میں بلا اجازت بھی کھا پی سکتے ہو۔ (سورہ نور)

لیکن اس گہری یگانگت کے باوجود جو شخص اتنا محتاط ہو۔ کہ بارہ سال تک متوکلانہ زندگی کی دشواریاں اور تلخیاں برداشت کرتا رہے۔ اور ایک دانہ بھی مطبخ سے نہ چکھے۔ کیونکہ ان کو مطبخ کا "امین" اور مہتمم بنایا گیا تھا۔ اور "امین" کے لئے احتیاط اور تقویٰ یہی ہے کہ خیانت کا کم سے کم اور کمزور سے کمزور شبہ بھی نہ آنے دے۔ کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ وہ رب العزت کے دوسرے احکام اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے بارہ میں محتاط اور متقی نہ ہوگا۔

افسوس سوانح نگاروں نے اس پہلو پر روشنی نہیں ڈالی۔ مگر یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے جو عقل کی روشنی سے پوری طرح نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے کہ حضرت صابر اپنے دور کے عظیم الشان متقی اور پرہیز گار بھی تھے۔ ظاہر ہے جو شخص انسانی حقوق میں اس درجہ متقی ہو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے حق میں کیا کچھ متقی نہ ہوگا۔

(۳) ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے لفظ ترک بھی مشہور ہو گیا تھا۔ حضرت خواجہ شمس الدین صاحب مسلمان تھے اور ترکستان سے بھی آئے تھے لیکن حضرت مولانا لغار اللہ صاحب عثمانی پانی پتی کی تحقیق یہ ہے۔ کہ حضرت شیخ شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کے لئے جو لفظ بطور خطاب استعمال ہوتا ہی وہ تَرک (تار کے زبر کے ساتھ) ہے جس کی ہندی "تیاگ" ہے۔ اور ظاہر ہے اس سے بڑھ کر ترک اور تیاگ کیا ہو سکتا ہے کہ آپ نے وطن چھوڑا۔ اہل و عیال چھوڑے۔ مال و متاع چھوڑا۔ جو کچھ تھا سب ہی ترک کر کے راہ خدا میں قدم رکھا۔ اور جب حضرت صابر اور ان کے

Marfat.com

مہمانوں کی خدمت ذمہ لی جس کے لئے لکڑیاں جنگل سے لانی پڑتی تھیں تو ظاہر ہے "آرام و سکون" بھی ترک کر دیا۔ اہل و عیال کو ترکستان میں چھوڑا تو اس طرح کہ پھر آخر تک "تجرد" کی زندگی بسر کی۔ اتباع سنت کے لئے صرف پہلی شادی ہی کو کافی سمجھا۔ "ترک" "تارکے پیش" کے ساتھ اس لئے بھی قرین قیاس نہیں کہ آپ نسلاً ہاشمی اور علوی سید تھے۔

فوجی ملازمت سوانح نگاروں کا متفقہ بیان ہے کہ حضرت خواجہ شمس الدین ترک "غیاث الدین بلبن" کی فوج میں بھرتی ہوئے۔ اور ایک عرصہ تک فوجی خدمات انجام دیں۔ خیال ہو سکتا ہے کہ شاید ہندوستان میں آپ کی تشریف آوری طلب معاش کے لئے ہو جیسا کہ اُس وقت کا معمول تھا۔ لیکن اگر آپ کا یہ سفر طلب معاش کے لئے ہوتا تو آپ کے قدم "دھلی" کی طرف اُٹھتے۔ دھلی دار السلطنت تھا۔ اور پنجاب کا دار الحکومت لاہور یا ملتان تھا۔ لیکن آپ نے نہ لاہور کا رُخ کیا نہ دہلی کی سمت دیکھا۔ آپ سیدھے اجودھن پہونچے جو "راہ عشق کی منزل" تھی۔

ایک روایت یہ کہی ہے کہ آپ کو جیسے ہی حضرت خواجہ صابر کلیری کی وفات کا علم ہوا تو فوج سے رخصت ہو کر "کلیر شریف" پہونچ گئے۔ جہاں حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ مبارک بے گور و کفن تھا۔ ایک شیر اُس کی حفاظت کر رہا تھا۔ لیکن یہ روایت اس لئے غلط ہے کہ غیاث الدین بلبن جس کی فوج میں آپ ملازم تھے۔ اور اس کی زندگی ہی میں آپ مستعفی ہو گئے۔ اس کی وفات حضرت خواجہ کلیری کی وفات (سنہ ۶۹۰ھ) سے چار سال پہلے ۶۸۶ھ میں ہو چکی تھی

اس کے برعکس صاحب سیر الاقطاب نے تحریر کیا ہے۔ کہ:۔

آپ پندرہ سال تک حضرت خواجہ کلیری کی خدمت میں حاضر رہ کر غسل وضو، کھانا پکانے اور جنگل سے لکڑیاں لانے کی خدمت انجام دیتے رہے۔

Marfat.com

اس کے بعد آپ فوج میں ملازم ہوئے اور اخفاء کی زندگی بسر کرنے لگے۔ پھر جب فوج میں آپ کی کشف و کرامت کا ظہور ہوا۔ اور آپ کے اخفاء کا پردہ چاک ہونے لگا تو آپ فوج سے مستعفی ہو کر "پیر روشن ضمیر" کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ کچھ عرصہ بعد آپ کو خرقہ خلافت عطا ہوا۔ اور "پانی پت" کا حلقہ آپ کے سپرد ہوا۔

صاحب معارج الولایت نے لکھا ہے:۔

جب حضرت خواجہ علی احمد کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کا زمانہ قریب ہوا تو آپ نے خرقہ خلافت عطا فرمایا اور پانی پت جانے کی اجازت بخشی۔ مگر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میری وفات کے بعد تین روز یہاں قیام کریں پھر پانی پت تشریف لے جائیں۔

فوجی ملازمت کب کی؟

بہرحال یہ تو عقل اور نقل دونوں سے ثابت ہو گیا کہ جب حضرت خواجہ صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ہوئی تو آپ فوج میں ملازم نہیں تھے۔ بلکہ فوجی ملازمت ترک کر کے آ چکے تھے۔

پھر جب کہ سوانح نگاروں کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ آپ غیاث الدین بلبن متوفی (۶۸۶ھ) کے زمانہ ہی میں فوجی ملازمت سے کنارہ کش ہو کر کلیر شریف اپنے پیر روشن ضمیر کی بارگاہ میں حاضر ہو چکے تھے تو ظاہر ہے آپ ۶۸۶ھ (سال وفات بلبن) سے ایک دو سال قبل اور ممکن ہے اس سے بھی زیادہ عرصہ پہلے کلیر شریف واپس آ چکے ہیں۔

پھر جب یہ بھی صحیح ہے کہ پندرہ سال آپ حضرت خواجہ کی خدمت میں کلیر شریف رہنے کے بعد فوجی ملازمت کے لئے گئے تھے تو کلیر شریف میں آپ

Marfat.com

کی حاضری ٦٦٠ھ سے پہلے ہو چکی ہے۔

حضرت خواجہ فریدالدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ کے سال وفات میں اختلاف ہے۔ آپ کا سال وفات ٦٦٠ھ ۔ ٦٦٦ھ اور ٦٦٧ھ بتایا گیا ہے۔

ہم احتیاطاً پہلی روایت کو تسلیم کرتے ہوئے یہ فیصلہ کرتے ہیں کہ ٦٥٩ھ یا ٦٦٠ھ میں حضرت خواجہ ترک۔ اجودھن سے کلیر حاضر ہوئے۔ پندرہ سال حضرت "صابر" کی خدمت کی۔ پھر تقریباً ٦٧٦ھ میں فوجی ملازم ہوئے۔ اور پانچ چھ سال ملازمت کرکے تقریباً ٦٨٢ھ میں پھر حضرت صابر کے آستانہ پر آپڑے۔ اور اب آخری تربیت اور تکمیل کے بعد آپ کو تقریباً ٦٩٠ھ میں پانی پت کا علاقہ سپرد ہوا۔ اور یہ ہدایت فرمائی گئی کہ حضرت صابرؒ کی وفات سے چند روز بعد آپ پانی پت تشریف لے جائیں۔

اس سے حضرت قلندر صاحب کی سوانح کا بھی ایک حصہ سامنے آجاتا ہے کہ ٦٩٠ھ کا وہ دور تھا کہ آپ پر کیفیت جذب طاری ہو چکی تھی۔ حتیٰ کہ سلسلہ ارشاد و تربیت آپ کے بجائے حضرت خواجہ ترک کے سپرد ہوا۔ اور آپ کو پانی پت سے باہر تشریف لے جانے کی ہدایت ہوئی۔ ہم نے حضرت قلندر صاحب کے تذکرہ میں تحریر کیا ہے۔ کہ غیاث الدین بلبن کی وفات کے بعد طوائف الملوکی کے بھیانک دور نے آپ کی حساس طبیعت پر خاص اثر کیا تھا۔ واقعات کی مندرجہ بالا ترتیب سے اس کی بھی توثیق اور تائید ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فوجی ملازمت کیوں کی؟

دربار "اجودھن" میں داخلہ وہاں ذکر و شغل اور ریاضت و مجاہدہ پھر حضرت گنج شکر کے ارشاد پر کلیر شریف میں حاضری۔ حضرت صابر کی غلامی۔ اور پندرہ سال تک غلامانہ خدمت، نیازمندی۔ اور تعلقات دنیا سے یہاں تک کنارہ کشی کہ آپ

Marfat.com

کا خطاب ہی "ترک" ہو گیا۔

اس کے بعد فوج کی ملازمت، اور فوج بھی ایک بادشاہ کی فوج، جس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ پابند شریعت ہو۔

غیاث الدین اگرچہ نیک خصلت بادشاہ تھا۔ مگر تاہم بادشاہ تھا۔ بادشاہت سے اسلام کو جو نفرت ہے اس کا اندازہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہو سکتا ہے۔ کہ:-

"اللہ تعالیٰ کے یہاں سب سے زیادہ قابل نفرت خطاب یہ ہے کہ کسی کو "ملک الاملاک" "شاہنشاہ" کہا جائے" (ترمذی شریف)

پھر عجیب لطیفہ یہ ہے کہ مصنف سیر الاقطاب جو ان بزرگان سلسلہ صابریہ چشتیہ کے سب سے بڑے مداح ہیں۔ تحریر فرماتے ہیں کہ جب حضرت مخدوم خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کو پانی پت بھیجنے کا ارادہ فرمایا تب:

"عرض کرد کہ بندہ ہنوز لیاقت آں ندارد۔ اگر فرمان شود چند گاہ مزدوری کند حضرت مخدوم التماس ایشان قبول نمودہ رخصت فرمود"

(ترجمہ) عرض کیا کہ بندہ اس خدمت کی لیاقت نہیں رکھتا۔ اگر اجازت ہو کچھ دنوں مزدوری کر لوں۔ حضرت مخدوم (کلیری) نے اُن کی درخواست منظور فرما کر اُن کو رخصت فرمایا۔

گویا آپ فوج میں بھرتی اس لئے ہوئے تھے کہ کچھ مزدوری مل جائے۔ فاقہ مستی ختم ہو۔ کچھ ہاتھ کھلے۔ اور کچھ دام پلے میں ہوں تو پانی پت جا کر کام کر سکیں ایک بلند و بالا مقصد کے لئے کوئی شخص کچھ دولت فراہم کرتا ہے جو اس کے لئے توشہ کا کام دے سکے تو خلاف شریعت نہیں۔ بلکہ نظر شریعت میں خصوصاً ارشاد ربانی "وتزودوا فان خیر الزاد التقوے" (اور توشہ لے لو۔

Marfat.com

بس بہترین توشہ تقویٰ ہے) کے پیش نظر یہ ایک ارشاد خداوندی کی تعمیل ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان بزرگوں کی متوکلانہ زندگی کے ساتھ یہ بات جوڑ نہیں کھاتی کہ روپیہ فراہم کرنے کے لئے فوج کی نوکری کی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ حضرات جس طرح دین اسلام کو کامل و مکمل سمجھتے تھے ایسے ہی اُن کی کوشش یہ بھی ہوتی تھی کہ دین کے تمام احکام پر عمل کریں۔ اور شریعت کا جو حکم بھی اہمیت کے ساتھ سامنے آئے اس کی پوری پوری تعمیل کریں۔

جس طرح رب العالمین کا حکم یہ ہے :۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً ۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ ۔ (سورہ بقرہ)

اے مسلمانو! اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ (کہ اس کے ہر ایک عقیدہ کو تسلیم کرو اور اس کے ہر ایک حکم پر عمل کرو۔ کسی عقیدہ کو مان کر اور کسی سے انکار کرکے یا کسی حکم پر عمل کرکے اور کسی سے معاذ اللہ انکار کرکے) شیطان کی پیروی نہ کرو۔

اسی طرح ارشاد ربانی یہ بھی ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ؕ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَ یُقْتَلُوْنَ ۔ (سورہ توبہ)

بیشک اللہ تعالیٰ نے خرید لی ہیں مسلمانوں سے اُن کی جانیں اور اُن کے مال اس معاوضہ میں کہ اُن کو جنت ملے گی۔ یہ مسلمان راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں قتل بھی کئے جاتے ہیں۔ اور دوسروں کو بھی قتل کرتے ہیں۔

جب نفس مومن، دین وملت، ملک وقوم کے تحفظ، دفاع اور قتل وقتال کے لئے خریدا جا چکا تو کبھی ایسا بھی ہونا چاہیئے کہ اس بچی ہوئی جان کو خریدار کے

Marfat.com

دامن میں پھینکدے۔ وہ اس کو اپنے پاس رکھ لے۔ یا کچھ عرصہ کے لئے اس کے پاس رہنے دے۔ فمنھم من قضی نحبہٗ ومنھم من ینتظر (سورۃ احزاب) (کچھ اپنی نذر اور منت پوری کر چکے (اپنی جان جان آفرین کے حوالہ کر دی) اور کچھ انتظار کر رہے ہیں۔ (کب وقت آئے اور کب ہم جان عزیز کی حقیر پونجی مالک حقیقی کے سپرد کریں۔)

قرآن پاک کے اعجاز اور شیریں بیانی کا بھی کیا ٹھکانا۔ کہ شہید ہونے والوں کے لئے فرمایا ہے۔ قضی نحبہ۔ یعنی اس نے اپنی منت پوری کر دی۔ یعنی مومن کی شان یہ ہے کہ وہ راہِ خدا میں شہادت کی منت مانگے۔

محدثین کے سرتاج، حضرت محمد بن اسمٰعیل رحمۃ اللہ علیہ بخاری (امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ) کے جلیل القدر استاذ سیدنا حضرت عبد اللہ بن مبارک۔ خلافت عباسیہ کے ابتدائی دور میں گزرے ہیں۔ آپ جس طرح جلیل القدر محدث ومفسر اور عظیم الشان فقیہ تھے۔ ایسے ہی پرشوکت مجاہد، باہمت وجفاکش مبلغ عالی حوصلہ۔ شیخ طریقت بھی تھے۔ آپ نے سال کے بارہ مہینوں کو چار حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ جس طرح روزہ۔ حج۔ درس وتدریس اور طلب معاش کے لئے سال کے مہینے مقرر کئے تھے۔ ایسے ہی سال کا ایک حصہ جہاد کے لئے بھی مقرر کیا تھا۔ منشا یہ تھا کہ ...... اللہ تعالیٰ سے جو خود اپنی جان کے متعلق عہد ہوا ہے۔ اس کی تکمیل ہو۔

کیا وجہ ہے کہ ہم شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کی اس شرکت فوج کو بھی اسی طرح کا فعل نہ مانیں۔ بلاشبہ آپ نے بھی فوج میں شرکت کر کے "متاع جان" اس کے خریدار اور اس کے مالک حقیقی کی بارگاہ میں پیش کر دی۔ اور یہ آخری درجہ کی ریاضت تھی جس کی ضرورت خصوصیت سے اس وقت تھی جب آپ کو کلیر شریف کے دربار سے پانی پت جانے کا حکم ہو رہا تھا۔

Marfat.com

باقی یہ سوال کہ غیاث الدین بلبن خلیفہ نہیں بادشاہ تھا۔ اور ضروری نہیں تھا کہ اُس کی فوج کشی کو "جہاد" کہا جا سکے۔ یہ سوال اپنی جگہ درست ہے اور اس بنا پر یہ حضرات بادشاہی کاموں سے قطعاً کنارہ کش رہا کرتے تھے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ ان بادشاہوں کی ہر ایک لشکر کشی غیر اسلامی ہی ہو۔

بادشاہ اگر حملہ آور ہو، تو یہ سوال ہو سکتا ہے کہ یہ حملہ اور یہ اقدام اسلام کی حمایت میں ہے یا ملک گیری کی ہوس میں۔ لیکن اگر بادشاہ ملک سے دفاع کر رہا ہے، مثلاً حملہ آور کا مقابلہ کر رہا ہے یا باغی کی بغاوت کچل رہا ہے تو اس صورت میں اس کی امداد و اعانت لامحالہ ضروری ہوگی۔ اور اس جائز بلکہ نہایت ضروری مقصد کے لئے بادشاہ کے ساتھ تعاون کرنا فرض ہوگا۔

غیاث الدین بلبن بادشاہ ضرور تھا۔ مگر صرف مسلمانوں نے نہیں بلکہ ہندو مصنفین نے بھی اعتراف کیا ہے کہ:-

(۱) وہ سختی سے عدل و انصاف پر قائم رہتا تھا۔ اس کے یہاں رو رعایت نہیں ہوتی تھی۔

(۲) اُس نے اپنی سلطنت کی توسیع کے لئے دوسرے ملکوں پر یورش نہیں کی مگر اپنی سرحدوں کو ہر طرح محفوظ رکھا۔

(۳) اُس کے بہتر نظم و نسق کا اثر یہ ہوا کہ بغاوتوں کا کہیں نام باقی نہیں رہا۔

(تاریخ ہند از تارا چند صاحب)

غیاث الدین کے دور حکومت کے دو واقعے نہایت اہم ہیں۔

(۱) ۶۷۸ھ (۱۲۷۹ء) میں بنگال کے حاکم طغرل نے بغاوت کر دی۔ بلبن نے بنگال پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی اور طغرل کو قتل کر دیا۔

(۲) ۶۸۴ھ (۱۲۸۵ء) میں شمالی مغربی سرحد پر مغلوں نے حملہ کیا۔

Marfat.com

بلبن کا سب سے بڑا اور سب سے لائق اور قابل لڑکا "محمد" اس لڑائی میں شہید ہوا۔

ان دونوں واقعات میں طغرل کے قتل کر دینے پر فقہی نقطہ نظر سے بحث کی گنجائش ہے لیکن جہاں تک فوج کشی کا تعلق ہے ظاہر ہے کہ دونوں لڑائیاں شرعی جہاد کا حکم رکھتی ہیں۔ اور صاحب حوصلہ مسلمان پر اگر وہ جہاد کی طاقت رکھتا ہو۔ جہاد لازم اور ضروری قرار دیتی ہیں۔

اب قرین قیاس یہ ہے کہ حضرت ترک رحمۃ اللہ علیہ مزدوری حاصل کرنے کے لئے فوج میں بھرتی نہیں ہوئے۔ بلکہ تحفظ وطن اور ملک کے امن و امان کو باقی رکھنے کے لئے فوج میں بھرتی ہوئے۔

حاکم بنگالہ کی بغاوت معمولی بات نہیں تھی، اس کی بغاوت کو فرو کرنے کے لئے بادشاہ نے امداد و اعانت کی عام اپیل کی ہوگی[۵]۔ اس اپیل پر لبیک کہنا ہر ایک حامی ملک و ملت کا فرض تھا۔ حضرت ترک نے یہ فرض ادا کیا (رحمۃ اللہ) اور جیسے ہی یہ فرض ادا ہوا، باغیوں کو شکست ہوئی۔ حضرت ترک فوج سے رخصت ہو کر اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

---

۵ حاکم بنگالہ کا قتل اور بادشاہ کی شکست ۶۷۸ھ کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ اور ہمارے حساب سے جو دو صفحہ پہلے گذر چکا ہے حضرت شیخ شمس الدین ترکؒ تقریباً ۶۷۰ھ میں فوج میں بھرتی ہوئے ہیں۔ اب یہ تو معین ہو جاتا ہے کہ جس جنگ میں حضرت شیخ کی شرکت ہوئی وہ یہی بنگالہ کی جنگ ہے۔ البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ بادشاہ نے فوجی بھرتی کا اعلان ۶۷۶ھ میں کیا ہو۔ بہر حال دہلی سے بنگال تک سفر کرنے اور اس طویل سفر اور پھر اس عظیم جنگ کی تیاری میں وقت صرف ہوا ہوگا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت خواجہ فرید کی وفات ۶۶۶ھ میں تسلیم کی جائے اور حضرت شیخ شمس الدین صاحب کی کلیر شریف تشریف آوری ۶۶۳ھ میں مانی جائے تو پندرہ سال ۶۷۸ھ میں پورے ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم

Marfat.com

دولت دنیا کمانے کے لئے حضرت ترک نہیں گئے تھے بلکہ فریضہ دینی کا ایک اہم تقاضا تھا۔ اس کو پورا کرنے کے لئے فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ یہ فریضہ دینی یقیناً پانی پت پہونچکر ارشاد و تبلیغ سے بہت زیادہ اہم تھا۔ اسی بنا پر جب حضرت شیخ کلیری نے پانی پت جانے کی فرمائش کی تو آپ نے معذرت پیش کی جو فوراً قبول ہوئی۔ کیونکہ معذرت کا حاصل یہ تھا کہ فریضہ جہاد اس وقت تبلیغ وارشاد سے مقدم ہے

یہ خیال بھی ہوسکتا ہے کہ آپ دوسرے معرکہ میں شریک ہوئے ہوں جو مغلوں سے پیش آیا۔ مگر یہ خیال اس بنا پر صحیح نہیں کہ حضرت ترک اس فوج میں تھے جس کی کمان خود بادشاہ کر رہا تھا۔ مغلوں کے مقابلہ میں کمانڈر بادشاہ نہیں تھا۔ بلکہ اس کا محبوب اور رقابل فرزند "محمد" تھا جو شہید ہوا۔

فوج میں کشف وکرامت کا ظہور

اب آئیے کچھ ان حضرت کی روائیتوں سے بھی دلچسپی لے لیجئے۔ جو سوانح نگار حضرات نے بیان فرمائی ہیں جن کے نزدیک عظمت وتقدس کا مدار کرامتوں پر ہے۔

صاحب سیر الاقطاب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ:۔

بادشاہ کسی قلعہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھا۔ کافی مدت گذر گئی تھی کہ قلعہ فتح نہیں ہوسکا تھا۔ ایک روز اتفاق سے ایسی آندھی چلی کہ فوج کے خیمے اُکھڑ گئے۔ آندھی کے بعد موسلا دھار بارش ہوئی۔ سردیوں کا موسم تھا۔ پورے لشکر کو سخت پریشانی ہوئی۔ آندھی میں جب خیمے بھی اُڑ گئے تو شمع یا چراغ کی تو کیا حقیقت تھی۔ سب چراغ بھی بجھ گئے۔ شاہی خیمہ میں بھی اندھیرا ہوگیا۔ اب روشنی اور گرم پانی کے لئے آگ کی ضرورت پڑی۔ تو شاہی باورچی خانہ کا باورچی اور ایک سقہ آگ کی تلاش میں چلے کہ شاید کہیں کوئی چنگاری مل جائے۔ مگر کہیں کوئی چنگاری تو کیا کوئی ٹمٹماتی ہوئی شمع بھی نہیں ملی۔ البتہ کافی فاصلہ طے کرنے کے بعد خرگاہ کے

ایک کنارے پر ایک خیمہ میں چراغ جلتا ہوا نظر آیا۔ باورچی کو تعجب بھی ہوا۔ کہ یہ شمع کس طرح باقی ہے اور مسرت بھی بے حد ہوئی۔ کہ "طلب" اور جستجو میں کامیابی ہوگئی۔ پھر یہ دونوں اس خیمہ کی طرف لپکے۔ دیکھا کہ ایک بزرگ تشریف فرما ہیں۔ شمع سامنے ہے اور وہ خود تلاوت کلام پاک میں مشغول ہیں۔ باورچی قریب پہونچا مگر اس کی ہمت نہیں ہوئی کہ تلاوت کے مقدس مشغلہ میں خلل انداز ہو۔ دفعتہ" خود اس بزرگ کی نظر اٹھی۔ دیکھا ایک شخص کھڑا ہے۔ فرمایا۔ کیا بات ہے؟ اس وقت یہاں کیسے؟ عرض کیا۔ شاہی باورچی خانہ کا انچارج ہوں۔ آگ کی ضرورت ہے۔ پورے لشکر میں گھوم لیا۔ آگ تو آگ کہیں چراغ بھی نہیں جل رہا۔ آپ کے یہاں شمع روشن ہے۔ اجازت ہو تو اس سے اپنی شمع روشن کرلوں۔

بزرگ۔ شوق سے اپنی شمع روشن کیجئے۔

بہرحال باورچی نے شمع روشن کی۔ ایک لکڑی میں آگ لگا کر جلتی ہوئی لکڑی باورچی خانہ میں لے گیا۔ اور وہاں اپنا کام شروع کر دیا۔

اس وقت تو باورچی کے ساتھ سقا بھی چلا گیا۔ مگر اس کو سخت حیرت رہی کہ "یہ درویش" کون ہیں؟ جن کے انفاس قدسیہ میں یہ طاقت ہے کہ آندھی کی سرتابیوں کو بھی وہ مطیع اور فرماں بردار بنا دیتے ہیں۔

سردیوں کی رات دراز ہوتی ہے۔ سقا رحمو جو حیرت تھا۔ جب سونے کے لئے لیٹا تو نیند غائب تھی۔ خدا خدا کرکے آنکھ لگی تو پھر فوراً ہی کھل گئی۔ بالآخر اس سے نہ رہا گیا۔ جیسے ہی تہجد کا وقت ہوا سقا اپنا بستر چھوڑ کر کھڑا ہو گیا۔ اور اسی خیمہ پر پہونچا کہ ان بزرگ صاحب کی زیارت کر سکے۔ مگر اس کو بہت افسوس ہوا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ بزرگ خیمہ سے غائب ہیں۔ مگر وہ مایوس نہیں ہوا اس نے ادھر ادھر نظر دوڑائی تو کنارہ پر ایک تالاب نظر آیا۔ سقہ اس طرف چلا۔

Marfat.com

قریب پہونچا تو دیکھتا ہے ایک صاحب ایک گھاٹ پر تشریف فرما ہیں۔ اور بڑے اطمینان سے وضو کر رہے ہیں۔ سردی سخت ہے۔ پالا پڑ رہا ہے۔ پانی جما جا رہا ہے۔ اس سقے کی حالت یہ ہے کہ ہاتھ پاؤں ٹھٹھرے جا رہے ہیں۔ مگر یہ بزرگ بڑے اطمینان سے سنن و مستحبات کے ساتھ وضو فرما رہے ہیں۔

آگے بڑھ کر سقے نے کچھ اور غور سے دیکھا تو پہچان لیا کہ یہ وہی بزرگ ہیں، جن کی پیشانی شمع کی روشنی میں خیمہ کے اندر چمک رہی تھی۔ سقہ اس وقت کچھ نہیں بولا۔ البتہ جب وہ بزرگ اپنے خیمہ میں پہونچ چکے تو سقہ تالاب کے گھاٹ پر اسی جگہ پہونچا۔ جہاں اس خیمہ والے بزرگ نے وضو کیا تھا۔ سقے نے ڈرتے ڈرتے پانی میں ہاتھ ڈالا کہ پانی ٹھرا ہوا ہے۔ ہاتھ بھی سُن ہو جائے گا۔ مگر اس کو سخت تعجب ہوا کہ جہاں سے ان بزرگ صاحب نے وضو کیا تھا۔ وہاں پانی گرم ہے۔ ٹھنڈک کا نام نہیں۔ بہر حال سقے نے بھی وضو کیا۔ پھر مشکیزہ میں پانی بھر لیا۔ اور لشکر گاہ میں لے کر آیا۔ بادشاہ کی وضو کا وقت آیا تو اسی پانی سے وضو کرایا۔

سقے نے یہ سب کچھ دیکھا۔ مگر وہ فیصلہ نہ کر سکا کہ ماجرا کیا ہے۔ غالباً اس کو یہ خیال ہوا کہ ممکن ہے یہاں گندک کا چشمہ ہو۔ جس کی وجہ سے پانی گرم رہتا ہو۔ اگلی شب وہ خیمہ والے بزرگ کے وقت سے پہلے اس گھاٹ پر پہونچ گیا۔ اس نے پانی میں ہاتھ ڈال کر دیکھا۔ تو پانی یخ تھا۔ اس کا ہاتھ بھی ٹھٹھر گیا۔ اب یہ ایک کنارہ پر آڑ میں کھڑا ہو گیا اور خیمہ والے بزرگ کی آمد کا انتظار کرنے لگا۔

تھوڑی دیر میں وہ بزرگ آئے۔ گھاٹ پر پہونچے تو اس نے محسوس کیا کہ پانی میں ایک طرح کی لہر پیدا ہوئی۔ ان صاحب کرامت بزرگ نے حسب معمول اطمینان سے وضو کیا۔ اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ اب یہ سقہ آیا۔ اور اس نے پانی میں ہاتھ ڈالا تو پانی گرم تھا۔ اب اس کو یقین ہو گیا کہ یہ گندگ کی حرارت نہیں۔ بلکہ اس

Marfat.com

بزرگ کی کرامت ہے ۔ اب اس نے اس کا چرچا شروع کیا۔ رفتہ رفتہ بادشاہ تک خبر پہونچی۔ بادشاہ نے سقے کو طلب کر کے پورا قصہ سنا۔ پھر وہ آخر شب میں خاص طور پر تالاب پر گیا۔ اور سقہ کی طرح پہلے پانی کو دیکھ لیا تو پانی ٹھنڈا تھا۔ پھر بزرگ آئے، وضو کیا۔ جب وہ واپس ہوئے اور بادشاہ نے آکر پانی میں ہاتھ ڈالا تو پانی گرم تھا۔ اب بادشاہ کو بھی عقیدت ہوگئی۔ اور تحقیق شروع ہوئی کہ یہ کون صاحب ہیں۔ کہاں سے آکر فوج میں بھرتی ہوئے ہیں۔ جب بادشاہ کو ان کے بلند مرتبہ کا اندازہ ہوا۔ تو اس نے آپ سے دُعا کی استدعا کی۔ سیرالاقطاب کے الفاظ یہ ہیں کہ بادشاہ نے عرض کیا:-

زہے طالع وسعادت من کہ مثل شما دوست خدا در عسکر من بود۔
بااین ہمہ ہزار حیف کہ ایں قلعہ فتح نمی شود۔

(میری بہت بڑی خوش نصیبی اور سعادت ہے کہ آپ جیسے خدا کے دوست میرے لشکر میں ہیں۔ مگر پھر ہزار افسوس کہ یہ قلعہ فتح نہیں ہوتا۔)

بادشاہ کے جواب میں حضرت شمس نے بہت زیادہ تواضع اور انکساری سے کام لیا۔ اپنی بے حقیقتی اور عاجزی ظاہر کی۔ مگر بادشاہ دعا کے لئے اصرار ہی کرتا رہا۔ مجبوراً حضرت شمسؒ نے دعا کے لئے ہاتھ اُٹھائے۔ اور جب دعا سے فارغ ہوئے تو بادشاہ سے فرمایا کہ

"فوراً سوار ہوجیئے اور حملہ کردیجئے۔ انشاء اللہ فتح ہوگی۔"

بادشاہ نے ارشاد گرامی کی تعمیل کی اور خدا کا فضل ہوا کہ قلعہ فتح ہوگیا۔ یہ تو کرامت ہوئی۔ اب ایک دوسرا لطیفہ ملاحظہ فرمایئے۔ یہی مصنف سیرالاقطاب جس نے دو صفحہ پہلے کہا تھا کہ کچھ مزدوری کمانے کے لئے فوج میں بھرتی ہوئے تھے۔ اس قصہ کے نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

"اگلے روز بادشاہ نے ارادہ کیا کہ پابرہنہ خدمت مبارک میں حاضر

Marfat.com

ہو۔ اور عقیدت کے پھول پیش کرے۔"

ظاہر ہے۔ بادشاہ کے عقیدت کے پھول کس قدر قیمتی ہوتے۔ مگر مصنف مذکور تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شمس الدین رحمۃ اللہ علیہ کو جیسے ہی نور باطن سے بادشاہ کے ارادہ کا علم ہوا۔ فوراً روانگی کی تیاری کرلی۔ آپ کا گھوڑا نہایت قیمتی تھا۔ آپ نے اس کو ساز و سامان سے آراستہ کیا۔ اور فرمایا کہ فلاں بیوہ کے یہاں بالغ لڑکی ہے۔ اس کے فقر اور مسکینی کے سبب سے کہیں سے لڑکی کا رشتہ نہیں آتا۔ تو اس بیوہ کے پاس پہونچ جا۔ وہ تجھ کو فروخت کرکے اپنا کام چلالے گی۔ گھوڑا اس بیوہ کے یہاں پہونچا۔ ادھر اس بیوہ کو غیب سے آواز آئی کہ ایک درویش کا عطیہ پہونچ رہا ہے۔ تو اس کو فروخت کرکے اپنا کام چلا۔

حضرت شمس نے اپنے قیمتی گھوڑے سے تو یہ کام لیا۔ اس کے بعد جو کچھ تھا "بقول سیر الاقطاب"

باقی ہرچہ بود آنحضرت اسباب خود را بفقراء بداد و خود دلق پوشیدہ از لشکر برآمد و بخدمت پیر خود رسید۔

(باقی جو کچھ تھا۔ حضرت نے اپنا تمام اسباب فقراء کو تقسیم کردیا۔ اور خود ایک گدڑی پہن کر لشکر کے حلقہ سے باہر تشریف لائے۔ پھر اپنے پیر کی خدمت میں پہونچ گئے۔)

بہرحال مزدوری اور دولت تو حضرت شمس کے نہ پہلے پیش نظر تھی نہ بعد میں جہاد کے لئے آپ نے قیمتی گھوڑا بھی خریدا تھا۔ اور سامان و اسباب بھی فراہم کیا تھا مقصد پورا ہوگیا۔ جہاد ختم ہوگیا۔ تو جو کچھ فراہم کیا تھا۔ وہ بھی راہ خدا میں خرچ کرکے اپنے پیر کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔

فریضۂ جہاد کی ادائیگی کے وقت نوافل اور مستحبات کا ثواب دو چند اور

Marfat.com

چہار چند ہو جاتا ہے۔ ذکر واذکار کی بھی یہی شان ہے کہ قلب صنوبری زمانہ جہاد میں ذکر و مراقبہ سے دو چند و چہار چند نور حاصل کرتا ہے۔ اب حضرت شمس اس نور کامل کے ساتھ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ارشاد ہوا کہ نور کو گوشہ میں چھپ کر نہیں رہنا چاہیے۔ اس کو میدان میں پہونچکر پورے ماحول کو روشن کرنا چاہیے۔ لہذا آپ پانی پت پہونچکر اللہ کے دیئے ہوئے نور کو پھیلائیں۔ اور بقول صاحب معارج الولایت حضرت شمسؒ نے جب عرض کیا۔

آنجا شرف الدین بوعلی قلندر ہست۔ ماندن من درانجا بچہ طور صورت پذیر خواہد بود۔

(وہاں حضرت قلندر صاحب موجود ہیں۔ میں وہاں کس طرح رہ سکوں گا)

تو حضرت شیخ نے ارشاد فرمایا:۔

ولایتش بآخر رسید۔ چوں تو درآنجا خواہی رسید او از شہر بدر خواہد آمد

(ان کی ولایت ختم ہو رہی ہے (غالباً اس لئے کہ ان پر جذب غالب ہو چکا ہے اب وہ ارشاد و تربیت نہیں کر سکتے) جب تم وہاں پہونچ جاؤ گے تو وہ شہر سے باہر تشریف لے جائیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ دوسرے موقع پر حضرت قلندر صاحب کے حالات میں تفصیل سے عرض ہو چکا ہے۔

پانی پت میں تشریف آوری

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت خواجہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ پانی پت پہونچے۔ تو قطعاً غیر معروف تھے۔ نہ پانی پت میں آپ کسی کو جانتے تھے نہ کوئی آپ کو جانتا تھا۔ آپ قلندرانہ جری لباس پہنے ہوئے پانی پت رونق افروز ہوئے۔ اور ایک دیوار کے سایہ میں (اور ایک روایت کے بموجب حضرت امام بدر الدین بدر عالم رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کی دیوار پر)

Marfat.com

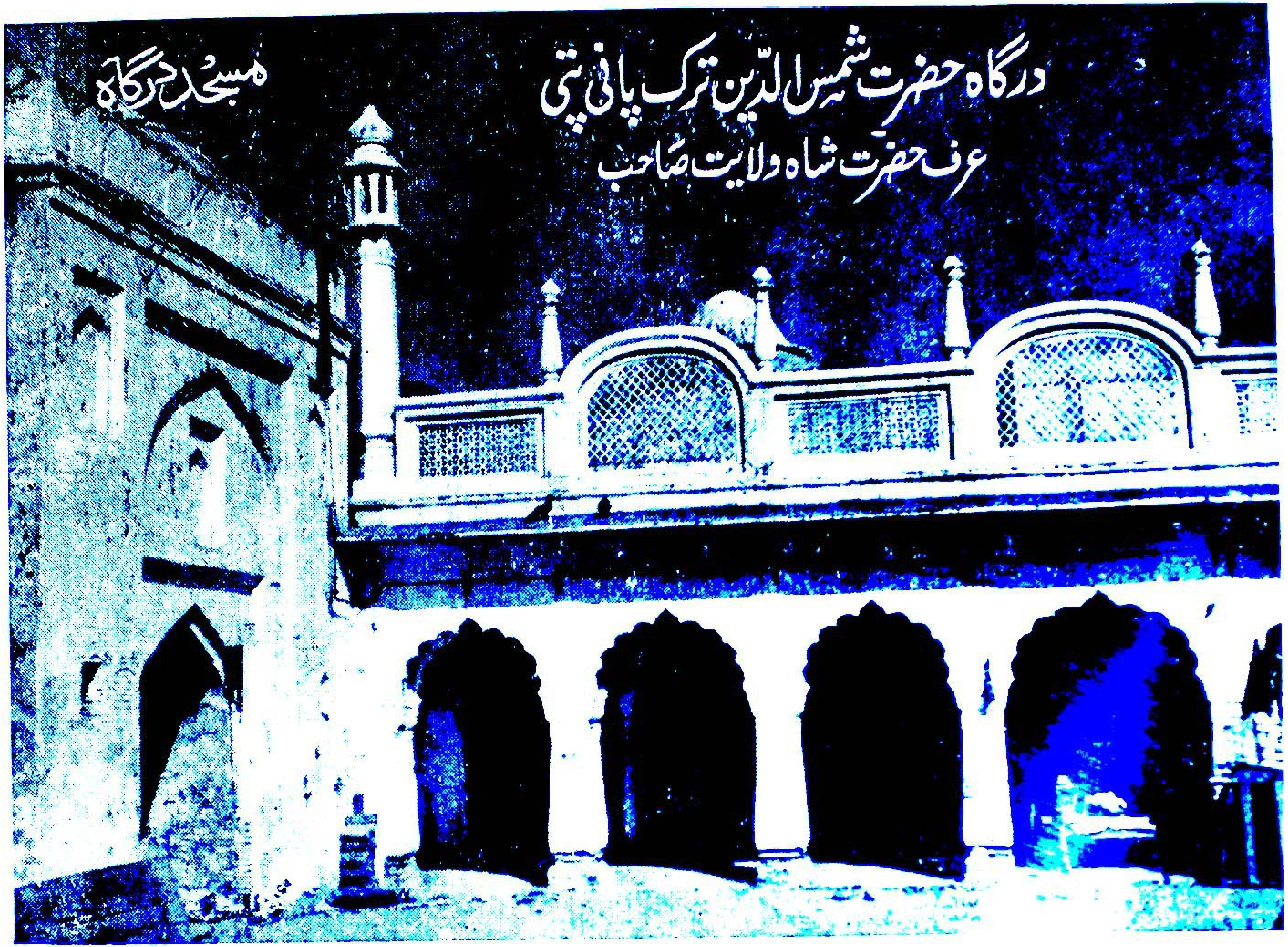
درگاہ حضرت شمس الدّین ترک پانی پتی
عرف حضرت شاہ ولایت صاحب
مسجد درگاہ

Marfat.com

Marfat.com

بیٹھ گئے۔ شیخ بوعلی شرف الدین قلندر رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کا تعارف ضرور تھا۔ مگر شاید ملاقات کبھی نہیں ہوئی تھی لیکن اس تعارف کی شان عجیب تھی۔ ملاحظہ ہو۔

حضرت قلندر صاحب کو نور باطن اور کشف کے ذریعہ آپ کی تشریف آوری کا علم تو ہوگیا۔ اور آپ نے اپنے عزیز منظور نظر حضرت جلال الدین صاحب سے فرمابھی دیا کہ تمھارے پیر آگئے۔ فلاں جگہ بیٹھے ہوئے ہیں جاؤ زیارت کرلو۔ ایک حلوائی کے لڑکے کو بھی اطلاع دیدی۔ مگر خود ایک اجنبی مہمان کی مدارات اس طرح کی کہ اپنا بوریا بستر باندھ کر شہر سے باہر تشریف لے گئے۔ "طاقت مہمان نداشت خانہ بمہمان گذاشت" یعنی ناشتہ یا کھانا پیش کرنے کے بجائے فی الواقع اپنا مسکن پیش کردیا۔

چنانچہ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت ترکؒ حضرت قلندر صاحب کے حجرہ میں سکونت پذیر ہوئے۔

بہرحال اگر ہماری طرح خاطر مدارات کرتے تو آپ کو "قلندر" ہی کیوں کہا جاتا۔ اب اس نوادر مہمان کی پیش کش بھی ملاحظہ فرمایئے۔ (دروغ برگردن راوی) سیرالاقطاب کی روایت ہے:۔

حضرت خواجہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ نے پانی پت میں قیام کے بعد ایک پیالہ میں دودھ بھر کر خادم کے ہاتھ حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں بھیجا۔ اور کہا کہ برادرم شرف الدین قلندر صاحبؒ کو ہمارا سلام پہونچا کر یہ کٹورا پیش کردو۔

جب حضرت قلندر صاحب کی خدمت میں یہ دودھ سے لبریز پیالہ پیش کیا گیا تو آپ نے اس میں ایک گلاب کا پھول ڈالدیا۔ اور واپس کرکے فرمایا۔ کہ یہ برادرم شمس الدین کی خدمت میں سلام کے بعد پیش کردیں۔

جب خدام نے اس معمہ کی شرح چاہی تو حضرت خواجہ نے فرمایا۔ کہ دودھ

Marfat.com

سے لبریز پیالہ بھیجنے کا مقصد یہ تھا۔ کہ یہ شہر اب میری ولایت سے معمور ہو چکا ہے اب حضور والا کے لئے یہاں گنجائش نہیں رہی۔

اس کے جواب میں قلندر صاحب کی طرف سے پھول ڈال کر واپس کرنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ ولایت آپ کو مبارک رہے۔ میں اس شہر میں آپ کی ولایت کے باوجود پھول کی طرح تیرتا رہوں گا۔

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد راوی کا ارشاد ہے۔

چنانچہ ہر دو حضرات میں نہایت گہرے مراسم رہے۔ جس طرح شیخ جلال الدین رحمۃ اللہ علیہ دونوں کے مشترک نور نظر رہے۔

تبصرہ ان دونوں بزرگوں کے گہرے مراسم مسلّم اور یہ بھی تسلیم ہے کہ حضرت شیخ جلال الدین صاحب پر دونوں بزرگوں کی غیر معمولی شفقت تھی۔ لیکن جب کہ حضرت قلندر صاحب پہلے ہی پانی پت چھوڑ چکے تھے۔ اور آپ نے شہر سے باہر تشریف لے جا کر ڈیرہ ڈال دیا تھا تو پھر ان رموز و معمون کی ضرورت کیا تھی۔ اور کیا حضرت شمس الدین ترکؒ کا وسیع ظرف اور آپ کے اعلیٰ اخلاق اس کی اجازت دے سکتے تھے کہ وہ اپنی ولایت کو اس طرح جتائیں۔ دنیا کے جاہ پسند تو ایسا کر سکتے ہیں۔ مگر

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر

پھر یہ شان تو بادشاہوں کی ہوتی ہے کہ بقول حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ "دو بادشاہ در یک اقلیم نہ گنجند" دو بادشاہ ایک ولایت (مملکت) میں نہیں سما سکتے۔ باقی درویشوں کی شان تو حضرت سعدیؒ نے یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ۔ "ہفت درویش در یک گلیم بخسپند" یعنی ولایت اور مملکت تو درکنار ایک کمبل میں سات درویش سو سکتے ہیں۔

کرامت کے ذریعہ سیّد ہونے کا ثبوت

سیرالاقطاب کی روایت ہے کہ پانی پت کے سادات کو جب علم ہوا کہ آپ بھی سیّد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو آپ سے ثبوت طلب کیا۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اپنے آبا و اجداد سے یہی سنا ہے اور ہمارے یہاں شجرۂ نسب بھی موجود ہے۔ یہ معترض صاحب اس جواب سے مطمئن نہیں ہوئے۔ تو حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ کو جوش آگیا۔ اور فرمایا۔ عوام میں مشہور ہے کہ جو شخص صحیح النسب حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہوتا ہے۔ آگ میں اس کا بال بھی نہیں جلتا۔ اگرچہ اب تک اس عقیدہ کا تجربہ نہیں ہوا ہے۔ مگر میرے خیال میں آج وقت ہے کہ اس کا تجربہ کیا جائے۔ اس کے تجربہ کے لئے اس وقت سے بہتر کوئی وقت نہیں ہو سکتا۔ بس آئیے۔ میں اور آپ دونوں اس تنور میں کود جائیں۔ اور تجربہ کر لیں۔

حضرت خواجہ شمسؒ نے جیسے ہی یہ جملہ ختم فرمایا۔ فوراً ایک "تنور" میں (جو وہیں خانقاہ میں یا خانقاہ کے پاس دھک رہا تھا) کود پڑے " اور وہاں سے سید صاحب کو آواز دی کہ "آپ بھی تشریف لائیے" اب یہ پانی پتی سید صاحب بہت پریشان اور شرمندہ ہوئے۔ تنور کے کنارے پر پہنچ کر جھانکا۔ تو دیکھا حضرت شمس اطمینان سے تنور کے اندر تشریف فرما ہیں۔ گویا آپ سمندر (آگ کا کیڑا) ہیں۔ سید صاحب نے یہ تماشہ تو دیکھا۔ مگر تنور میں کودنے کی ہمت پھر بھی نہیں ہوئی۔ بلکہ جب تنور کو جھانک کر سید صاحب واپس ہونے لگے تو ان کے دامن کو آگ لگ گئی۔ اب سید صاحب نے بدحواس ہو کر چلانا شروع کیا۔ تو حضرت شمسؒ تنور سے باہر تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے دامن کی آگ بجھائی۔ پانی پتی سید صاحب بہت نادم ہوئے اور توبہ کی۔ پھر حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہوگئے۔

Marfat.com

تبصرہ ہم اولیا رکرام کی کرامات کے قائل ہیں ہمیں بھی یقین ہے کہ سید کے بال نہیں جلتے۔ مگر یہ کرامت اس کوئلے اور لکڑی کی آگ میں ظاہر نہیں ہوتی۔ بلکہ ظلم اور مصائب کی آگ میں اس کرامت کا ظہور ہوتا ہے۔ سید وہی ہے کہ جبر و قہر کا تنور اس کو جلانے کے بجائے اور نکھار دے۔

حضرت جوہر نے فرمایا:۔

"اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد"

آپ فرما سکتے ہیں:۔

"سادات زندہ ہوتے ہیں ہر کربلا کے بعد"

حضرت شمس الدینؒ کی خدمات آپ کی جلیل القدر خدمات کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سلسلہ صابریہ کے وہ آفتاب ہیں کہ نور و ہدایت کی جتنی بھی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں وہ آپ ہی کی کرنیں ہیں۔ بقول راوی۔

حضرت مخدوم صابر پاک کی حیات میں آپ کا ایک پیر بھائی دہلی سے کلیر پہونچا۔ بھائیوں میں بات چیت ہونے لگی۔ اسی اثنا میں دہلوی صاحب کو معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم صابرؒ کے صرف ایک مرید ہیں تو بہت تعجب ہوا کیونکہ حضرت صابر کے دوسرے پیر بھائی اور حضرت بابا فرید کے دوسرے خلیفہ حضرت شیخ نظام الدین اولیا رحمۃ اللہ علیہ کے اتنے مرید تھے کہ ان کا شمار کرنا مشکل تھا۔ چنانچہ جب حضرت مخدوم صابرؒ نے ان دہلوی صاحب سے دریافت فرمایا۔ کہ برادرم نظام الدین کے کتنے مرید ہیں تو دہلوی صاحب نے برجستہ جواب دیا۔ "جتنے آسمان پر تارے" اس پر حضرت مخدوم صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ

کو جوش آگیا۔ اور آپ نے فرمایا:۔

"جب میرا شمس آسمانِ طریقت پر تاباں ہو گا تو سارے تارے ماند پڑ جائیں گے۔"

واقعہ یہ ہے کہ حضرت مخدوم کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی یہ پیشین گوئی بڑی حد تک صحیح ثابت ہوئی۔

اس وقت (۱۳۸۲ھ میں) اگر شمار کیا جائے تو سلسلہ صابریہ کے متوسلین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ اس سے آگے کچھ عرض کرنا سوءِ ادب ہے۔"

حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ کی وفات

مولانا غلام سرور فرماتے ہیں۔ کہ سیرالاقطاب۔ تذکرۃ العاشقین اور معارج الولایت وغیرہ میں آپ کا سال وفات سات سو پندرہ ہجری بیان کیا گیا ہے۔ اور مصنف شجرۂ چشتیہ نے سال وفات سات سو اٹھارہ قرار دیا ہے۔ مگر زیادہ تر ۷۱۵ھ ہی سال وفات بیان کیا گیا ہے۔

اولاد

۱۰۵۰ھ (عہدِ شاہجہانی) کا واقعہ ہے کہ ایک صاحب سید صفدر نام شاہجہاں بادشاہ کی طرف سے خان کا خطاب حاصل کئے ہوئے تھے اس لئے سید صفدر کے بجائے صفدر خاں سید کہلاتے تھے۔ وہ اکبرآباد آگرہ کے صوبہ دار تھے وہ کسی وجہ سے دہاں منتقل کر دیئے گئے یا معزول کر دیئے گئے۔ تو دہلی جاتے ہوئے "پانی پت" میں فروکش ہوئے۔ یہاں کے بزرگوں سے ملے۔ علماء سے ملاقاتیں کیں، مزارات پر حاضری دی۔ وہ شہر کے ایک کنارے پر ایک بزرگ کے مزار پر بھی حاضر ہوئے۔ جو "شیخ شمس الدین ترک" کا مزار کہلاتا تھا۔ جن کی وفات کو تقریباً ساڑھے تین سو برس گذر چکے تھے۔

حضرت ترک کے مزار کے مجاوروں سے بات چیت ہوئی۔ کچھ حضرت "ترک"

Marfat.com

کے حالات معلوم کئے اور جب یہ سنا کہ یہ بزرگ "ترکستان" سے تشریف لائے تھے تو ایک جستجو ذہن میں پیدا ہوئی۔

سید صفدر صاحب ترکستان کے رہنے والے تھے۔ ان کا وہی شہر تھا جو حضرت ترک کا وطن اصلی بتایا گیا۔ ان کے بزرگوں میں سے ایک صاحب بیوی بچوں کو چھوڑ کر فقیری اختیار کر کے لاپتہ ہو چکے تھے۔ سید صفدر نے خاندان کے بڑے بوڑھوں سے ان کا تذکرہ سنا تھا۔ ان لاپتہ ہونے والے بزرگ کا نام بھی شمس الدین ہی تھا۔

یہ خواجہ شمس الدین ترکؒ جو سلسلہ صابریہ کے "میزاب رحمت" ہیں۔ کیا وہی دادا شمس الدین ہیں جن کی گم شدگی کا قصہ اپنے بزرگوں سے سنا تھا؟ اس کی تحقیق کس طرح ہو۔؟ کیا یہاں ان کا کوئی شجرۂ نسب ہے؟

ان مجاوروں سے جب بات چیت ہوئی تو معلوم ہوا کہ حضرت "ترک" کا شجرۂ نسب بعد کا تو نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ترک نے شادی ہی نہیں کی تھی البتہ حضرت ترک سے پہلے بزرگوں کا شجرہ نسب موجود ہے ——— سید صفدر کو جس طلب اور جستجو کی لگن لگی ہوئی تھی۔ یہ خبر اس کے لئے مژدہ جانفزا تھی۔

متولی اور مجاور حضرات سے درخواست کی کہ مہربانی فرما کر وہ شجرہ لائیں۔ شجرہ منگایا گیا۔ ایک شجرہ اپنے نسب کا خود صفدر صاحب نے بھی محفوظ کر رکھا تھا۔ اور آج کل اس کی قدر ہو یا نہ ہو۔ لیکن اُس زمانہ میں جب شاہی ملازمتوں میں بڑی حد تک نسب اور خاندان کا لحاظ رکھا جاتا تھا شجرہ نسب جو مقامی بزرگوں اور عمائدین کی مہروں سے آراستہ ہو بہت ہی قیمتی چیز تھا۔ اور ایک قیمتی دستاویز کی طرح محفوظ رکھا جاتا تھا۔ بہر حال سید صفدر صاحب نے بھی اپنا محفوظ شجرہ نسب سامنے رکھا۔ اور مقابلہ کیا تو بعینہٖ ایک دوسرے کی نقل تھا۔

اب جس طرح مجاور صاحبان کے پیش کردہ شجرہ کی تصدیق ہوئی اس حقیقت کا بھی

Marfat.com

انکشاف ہوگیا کہ حضرت ترک رحمۃ اللہ علیہ لاولد نہیں تھے۔ بلکہ آپ کے خلف رشید "سید احمد" تھے۔ وہ اپنی والدہ کے ساتھ وطن ہی میں رہے۔ ان کے سلسلہ میں خدا نے برکت بخشی۔ ان کے متعدد لڑکے تھے۔ اور یہ سید صفدر صاحب انھیں کی اولاد میں سے ہیں۔

سید صفدر صاحب جو آج تک پانی پت میں اجنبی تھے اور اگرچہ شاہی افسر رہے تھے۔ مگر معزول ہونے کے بعد غریب الدیار مسافر تھے۔ اب وہ بزرگان پانی پت کے پیرزادہ ہوگئے۔ ایک پیرزادہ کی طرح اُن کی خاطر مدارات ہونے لگی۔

شاہی وقائع نگار اس زمانہ میں ہر ایک مرکزی مقام پر رہتے تھے۔ پانی پت بھی مرکزی حیثیت رکھتا تھا۔ یہ واقعہ بہت ہی عجیب تھا کہ حضرت ترک رحمۃ اللہ علیہ جو ساڑھے تین سو برس تک لاولد تسلیم کئے گئے تھے۔ آج وہ ایک عظیم الشان اور بہت وسیع خاندان کے مورث اعلیٰ ثابت ہوگئے۔ اور یہ صفدر صاحب اور ان کے خاندان کے بزرگ حضرت ترکؒ کے اخلاف ہیں۔ وقائع نگار نے اس عجیب و غریب خبر کی رپورٹ ضرور کی ہوگی جس کا اثر شاہجہاں بادشاہ پر یہ پڑا کہ اُن کی معزولی کو بحالی سے بدل دیا۔ بلکہ غالباً کسی قدر ترقی دے کر ان کو کابل اور قندھار کا صوبہ دار بنا دیا۔

صاحب سیر الاقطاب تحریر فرماتے ہیں کہ صفدر خاں سید اور ان کے جانشین اگرچہ بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہے۔ ان میں سے بعض ایسے بھی تھے۔ جن کو پنجہزاری منصب عطا ہوا تھا۔ مگر انداز ان سب کا درویشانہ تھا۔ خدا پرست۔ غریبوں کے ہمدرد۔ ہر ایک کے کام آنے والے۔ نہایت مہمان نواز۔ با اخلاق۔ بلند حوصلہ۔ (رحمہم اللہ)

Marfat.com

Marfat.com

مخدوم المشائخ شیخ محمد جلال الدین

کبیر الاولیاء عثمانی قدس سرہٗ

یاد ہوگا حضرت قلندر صاحب نے ایک نوجوان کو دیکھا جو اسپ تازی پر سوار کہیں جارہا تھا۔ تو فرمایا تھا۔

زہے اسپ و زہے سوار

(کیا خوب گھوڑا۔ اور کیا خوب سوار)

پھر اُسی قلندرانہ شان میں برجستہ یہ شعر موزوں فرمادیا تھا۔

گل گوں لباس کردو سوار سمند شد

یاراں حذر کنید، آتش بلند شد

لباس گلگوں کیا اور سُرخ رنگ کے عمدہ گھوڑے پر سوار ہوا۔ دوستو! احتیاط سے کام لو۔ آگ بلند ہوگئی ہے۔

پھر آپ نے یہ بھی ملاحظہ فرمالیا ہوگا۔ کہ اس قلندرانہ شعر کا اثر اس نوجوان پر یہ ہوا تھا۔

"ہرچہ از دنیا بدست داشتند۔ ازاں بیروں آمد و آں اسپ را نیز للہ بکسے داد و راہ صحرا گرفت"

(دنیاداری کی جتنی بھی چیزیں تھیں سب سے کنارہ کش ہوگئے۔ اس گھوڑے کو بھی اللہ کے واسطے کسی کو دیدیا۔ اور صحرا کا راستہ اختیار کیا۔ رحمہ اللہ)

آپ شاید پہچان گئے ہوں۔ یہ نوجوان کون تھے۔؟

Marfat.com

نام نامی

یہ وہی جوان صالح تھے جن کا نام والد صاحب مرحوم نے محمد رکھا تھا۔ پیر روشن ضمیر نے "جلال الدین" تجویز کیا۔ ارشاد وطریقت کے گوہر شناسوں نے کبیر الاولیاء کا خطاب دیا۔ اور عوام میں "مخدوم صاحب" کے "خطاب بزرگ" سے مشہور ہوئے۔

وطن اور سلسلہ نسب

خواجہ عبدالرحمٰن صاحب گاذرونی۔ پانچویں صدی ہجری کے ایک بزرگ تھے۔ سلسلۂ نسب اگرچہ خلیفہ سوم حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ تک پہونچتا تھا۔ مگر آپ کے ایک مُورث (اتفاق سے اُن کا نام نامی بھی عبدالرحمٰن ہی تھا) مدینہ طیبہ سے منتقل ہوکر "گاذرون" آگئے تھے۔

خواجہ عبدالرحمٰن گاذرونی محمود غزنوی کی فوج میں کسی منصب پر فائز تھے۔ اور محمود غزنوی نے ہندستان پر حملہ کیا تو یہ اس کے ساتھ تھے۔ محمود واپس چلا گیا۔ اور یہ پانی پت میں سکونت پذیر ہوگئے۔ پھر شاہی فرمان کے ذریعہ پانی پت کا پورا علاقہ آپ کے سپرد ہوگیا۔

حضرت مخدوم خواجہ محمد جلال الدین کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ آپ ہی کی اولاد میں ہیں۔ اور اسی لئے آپ کو گاذرونی کہا جاتا ہے۔

سلسلہ نسب یہ ہے۔

شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔ ابن[1] خواجہ محمود ابن[2] خواجہ یعقوب ابن[3] خواجہ عیسیٰ ابن[4] خواجہ اسمٰعیل ابن[5] خواجہ محمد ابن[6] خواجہ ابی بکر۔ ابن[7] خواجہ علی۔ ابن[8] خواجہ عثمان ابن[9] خواجہ عبد۔ ابن[10] خواجہ عبدالرحمٰن ثانی۔ ابن[11] خواجہ عبدالعزیز سرخسی۔ ابن[12] خواجہ خالد ابن[13] خواجہ ولید۔ ابن[14] خواجہ عبدالعزیز اکبر۔ ابن[15] خواجہ عبدالرحمٰن اکبر۔ ابن[16] خواجہ عبداللہ ثانی۔ ابن[17] خواجہ عبدالعزیز۔ ابن[18] عبداللہ کبیر۔ ابن[19]

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

حضرت خواجہ عمرو ابن ابن امیر المومنین ذی النورین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ۔
خواجہ عبدالرحمن اکبر جو ۱۵ پر ہیں۔ مدینہ طیبہ سے گاذرون تشریف لائے
اور خواجہ عبدالرحمن ثانی جو نمبر ۱ پر ہیں۔ پانی پت رونق افروز ہوئے۔ رحمہم اللہ

سلسلۂ پرورش حضرت کبیر الاولیاء کا بچپن ہی تھا کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا تھا عم محترم نے پرورش کی۔

تعلیم و تربیت سوانح کی کتابیں جو ہمارے سامنے ہیں ان میں تعلیم کا تذکرہ نہیں ملتا۔ البتہ صاحب سیر الاقطاب نے بلیغ انداز میں تحریر فرمایا ہے:۔

(۱) از ایام طفلی محبت الٰہی و جذبہ شوق درگاہی گریباں گیر وقت ایشاں بود۔ واکثر سر بصحرا نہادے و مشغول بذکر خدا ماندے۔

ترجمہ:۔ بچپن ہی سے اللہ کی محبت اور شوق درگاہ خداوندی کا جذبہ آپ کے اوقات عزیز کے گریبان سے الجھا ہوا تھا۔ اکثر ایسا ہوتا کہ اسی ذوق و شوق میں آپ کسی جنگل میں پہونچ جاتے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول رہتے۔

(۲) حضرت قطب ابدال شیخ شرف الدین بوعلی قلندر قدس اللہ تعالیٰ سرہ العزیز آنحضرت را از ہنگام طفولیت بغایت دوست مے داشت۔ و منظور نظر ایشاں بود چنانکہ ہر روز برائے دیدن ایشاں مے رفت و حضرت را مے دید۔ واگر آں قطب ربانی جائے مے رفت و بجہاں جا تشریف مے برد۔

ترجمہ:۔ حضرت شیخ بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ آنحضرت حضرت کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ پر بچپن کے زمانے سے ہی بہت زیادہ شفقت فرماتے تھے۔ آپ کے کچھ ایسے منظور نظر تھے کہ ہر روز ان کو دیکھنے جاتے تھے۔ اور اگر آپ

Marfat.com

(حضرت کبیرالاولیار) مکان پر نہ ہوتے تو جہاں وہ ہوتے وہیں تشریف لیجاتے۔

بہرحال ان روایتوں سے یہ تو معلوم ہوا کہ حضرت مخدوم صاحب کی سیرت اور آپ کے اخلاق و کردار کی تعمیر میں حضرت قلندر صاحب کے فیض صحبت اور آپ کی توجہ خصوصی کو بہت دخل ہے۔ لیکن علوم ظاہری کی تعلیم کا کچھ پتہ ان سے نہیں چلتا۔ البتہ آپ کی مشہور تصنیف "زادالابرار" جو سلسلہ ارشاد و طریقت کی اہم اور نہایت مفید کتاب ہے وہ آپ کی اعلیٰ قابلیت کی شہادت ہے۔

اور اس شہادت کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے وطن عزیز (پانی پت) کے اساتذہ ہی سے تعلیم حاصل کی۔

نگرانی

ارشاد اور طریقت تو بہت بڑی چیز ہے کسی معمولی "فن" میں بھی درجہ تکمیل تک پہونچنے کے لئے تعلیم کے علاوہ نگرانی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ نگرانی کی یہ خدمت بھی حضرت قلندر صاحب نے ہی انجام دی۔

حضرت خواجہ کبیرالاولیار کو سُرخ لباس پہنے ہوئے سُرخ گھوڑے پر سوار دیکھ کر جو حضرت قلندر صاحب نے فرمادیا تھا "یاراں حذر کنید آتش بلند شد" غور سے دیکھا جائے تو یہ صرف قلندرانہ ترنگ یا صرف شاعری نہیں تھی۔ بلکہ غالب یہ ہے کہ یہ ایک تنبیہ تھی۔

حضرت کبیرالاولیار شکار کے شوقین تھے۔ اور یہ شوق آخر تک باقی رہا اور باوجودیکہ ابتدار سے جذب و شوق غالب تھا۔ اور اسی جذبہ میں اکثر آپ آبادی سے باہر الگ جنگلوں میں بھی چلے جاتے تھے۔ عرصہ تک وہاں ذکر و عبادت میں مشغول رہتے تھے لیکن طبع مبارک میں رنگینی بھی تھی۔

یہ قدرتی بات ہے عاشق مزاج رنگین طبع ہوا کرتے ہیں۔ یہ طبع مبارک کی رنگینی ہی تھی کہ گھوڑا سُرخ تھا تو لباس بھی گلگوں (گلاب کے پھول جیسا سُرخ)

استعمال کیا۔لیکن بو علی شاہ جیسا قلندر رجو اتباع سنت کے عشق میں مجذوب ہوا ہو جو شریعت مطہرہ کا یہاں تک گرویدہ اور عاشق ہو۔ کہ اپنی داڑھی کو بار بار اس لئے بوسے دیئے کہ ایک حکم شریعت کی تعمیل اور اتباع سنت مبارکہ کے سلسلہ میں پکڑی گئی تھی) اُس کو ایسے جوان صالح کی یہ رنگینی پسند نہ آئی جس کو دنیا۔ کبیرالاولیاءُ کا خطاب دینے والی تھی اور جو بچپن ہی سے یادِ خدا کا شوقین اور محبت الٰہی کا دلدادہ تھا۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت کبیرالاولیاء نے حضرت قلندر صاحب کے اس جملہ اور اس شعر سے یہ اثر لیا کہ نہ صرف اس لباس گلگلوں کو جُدا کیا۔ بلکہ اس گھوڑے کو بھی راہ خدا میں بخش دیا۔ اور آبادی کے بجائے صحرا کا راستہ اختیار کیا۔

ذریعہ معاش خاندان کا ذریعہ معاش زمیندارہ تھا۔ خود اپنے طور پر بھی کاشت کرتے تھے۔ خود حضرت کبیرالاولیاء رحمۃ اللہ علیہ بھی جوانی کے زمانہ میں کھیت پر جا کر کاشت کے کام میں حصہ لیا کرتے تھے۔

سیرالاقطاب میں کھیت کے اوپر کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ جو نہایت دلچسپ ہے۔ آپ بھی ملاحظہ فرمایئے اور محظوظ ہوجیئے۔ واقعہ یہ ہے:۔

حضرت قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کی شفقت کی حالت یہ تھی کہ جب تک کبیرالاولیاء نظر نہ پڑ جاتے تھے چین نہیں آتی تھی۔ ایک روز کبیرالاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مکان پر تشریف لے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت کبیرالاولیاء کھیت پر تشریف لے گئے ہیں۔ اب حضرت قلندر صاحب نے کھیت کا رُخ کیا۔ گھوڑے پر سوار ہوئے اور کھیت کی طرف چل دیئے۔ نوجوان کبیرالاولیاء نے حضرت قلندر صاحب کو دور سے دیکھ کر پہچان لیا۔ تو آپ نے چنے (نخود) جو اس کھیت کی پیداوار تھے ایک چھاج (غلہ افشان) میں بھرے اور جیسے ہی قلندر صاحب

Marfat.com

کھیت کے قریب پہونچے۔ کبیرالاولیاء نے "چنوں" کی نذر پیش کی حضرت قلندر صاحب نے چنوں کا بھرا ہوا چھاج دیکھا تو مسکراتے ہوئے فرمایا۔ بیٹا کیا لائے ہو؟

جوان صالح کبیرالاولیاء کا یہ حسنِ ادب تھا کہ آپ نے یہ نہیں عرض کیا کہ آپ کی خدمت میں چنے پیش کر رہا ہوں۔ کیوں کہ چنا کوئی قیمتی چیز نہیں ہوتا۔ غلوں کی جنس میں بھی دوسرے درجہ کی جنس سمجھا جاتا ہے۔ آپ نے عرض کیا۔

"حضرت والا کے گھوڑے کے لئے تھوڑا سا دانہ پیش کر رہا ہوں"

حضرت قلندر صاحب نے فرمایا "گھوڑے سے پہلے پوچھ لو۔ کیا وہ بھوکا ہے۔ کیا اس کو دانہ چاہیئے۔ اگر وہ دانہ کھانا چاہے تو اس کو کھلا دو۔"

حضرت مخدوم نے یہ چھاج گھوڑے کے سامنے پیش کیا۔ گھوڑے نے بھی کھانے سے انکار کر دیا۔ اور کہا میرا پیٹ بھرا ہوا ہے۔ حضرت نے پہلے دانہ کھلا دیا تھا پھر سوار ہوئے تھے۔ (غالباً زبانِ حال سے گھوڑے نے یہ جواب دیا)

اب حضرت مخدوم (کبیرالاولیاء) حیران تھے۔ کہ نہ خود حضرت قلندر صاحب یہ پیش کش منظور فرماتے ہیں نہ اُن کا گھوڑا۔

حضرت قلندر صاحب نے جوان صالح خواجہ محمد (حضرت کبیرالاولیاء) کو پریشان اور نادم دیکھا۔ تو فرمایا:۔

"پریشان نہ ہو۔ ہم نے تمہاری نذر منظور کرلی ہے۔ اور اب ہم یہ غلہ اپنی طرف سے تمہیں بخش رہے ہیں۔ اور میں اللہ ربّ العزت سے دعا کر رہا ہوں کہ ہر دانہ کے بدلہ تمہیں لڑکا بخشے۔"

حضرت مصنف سیرالاقطاب فرماتے ہیں:۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت قلندر صاحب کی دعا قبول فرمائی۔ چنانچہ اتنی اولاد ہوئی اور وہ اتنی پھیلی کہ اگر آپ کو (نوح ثانی) کہا جائے تو مبالغہ

نہیں ہوگا۔ (سیر الاقطاب)

خود احقر کے وطن عزیز قصبہ دیوبند[1] میں بھی ایک عثمانی خاندان ہے جس کا سلسلہ حضرت کبیر الاولیاء سے ہے۔

نکاح

مگر دلچسپ لطیفہ یہ ہے کہ یہ مورث محترم جن کو مصنف سیر الاقطاب "نوح ثانی" فرما رہے ہیں۔ یہ خود طے کئے ہوئے تھے کہ نکاح نہیں کریں گے۔ حضرت پیر مرشد کے شدید اصرار پر آپ نے یہ سنت ادا فرمائی تھی۔ پورا واقعہ اور حضرت شیخ سے گفتگو سیر الاقطاب کے حوالے سے درج کی جا رہی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے:-

مصنف سیر الاقطاب جن کا اسم گرامی اللہ دیا ہے خلف شیخ عبد الرحیم ابن شیخ پناہ حکیم جو حضرت کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں تحریر فرماتے ہیں

حضرت مخدوم حضرت ترک رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت ہو چکے۔ خلافت بھی مل گئی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد حضرت مرشد نے بہت اصرار کیا۔ کہ حضرت مخدوم نکاح کریں۔

حضرت مخدوم کبیر الاولیاء نے معذرت کی کہ یہ خادم تو طے کر چکا ہے۔ کہ نکاح نہیں کرے گا۔ آپ نے عرض کیا۔ میں اپنی زندگی کی سب سے بڑی سعادت اور سب سے زیادہ قیمتی پونجی حضرت والا کی خدمت کو سمجھتا ہوں۔ جو مجھے کبھی ایسا

---

[1] دیوبند کے مشہور علماء مثلاً حضرت مولانا محمود حسن صاحب شیخ الہند حضرت مولانا شبیر احمد صاحب بھی عثمانی ہیں۔ مگر اس خاندان کا سلسلہ دوسرا ہے۔ ان کے علاوہ عثمانی حضرات کا ایک دوسرا خاندان بھی ہے وہ علمی لحاظ سے تو اتنا اونچا نہیں ہے۔ البتہ دیوبند کے خاندانوں میں فائق مانا جاتا ہے۔ برخوردار عزیز مولوی سید حامد میاں سلمہٗ (امیر جامعہ مدنیہ لاہور) کے نانا اسی خاندان سے تھے۔ جس کو حضرت کبیر الاولیاء کے سلسلہ نسب میں داخل ہونے کا فخر حاصل ہے۔ (محمد میاں)

Marfat.com

گذرے کہ یہ خادم حاضر خدمت نہ ہو۔ وہ میرے حق میں نقصان عظیم ہے۔ یہ فدوی قطعاً گوارا نہیں کرتا کہ کوئی ایسا مشغلہ اختیار کرے۔ جس سے حضرت والا کی خدمت میں خلل واقع ہو۔

حضرت شیخ (خواجہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ) نے مرید باسعادت کا بیان سنا۔ تو فرمایا۔

"بیشک آپ کے اخلاص اور آپ کی محبت وعقیدت کا فیصلہ یہی ہے۔ اور جس طرح آپ کو مجھ سے تعلق خاطر ہے۔ ایسے ہی مجھے بھی آپ سے غیر معمولی اُنس ہے۔ میں خود بھی نہیں چاہتا کہ آپ مجھ سے جُدا ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ میں آپ کو اپنی اولاد سمجھتا ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا رہتا ہوں کہ آپ میرے صحیح جانشین بنیں۔ مخلوق خدا کو آپ سے فائدہ پہونچے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ کا درجہ ہماری ان تمام آرزوؤں اور تمناؤں سے بڑھا ہوا ہے ــــــ نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس پر ضرور عمل ہونا چاہیئے۔

حضرت مخدوم کبیر الاولیا ــــــــ حضرت میں تو اس جھگڑے میں اب تک اس لئے بھی نہیں پڑا کہ خدا جانے کس قماش کی اولاد پیدا ہو۔ اور میری گردن پر اُس کے اعمال وافعال کا وبال رہے۔

حضرت پیر مرشد۔ گھبرایئے نہیں۔ اگر اولاد صالح ہو تو وہ "باقیات صالحات" ہوگی۔ اور اگر خدانخواستہ بد قماش اور طالح ہوئی تو اس کا بوجھ تو میری گردن پر ہوگا۔ میں آپ کو نکاح کے لئے اصرار کر رہا ہوں۔

اللہ دیا صاحب۔ راوی ہیں کہ حضرت شمس رحمۃ اللہ علیہ نے پھر حضرت مخدوم

Marfat.com

کو یہ بھی سمجھایا کہ میں لوح محفوظ میں دیکھ چکا ہوں کہ آپ کے اتنی اولاد ہوگی کہ اس کا شمار مشکل ہوگا۔

بہرحال کافی ردوقدح کے بعد حضرت مخدوم (خواجہ محمد) نکاح کے لئے تیار ہوئے تو کرنال ہی میں ایک خاندان تلاش کیا گیا۔ جہاں آپ کا رشتہ بھیجا گیا۔ پھر نکاح ہوا۔

اللہ دیا صاحب۔ اپنے مخصوص انداز میں جس کے ہر جز میں کسی کرامت کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ نکاح کے بعد جو مصنوعی شرم کے تکلفات عرصہ تک باقی رہتے ہیں حضرت مخدوم نے اس کی اجازت نہیں دی۔ بلکہ جیسے ہی دولہن آپ کے دولت کدہ میں پہونچیں۔ آپ نے فرمایا۔

"بی بی یہ تکلف چھوڑو۔ نظر اٹھاؤ۔ کام کرو۔ وضو کیلئے پانی لاؤ"

بہرحال خدا کے فضل وکرم سے نکاح بہت مبارک ثابت ہوا جتنی اولاد ہوئی نہایت صالح، متقی، صاحب کشف وکرامت۔ (تفصیل آگے آئیگی انشاءاللہ)

سیاحت اور حج

اگرچہ سوانح نگاروں کی بہت سی باتیں ہماری سمجھ سے بالا ہیں۔ ان میں سے کچھ باتیں آئندہ بلا تبصرہ یا مناسب تبصرہ کے ساتھ نقل بھی کردی جائیں گی۔ مگر تین باتیں ایسی ہیں جن پر تبصرہ ضروری ہے۔ کیونکہ وہ تینوں باتیں سوانح کے اہم ابواب ہیں۔

(۱) چالیس سال سیاحت میں صرف کئے۔

(۲) چالیس حج کئے۔

(۳) آپ کی عمر مبارک ایک سو ستر (۱۷۰) سال ہوئی۔ سال وفات ۷۶۵ھ ہے۔

ایک صاحب نے یہ بھی تحریر فرمادیا کہ سنہ ولادت ۵۹۵ھ ہے

اللہ دیا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

منقول ہے کہ جب حضرت مخدوم العالمین کبیرالاولیا رچالیس سال کے بعد وطن مالوف میں تشریف لائے اور حضرت مخدوم شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ سے رجن سے زمانہ طفولیت سے پورا اخلاص اور اعتقاد رکھتے تھے (بیعت ہونے کی درخواست کی تو حضرت قلندر صاحب نے فرمایا۔ آپ کی کامیابی کا مدار ایک دوسرے صاحب پر ہے۔ جو عنقریب امروز فردا میں یہاں پہنچنے والے ہیں۔

یہ پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت خواجہ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے مرشد محترم حضرت مخدوم المشائخ خواجہ علاؤالدین صابرؒ (کلیری) کا حکم تھا۔ کہ اُن کی وفات کے بعد تین دن کلیر شریف میں گذاریں۔ پھر پانی پت روانہ ہو جائیں۔

حضرت خواجہ کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۶۹۰ھ میں ہوئی پس تسلیم کرنا پڑے گا کہ اسی سنہ میں حضرت شمسؒ کلیر سے پانی پت تشریف لائے۔ اور اسی ۶۹۰ھ میں حضرت کبیرالاولیا رحضرت شمس الاولیا ر سے بیعت ہوئے۔ پس اگر حضرت مخدوم کبیرالاولیا رکی ولادت ۵۹۵ھ میں تسلیم کی جائے۔ تو ۶۹۰ھ میں آپ کی عمر ۹۵ سال ہوگی۔ اور اس عمر میں ممکن ہے کہ چالیس سال سیاحت میں صرف کئے۔ اور اسی دوران یا اس سے کچھ آگے پیچھے چالیس حج بھی کرلئے ہوں۔ لیکن قابل توجہ یہ ہے کہ جو صاحب سنہ ولادت ۵۹۵ھ قرار دے رہے ہیں وہ یہ بھی تحریر فرماتے ہیں:۔

ایام طفولیت میں حضرت قطب ابدال شاہ شرف الدین بوعلی قلندر قدس سرہٗ آپ کو لوریاں سُنا سُنا کر کھلایا کرتے تھے۔ اور اس لوری ہی میں حضرت قلندر صاحب نے خوش خبری دی تھی۔ کہ تو خواجہ

Marfat.com

ترک کے نقشِ قدم پر چلے گا۔

پھر یہی مصنف صاحب حضرت قلندر صاحب کے تذکرہ میں تحریر فرماتے ہیں ۶۰۵ھ میں بخشی ہند۔ قطب ابدال مولانا شاہ شرف الدین بو علی قلندر پانی پت میں پیدا ہوئے۔

یعنی خود ان کی روایت کے مطابق حضرت مخدوم کبیر الاولیاء حضرت قلندر صاحب سے دس سال بڑے ہوئے تو لوریاں سنانے۔ ایام طفولیت میں شفقت۔ بچپن میں خوشخبری سنانے وغیرہ کی تمام باتیں غلط ثابت ہوتی ہیں۔ اور اگر یہ باتیں صحیح تسلیم کی جاتی ہیں تو یہ قطعاً غلط ہو گا۔ کہ حضرت مخدوم صاحب نے ۱۷۰ سال کی عمر پائی۔

اب صرف یہ نہیں کہ سنہ ولادت ۵۹۵ھ کے علاوہ کوئی اور تسلیم کرنا پڑیگا۔ بلکہ یہ بھی ضروری ہو گا۔ کہ حضرت قلندر صاحب کو عمر میں اتنا بڑا تسلیم کیا جائے۔ کہ حضرت قلندر صاحب کا دَورِ قلندری ہو اور حضرت کبیر الاولیاء کا دَورِ طفولیت اور بچپن ہو۔

یہاں یہ بھی نظر انداز نہ ہونا چاہیئے کہ سوانح نگاروں کے بیان کے بموجب چالیس سال کی عمر میں حضرت قلندر صاحب پانی پت سے دہلی تشریف لے گئے ہیں۔ پھر چالیس سال قطب مینار کے نیچے درس دیتے رہے۔ اس کے بعد یا اسی دَور میں بیس سال منصبِ قضا سنبھالے رہے۔ اب یا تو حضرت مخدوم الاولیاء کی ولادت کا وہ دَور مانا جائے جب حضرت قلندر صاحب دہلی نہیں تشریف لے گئے تھے بلکہ پانی پت ہی میں مقیم تھے۔ یعنی ۶۴۵ھ سے پہلے مثلاً ۶۳۵ھ یا ۶۴۰ھ۔

یا وہ دَور تسلیم کیا جائے جب حضرت قلندر صاحب دہلی سے واپس تشریف

لاکر پانی پت میں مقیم ہو چکے ہیں۔ جو کم از کم ۶۶۵ھ کے بعد کا زمانہ ہوگا۔ مگر اس صورت میں یہ بھی ماننا پڑے گا کہ حضرت قلندر صاحب نے درس وافتار کی خدمت چالیس سال نہیں بلکہ صرف بیس سال انجام دی ہے۔ (جیسا کہ بعض سوانح نگاروں نے تحریر کیا ہے)

ان دونوں صورتوں میں یہ تسلیم کرنا بعید از قیاس ہوگا کہ حضرت کبیر الاولیار رح نے چالیس سال سیاحت میں صرف کئے۔ اس کے بعد آپ حضرت ترک سے بیعت ہوئے۔ کیونکہ اگر سنہ ولادت ۶۶۵ھ مانا جائے تو سال بیعت یعنی ۶۹۰ھ میں عمر شریف صرف پچیس سال ہوگی۔ اور اگر سال ولادت ۶۳۵ھ مانا جائے تو ۶۹۰ھ میں آپ کی عمر ۵۵ سال ضرور ہوگی۔ مگر یہ قطعاً بعید از قیاس ہوگا۔ کہ چالیس سال آپ نے سیاحت میں بھی صرف کر دیئے ہوں۔ غالباً کوئی سوانح نگار بھی اس کو تسلیم نہیں کرے گا کہ صرف پندرہ سال کی عمر میں آپ سیاحت کے لئے وطن عزیز سے نکل چکے تھے۔

پھر حضرت قلندر صاحب کے شعر موزوں کرنے۔ نیز حضرت مخدوم الاولیار کے کھیت پر قلندر صاحب کے تشریف لے جانے کے واقعہ کو یا ان جیسے اور واقعات کو غلط تو نہیں قرار دیا جا سکتا۔ البتہ ان کو صحیح تسلیم کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ حضرت قلندر صاحب اور حضرت مخدوم صاحب کی عمروں میں اتنا تفاوت ہو کہ حضرت قلندر صاحب جوان ہوں اور حضرت مخدوم صاحب کا ایسا بچپن ہو جس میں لوریاں دی جاتی ہیں۔ اور جب حضرت مخدوم صاحب جوان ہو کر اس قابل ہو گئے ہوں کہ زراعت کا انتظام کر سکیں۔ ایک بانکے نوجوان کی طرح سرخ لباس پہنکر شہ سوار بن سکیں تب حضرت قلندر صاحب کا دور قلندری شروع ہو گیا ہو۔

اس تمام بحث اور تبصرہ و تنقید کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ پوری عمر ۱۰۰ سال اور

سنہ ولادت ۵۹۵ھ کی روایتیں قطعاً غلط ہیں۔ قرین قیاس یہ ہے کہ آپ کی ولادت تقریباً ۶۳۵ھ میں ہوئی ہے۔ جب حضرت قلندر صاحب کی عمر شریف تقریباً تیس سال تھی۔ اور ابھی آپ دہلی تشریف نہیں لے گئے تھے۔ پھر ۶۴۴ھ سے تقریباً ۶۸۰ھ تک حضرت قلندر صاحب دہلی میں رہے۔ اور حضرت مخدوم الاولیار جوان ہوئے تو صحرانوردی شروع کردی۔ اور تقریباً بیس پچیس سال کی صحرانوردی اور سیاحت کے بعد جب عمر شریف تقریباً پینتالیس سال ہوئی تب آپ تقریباً ۶۸۰ھ میں پانی پت تشریف لائے۔ اور یہی وہ زمانہ ہے جب حضرت قلندر صاحب دہلی کی سکونت اور سلسلہ درس و تدریس اور منصب قضا و افتار ختم کرکے پانی پت تشریف لے آئے تھے۔ اس صورت میں انھیں مصنف صاحب کی یہ روایت بھی صحیح ہو جاتی ہے۔ جو خود انھیں کے الفاظ میں درج کی جارہی ہے۔

بیعت حضرت مخدوم خواجہ محمد جلال الدین کبیرالاولیار رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیم و تربیت حضرت قطب ابدال (قلندر صاحب) نے ہی فرمائی۔ اسی وجہ سے بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ کی محبت اور محبوب حقیقی کی طلب رگ و پے میں سرایت کرگئی تھی۔ حضرت قطب ابدال کو آپ سے بدرجہ غایت محبت تھی۔ اور آپ ہی نے مدارج معرفت طے کرائے۔ لیکن مُرید نہ کیا۔ شیخ جلال (مخدوم صاحب) جب کبھی مُرید ہونے کی درخواست کرتے تو قطب ابدال ازراہِ شفقت فرماتے کہ تُو تو ہماری بیٹی ہے۔ جو کچھ ہمارے پاس ہے وہ تو تجھ کو جہیز میں دیں گے اور تیرا شوہر تجھے اس گھر کا مالک بنائے گا۔ چنانچہ جب خواجہ شمس الدین ترک" پانی پت" تشریف لائے تو حضرت قلندر صاحب نے خود شیخ جلال کو حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کی خدمت میں مُرید ہونے کے لئے بھیجا۔ اس طرح شیخ جلال دولت قلندری سے مالامال ہوکر " دولت صابری "کے وارث بنے۔ (رحمۃ اللہ)

Marfat.com

حضرت شیخ کی خدمت

بیعت ہونے کے بعد خدمت شیخ کے متعلق کوئی واضح روایت نہیں ملتی۔ البتہ شادی کے سلسلہ میں جو گفتگو پہلے نقل کی جا چکی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

ہمہ وقت حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر رہتے اور آپ کی خدمت کرنے کو حضرت کبیر الاولیاء نے زندگی کا نصب العین بنا لیا تھا۔ آپ کو گوارا نہیں تھا کہ ایک لمحہ کے لئے بھی حضرت شیخ کی خدمت سے علیحدہ ہوں۔ اسی بنا پر آپ نکاح کے لئے بھی آمادہ نہیں تھے۔

حضرت شمس الاولیاء کی وفات ۷۱۵ھ میں ہوئی۔ اس حساب سے پچیس سال (از ۶۹۰ھ تا ۷۱۵ھ) حضرت کبیر الاولیاء اپنے شیخ کی خدمت میں مصروف رہے۔ ایک جوہر شفاف جو پہلے ہی تمام کدورتوں کو دور کر چکا ہو اس پر شمس منیر پچیس سال تک ضیا پاشی کرتا رہے تو وہ جو کچھ بھی ہو جائے کم ہے۔

اب ہم سیر الاقطاب کی ایک روایت خود مصنف کے الفاظ میں نقل کر کے اس بحث کو ختم کرتے ہیں۔ اس روایت میں صرف "چہل" کے لفظ سے ہمیں اختلاف ہے۔ باقی تمام عبارت ایک فصیح و بلیغ سند ہے۔

"منقول است کہ آں قطب المکرمین چہل سال مسافرت کرد و مکرر حج الحرمین شریفین ادا نمود۔ و از بسیار مشائخ کرام و اولیاء عظام نعمت یافتہ۔ پس بوطن رسید کہ بعنایت ظاہری و باطنی حضرت صاحب ولایت سرفراز گردید۔ و بالہام ربانی ارادت بآنحضرت آورد و خدمتہا نمود۔ در ریاضت و مجاہدہ از حد گذرانید۔ خلافت یافت و اسم اعظم کہ سینہ بسینہ رسیدہ بود و نسبت سینۂ خواجگان چشت بیا موخت وہم بجائے فرزند صاحب سجادگی نیز بالیشان رسید۔ و خانقاہ

وخدمت روضہ منورہ نیز بالشان متعلق گشت "

ترجمہ:۔منقول ہے کہ (آں قطب المکرمین) یعنی (حضرت مخدوم کبیرالاولیاء رحمۃ اللہ علیہ) چالیس سال سفر اور سیاحت کرتے رہے۔اسی عرصہ میں بار بار حرمین شریفین کی زیارت کی (متعدد حج کئے) بہت سے مشائخ اور اولیاء کرام کی خدمت میں حاضر ہو کر اُن سے فیض اور روحانی نعمت حاصل کی۔اس کے بعد وطن عزیز واپس ہوئے۔یہاں حضرت صاحب ولایت (حضرت شیخ شمس الدین ترک) کی ظاہری اور باطنی عنائیتوں سے سرفراز ہوئے۔اور غیبی اشاروں کی بنیاد پر آپ کے حلقۂ ارادت وبیعت میں داخل ہوئے۔حضرت شیخ کی خدمت تن دہی، جانفشانی اور سلیقہ سے کرتے رہے۔اور حد سے زیادہ محنت اور کوشش صرف کی۔پھر خرقہ خلافت حاصل کیا۔اور اسم اعظم جو سینہ بسینہ چلا آرہا تھا۔اور حضرت خواجگان چشت کی نسبت مبارکہ حاصل کی۔بہرصورت جب کہ حضرت مخدوم الاولیاء حضرت خواجہ ترک کے فرزند کی جگہ تھے۔تو آپ ہی حضرت خواجہ ترک کے سجادہ نشین قرار دیئے گئے۔اور خانقاہ اور حضرت خواجہ ترکؒ کے مزار مبارک کی خدمت آپ ہی کے سپرد ہوئی۔)

سندِ خلافت سیرالاقطاب میں وہ سندِ خلافت جو حضرت خواجہ شمس الدین ترکؒ نے حضرت مخدوم کبیرالاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو عطا فرمائی تھی۔پوری نقل کی گئی ہے۔اس کے ابتدائی حصے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ تک سلسلہ کے تمام مشائخ رحمہم اللہ کے اسماء گرامی ہیں۔اُس کے بعد اپنی طرف سے حضرت مخدوم الاولیاء کو خلافت عطا کرنے کا تذکرہ ہے۔پھر وہ الفاظ ہیں جن میں اپنے اور حضرت مخدوم الاولیاء کے تعلقات۔مخدوم الاولیاء کی صلاحیتوں اور اُن کے کمالات وغیرہ کا تذکرہ ہے

Marfat.com

اور یہ کہ حضرت ترک کو حضرت مخدوم پانی پتی پر پورا اعتماد ہے کہ وہ اس سلسلہ کی قدر کریں گے اور اپنی بہترین صلاحیتوں سے اس کو ترقی دیں گے اور اس کے فیض کو عام کریں گے۔ یہ الفاظ بہت شاندار ہیں۔ مگر کتابت کی غلطیوں نے ان کی صورت یہاں تک بگاڑ دی ہے کہ ناقابلِ فہم ہو گئے ہیں۔ ہم صرف چند الفاظ نقل کرتے ہیں۔

حضرت ترک اپنے شیخ محترم حضرت خواجہ علاؤالدین کے اسم گرامی کے بعد تحریر فرماتے ہیں :۔

هو اعطی الفقیر مع ولایت پانی پت ....

وانا اعطیت تمنسرة وخرقة ومقراضا وعصا وکاسا وسلمت ما فی قلبی وروحی وجسمی وعینی وبدنی وجنی واسراری وخفائی واعلانی۔ ظاهرا وباطنا للابن القلبی وحریف اسراری محمد بن محمود بن یعقوب وخطبته خطابا باسم جلال الدین وانا اقمته فی مقامی هذا وخططته مع سوادها وانا الاخذ بید رجل من الرجال من بعد ....

وشیخ جلال المذکور هو عالم بطریق الاسرار الالهیة وانا اعلمه فی ما بقی وهو الیق من هذه الدرجة الخ

ترجمہ :۔ حضرت خواجہ کلیریؒ نے اس فقیر کو خلافت عطا فرمائی۔ اور خدمت کے لئے یہ علاقہ پانی پت کا احقر کو سپرد کیا۔ اور میں عطا کر رہا ہوں۔ ٹوپی۔ خرقہ (عبا) مقراض۔ عصا اور پیالہ۔ اور جو کچھ میرے قلب، میری روح، میرے جسم، میری آنکھ۔ میرے بدن۔ میرے ظاہر اور پوشیدہ اور مخفی یا علانیہ میں میرے پاس ہے۔ وہ سب میں عطا کر رہا ہوں اپنے روحانی فرزند۔ واقف اسرار

Marfat.com

محمد بن محمود بن یعقوب کو، اور میں نے اس کو "جلال الدین" کا خطاب دیا ہے۔ اور اپنے مقام پر اُس کو قائم کیا ہے۔ اور یہ پورا علاقہ مع اس کے مضافات کے اُس کے سپرد کر دیا ہے۔ میں اب اس علاقہ میں کسی کو مُرید نہ بناؤں گا۔ یہ شیخ جلال الدین اسرار خداوندی کے طریقوں سے واقف ہیں اور جو باقی ہیں اُن کی میں تعلیم دے رہا ہوں۔ وہ اس درجہ اور مرتبہ کے لئے بہت موزوں ہیں۔

کمالات و کرامات جس برگزیدہ شخصیت کو حضرت خواجہ شمس الدین ترک جیسا شمس الاولیا ، واقف اسرارِ الٰہیہ فرمائے۔ اور اپنے رُوحانی فیوض و کمالات سے یہاں تک مالامال کر دے کہ جو کچھ اس کے پاس ہو وہ سب اُس کے حوالہ کر دے۔ تو اس کے کمالات کے لئے کسی مزید بیان اور تحریر کی ضرورت نہیں ہے۔ تاہم چند کمالات اور کرامتیں تحریر کی جاتی ہیں۔

(۱) سیر الاقطاب میں آپ کا ایک کمال یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ :-

"آنحضرت ہر کجا خواستے درطرفۃ العین آنجا رسیدے وہمچناں باز آمدے۔ ہر چند آں مقام دور تر بودے۔ چنانکہ اکثر نماز جمعہ بکعبۃ اللہ ادا کردے۔"

ترجمہ :- آنحضرت (مخدوم صاحب) جہاں چاہتے پلک کے ایک جھپکے میں وہاں پہونچ جاتے پھر اسی طرح واپس آجاتے۔ خواہ وہ مقام کتنا ہی دور ہوتا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اکثر آپ خانہ کعبہ میں ادا کرتے تھے۔

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک وزیر کا یہ کمال کلام اللہ شریف میں بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ اُنھوں نے ملکہ بلقیس کے بہت بڑے تخت کو جس کو قرآن حکیم نے "عرش عظیم" سے تعبیر کیا ہے۔ پلک جھپکنے سے بھی پہلے سینکڑوں میل کے فاصلہ

Marfat.com

پر زمین سے شام پہونچا دیا تھا۔

اس وزیر کی خصوصیت قرآن حکیم میں یہ بیان فرمائی گئی ہے"۔ عندہ علم من الکتاب " اس کو کتاب (توراۃ) کا ایک علم حاصل تھا۔

پس جب توراۃ کے عالم کو خدا نے یہ کمال عطا فرمایا تھا۔ تو کچھ بعید نہیں کہ قرآن حکیم کے کسی صاحب علم کو یہ کمال حاصل ہو کہ وہ پلک بھر میں کہیں سے کہیں پہونچ جائے۔

مگر یہ کمال کسی ایثار، جفاکشی اور قربانی کی خبر نہیں دیتا۔ اور فقہی نقطہ نظر بھی اس کی کچھ زیادہ تائید نہیں کرے گا۔ کیونکہ پنجوقتہ نمازوں میں تو شریعت نے مسجد محلہ کی جماعت میں شرکت کی تاکید فرمائی ہے۔

بیشک نماز جمعہ محلہ کی مسجد میں ٹھیک نہیں ہے۔ مگر جو شخص ہندوستان سے مکہ معظمہ پہونچے گا۔ اس پر سفر کے احکام عائد ہوں گے۔ مسافر کے حق میں نماز جمعہ کی وہ اہمیت نہیں رہتی۔

بہر حال ہمارے خیال میں حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ باہر لنگر خانے میں ہر روز ایک ہزار مہمان کھانا کھاتے تھے اور گھر کی حالت یہ کہ "قوت لایموت" بھی مشکل سے میسر ہوتا تھا۔

ایک طرف فتوحات کی یہ کثرت کہ ہزار مہمانوں کو بروقت طرح طرح کے کھانے کھلائے جائیں۔ دوسری جانب اپنے ذاتی آمد و صرف کا یہ عالم کہ فاقوں کی بھی نوبت آتی رہے۔

یہ تھا دادا پیر حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک کہ بارہ سال تک حضرت خواجہ شکر گنج کے لنگر خانے کے مہتمم و منتظم رہے۔ اور ایک دانہ اس کھانے میں سے موتھ میں نہیں ڈالا۔ حضرت مخدوم کبیر الاولیاء بھی ساری عمر اسی مسلک پر قائم رہے

سیرالاقطاب کی پوری روایت کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:۔

"آنحضرت کو ظاہری تصرف بھی اس درجہ حاصل تھا کہ مطبخ میں ہر روز ایک ہزار آدمیوں کا کھانا تیار ہوتا تھا۔ دستر خوان پر پورے ایک ہزار آدمی بیٹھتے تھے اگر کبھی مہمان اتنی تعداد میں نہیں ہوتے تو خدام کو حکم تھا کہ کوچہ و بازار سے کچھ آدمیوں کو بلا لائیں۔ اور ہزار کی تعداد پوری کریں۔ کھانے طرح طرح کے ہوتے تھے۔ اگر حضرت مخدوم پانی پت سے باہر شکار میں ہوتے کبھی پندرہ بیس روز کبھی ایک ایک مہینہ شکار میں رہتے۔ وہاں بھی مطبخ اور مہمانوں کی یہی شان رہتی تھی۔

اس دریا دلی اور فراخی حوصلہ کے باوجود:۔

اگر کسے درخانہ آنحضرت خبر می گرفت و مطلع می شد حیران می ماند۔ ازانکہ فقر و فاقہ اختیاری چنداں بکمال داشت کہ قوت یک روزہ ہم موجود نمی بود۔ وخدا داند کہ این چہ تصرف و ولایت میسر گردیدہ بود۔

ترجمہ:۔ اگر کوئی آنحضرت مخدومؒ کے اندرون خانہ کی خبر لیتا۔ اور وہاں کی کیفیت و حالت سے مطلع ہوتا تو حیران رہ جاتا تھا کہ اپنے اختیاری فقر و فاقہ سے حالت یہ تھی کہ ایک دن کی خوراک کا سامان بھی گھر میں موجود نہیں ہوتا تھا۔ اور خدا جانے یہ کس قسم کی ولایت اور کس طرح کا تصرف آپ کو میسر ہوا تھا۔ (کہ گھر میں فاقہ اور باہر لنگر)

مصنف سیرالاقطاب نے آخر میں ایک سوال کرکے جواب کی طرف اشارہ کر دیا اور ہمیں مجبور کر دیا کہ ہم جواب کی وضاحت کریں۔

یہ اسی قسم کا فقر و فاقہ تھا جو کاشانۂ نبوت (صلی اللہ علیٰ صاحبہا وسلم) کی خصوصیت تھا کہ درہم و دینار کے ڈھیر۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد

Marfat.com

مبارک کے صحن میں لگے ہوئے ہیں۔ اور فخر الانبیاء رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تقسیم فرما رہے ہیں۔ کہ تاریکی شب کی آمد سے پہلے پہلے یہ سب اُن کے پاس پہنچ جائیں جو ان کے مستحق ہیں۔ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے قطعاً موزوں نہیں کہ اُس کے شبستان میں سونے یا چاندی کا کوئی ریزہ رات گذار سکے۔

ہم اکثر پڑھا کرتے ہیں۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک میں بہترین نمونہ ہے) مگر روپیہ پیسے کے معاملہ میں ہمیں اس اسوۂ حسنہ اور "بہترین مثال" کا تصور کبھی نہیں آتا۔ ہم اپنے مدرسوں اور مذہبی اداروں کے لئے اہل خیر سے چندے وصول کرتے ہیں۔ چندہ دینے والے ہمیں عطیہ نہیں دیتے بلکہ وہ ہمارے ادارہ کو عطیہ دیتے ہیں۔ مگر یہ احتیاط ہم سے ان چندوں کے بارہ میں بھی نہیں ہوسکتی جو ہمارے پاس صرف امانت ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس حضرت مخدوم کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو لوگ جو کچھ اُن کو دیا کرتے تھے۔ اس قسم کی فتوحات عام طور پر ذاتی مِلک تصور کی جاتی ہے۔ لیکن سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح اتباع سنت یہ ہے کہ آپ اِن ذاتی اور شخصی عطیات کو بھی امانت قرار دیتے تھے۔ اور جو کچھ فتوحات ہوتی تھی وہ لنگر خانے کی امانت تصور فرماتے تھے۔

پھر اس امانت داری سے بھی بڑھا ہوا کمال وہ "اخفار" ہے۔ جو بذاتِ خود ایک کرامت ہے۔ یعنی گھر کی حالت گویا اندرون خانہ کی امانت ہوتی تھی ناممکن تھا کہ کسی کو اُس کا پتہ بھی چل جائے۔

قرآن حکیم نے قرن اول (دورِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کی یہ شان فرمائی ہے۔ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔ جو لوگ اُن کے اندرونی حالات سے ناواقف ہیں وہ ان کو امیر اور تونگر سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ

Marfat.com

اظہار ضرورت کے ہر ایک موقع سے پاکدامن رہتے ہیں۔ وہ ہرگز گوارا نہیں کرتے کہ اشارہ وکنایہ میں بھی کوئی ایسی بات کسی کے سامنے آسکے جس سے گھر کے فقر و فاقہ کا اس کو احساس ہو جائے۔

مستجاب الدعوات ہونا

حضرت خواجہ محمد پانی پتی کو شیخ نے جلال الدین اور مشائخ نے کبیر الاولیا ر اسی لئے کہا کہ وہ قرن اول کے بزرگوں کی اس خصوصیت کے حامل تھے کہ اندرونِ خانہ فاقہ مست اور باہر بادشاہوں سے بھی زیادہ تو انگر اور سخی داتا۔ رحمۃ اللہ۔

یہ ایثار۔ اور دوسروں کے لئے یہ ترجیحی سلوک کہ گھر میں فاقہ اور دوسروں کے لئے طرح طرح کے شکم سیر کھانے۔ یہ اُس درد کا پتہ دیتا ہے جس کا نام ہے خلقِ خدا کی غمخواری ہے یہ غمخواری اور یہ ہمدردیٔ خلقِ خدا وہ کیمیا ہے جو مشتِ خاک کو کُندن بنا دیتا ہے۔ اور انسان کو فرشتوں سے بھی اوپر پہونچا دیتا ہے۔ پس ایسا شخص اگر مستجاب الدعوات ہو۔ اور بقول سیر الاقطاب اگر اُس کی حالت یہ ہو کہ:۔

"ہر چہ از زبان مبارکش برآمدے ہماں شدے۔"

(اُن کی زبان مبارک پر جو کچھ آتا وہی ہوتا تھا۔)

تو مقام تعجب نہیں۔ کیونکہ زبان مبارک پر وہی آئے گا۔ اور دعار کے لئے ہاتھ اُسی کی خاطر اُٹھیں گے جو ہمدردیٔ خلقِ خدا کی چھلنی میں چھنا ہوا ہو گا۔

(۲) اسی قبولیت دعار کے سلسلہ میں وہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے جس نے اس زمانہ کے بادشاہ فیروز شاہ کو بھی یہاں تک متاثر کر دیا تھا کہ وہ سلام کرنے اور دعائیں لینے کے لئے پانی پت حاضر ہوا۔

واقعہ یہ ہے کہ مخدوم جہانیاں حضرت سید جلال اپنے وطن "اوچ" سے دہلی تشریف لائے ہوئے تھے۔ بادشاہ کے مہمان تھے کہ سخت بیمار

Marfat.com

ہوگئے۔ یہاں تک کہ نزع کی کیفیت شروع ہوگئی۔ لوگ مایوس ہوکر جنازہ وغیرہ کے انتظام میں مصروف ہونے لگے۔ دفعتہً حضرت مخدوم جلال الدین کبیرالاولیا رؒ وہاں پہنچے۔ بیمار کے سرہانے کھڑے ہوکر سلام کیا۔ بیمار نے فوراً آنکھیں کھولدیں۔ حضرت مخدوم پانی پتی نے فرمایا۔ اُٹھئے وضو کیجئے۔ حضرت سید جلال جو بیمار تھے اور نزع کی حالت میں تھے اُٹھے۔ وضو کی۔ پھر دعا کی۔ اور خدا کے فضل سے اچھے ہوگئے بیماری کا نام ونشان بھی نہ رہا۔ یہ سلب مرض کی ایسی عجیب وغریب صورت تھی جس کو کرامت ہی کہا جاسکتا ہے۔ بادشاہ جو سید جلال مخدوم جہانیان جہاں گشت سے بیعت تھا۔ وہ بھی وضو وغیرہ کرکے اس لئے آرہا تھا کہ اپنے پیر کی آخری زیارت کرلے۔ جب اُس نے یہ کرامت دیکھی تو وہ بھی حیران رہ گیا۔

اس کے بعد حضرت سید جلال دس سال تک زندہ رہے۔

اب اس واقعہ کو سیرالاقطاب میں جس انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ وہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے:۔

مصنف سیرالاقطاب اللہ دیا صاحب عثمانی حضرت مخدوم کبیرالاولیا رؒ کے سب سے بڑے صاحبزادے حضرت شیخ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت کے پانچوں فرزند حاضر تھے۔ حضرت مخدوم کبیرالاولیا رؒ نے فرمایا:۔

"حضرت حق جل مجدہٗ کا فرمان یہ ہے کہ میں اپنی عمر کا کچھ حصہ اپنے ہمنام "سید جلال" کو دیدوں۔ وہ بیمار ہیں اور اُن کی عمر پوری ہوچکی ہے۔"

Marfat.com

صاحبزادوں نے جب یہ سُنا تو چار نے تو عرض کیا "کہ حضرت کی زندگی اتنی قیمتی ہے کہ ہماری آرزو یہ ہے کہ ہم سب کی عمریں آپ کی نذر ہو جائیں تو ہم اس کو اپنی اور ساری مخلوق کی بہت بڑی سعادت سمجھیں گے۔
پس ہم یہ کیسے گوارا کر سکتے ہیں کہ حضرت کی عمر میں کمی ہو۔"

پانچویں فرزند حضرت شبلی نے عرض کیا کہ اگر فرمان خداوندی یہی ہے۔ تو آپ یقیناً اپنی عمر مبارک کا کچھ حصہ سید جلال کو عطا کر دیں۔ تاکہ خلقِ خدا اُن کے فیوض سے اور زیادہ بہرہ یاب ہو سکے کیونکہ موت تو لامحالہ آنے والی ہے۔ جناب والا اپنی عمر کا ایک دن دیدیں یا بالکل کچھ نہ دیں۔ اور آپ کی عمر اتنی بڑھ جائے۔ کہ ایک ہزار سال تک آپ کے فیض کے چشمے بہتے رہیں تب بھی موت سے نجات نہیں۔ وہ اب نہ سہی، ایک ہزار سال بعد آئے گی مگر لامحالہ آئے گی۔

پس اگر اشارہ خداوندی یہ ہے کہ آپ اپنی عمر کا کچھ حصہ حضرت سید جلال کو دیدیں تو بہتر یہی ہے کہ خوشنودی دوست کی خاطر یہ قربانی منظور فرمائیں۔

حضرت مخدوم پانی پتی اس جواب سے خوش ہوئے۔ پھر آپ پر استغراقی کیفیت طاری ہو گئی۔ سب صاحبزادے بھی یہاں سے رخصت ہو گئے۔ صرف شیخ عبدالقادر صاحب جو مصنف سیرالاقطاب کے مورث ہیں، وہیں ٹھیرے رہے۔ حضرت مخدوم پانی پتی استغراقی کیفیت سے بیدار ہوئے چشم مبارک کھولی تو وہاں عبدالقادر صاحب موجود تھے۔ فرمایا اچھا۔ تم یہاں موجود ہو تو آؤ۔ میرے ساتھ چلو۔ یہ فرما کر عبدالقادر صاحب سے فرمایا۔ اپنے پاؤں میرے پاؤں پر رکھو اور آنکھیں بند کر لو۔ حضرت خواجہ عبدالقادر نے آنکھیں بند کر لیں۔ پھر حضرت مخدوم نے فرمایا۔ اب آنکھ کھولو۔ حضرت خواجہ عبدالقادر نے آنکھ کھولی۔ تو دیکھا کہ وہ بجائے پانی پت کے، دہلی کے شاہی محل میں ہیں۔ جہاں حضرت سید جلال پر نزع کی کیفیت طاری ہے۔

Marfat.com

حضرت مخدوم پانی پتی مریض کے سرہانے پہونچے اور سلام کیا۔ سید جلالؒ نے فوراً آنکھیں کھولیں۔ سلام کا جواب دیا۔ حضرت مخدوم پانی پتی نے فرمایا۔ اُٹھو، وضو کرو۔ سید جلال صاحب بسترِ مرض سے جو اب بسترِ مرگ بنا ہوا تھا اُٹھے۔ وضو کیا۔ پھر حضرت مخدوم پانی پتی سے کچھ درخواست کی۔ حضرت مخدوم نے انگلیوں سے اشارہ کرکے یہ بتایا کہ اپنی عمر میں سے دس سال حضرت سید جلال کو دیدیئے۔ چنانچہ حضرت سید جلال فوراً تندرست ہوگئے۔ حضرت مخدوم پانی پتی فوراً رخصت ہوکر پانی پت پہونچ گئے۔ جب فیروز شاہ کو یہ معلوم ہوا کہ حضرت سید جلال تندرست ہوگئے تو وہ فوراً حاضر ہوا۔ اور عرض کیا۔ میری بڑی خوش قسمتی ہے کہ میرے زمانہ سلطنت میں اللہ تعالیٰ کے ایسے برگزیدہ بندے بھی ہیں۔ بادشاہ نے اپنے شیخ طریقت سید جلال مخدوم جہانیان سے عرض کیا کہ دل چاہتا ہے میں حضرت مخدوم پانی پتی کی خدمت میں حاضر ہوں۔ سید صاحب نے فرمایا۔ بہت بہتر ہے۔ آپ ضرور حاضری دیجیئے۔ چنانچہ بادشاہ شاہانہ انداز میں پانی پت پہونچا۔ خدمت مبارک میں حاضر ہوا۔ شکریہ ادا کیا۔ پھر عرض کیا۔ کچھ ہدیہ لایا ہوں۔ وہ منظور فرمالیجیئے۔

چنانچہ بہت سے خوان ہیرے جواہرات، سونے چاندی کے سکّوں اور اعلیٰ قسم کے کپڑوں سے لبالب بھرے ہوئے پیش کیئے گئے۔

حضرت مخدوم پانی پتی نے فرمایا۔ یہ ہمارے کس کام کے ہیں۔ ہم فقیر لوگ ہیں ہمارے یہاں نہ کوئی دربان نہ چوکیدار، دروازے کے کواڑ بھی ہمارے یہاں رات کو بند نہیں ہوتے۔ ان ہدایا کی حفاظت کی مصیبت کون مول لے۔ آپ کے یہاں ہی ان کی حفاظت کا انتظام ہے۔ یہ آپ کو ہی مبارک ہوں۔ بادشاہ نے ہر چند خوشامد کی مگر شنوائی نہیں ہوئی۔ جب بادشاہ حضرت مخدوم کی منظوری نہ حاصل کر سکا۔ تو اس نے آپ کے صاحبزادوں کو راضی کرنا چاہا۔ وہ بھی تیار نہ ہوئے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے سب

Marfat.com

کچھ ہمیں دے رکھا ہے کسی کا احسان نہیں ہے۔ تو ہمیں کیا ضرورت ہے کہ اپنے "فقر" اور استغنار کو چھوڑیں۔ احسان مند بنیں۔ اور اُن کی حفاظت کے انتظام میں وقت عزیز ضائع کریں۔ بہرحال جب بادشاہ کو سب طرف سے مایوسی ہوئی تو حکم دیا کہ یہ سب خوان ہی آستانہ مخدوم پر چھوڑ دیئے جائیں۔

پھر بچشم نم رخصت ہوا۔ اور دھلی واپس آگیا۔

ایک علمی لطیفہ:۔ اسی اثنار میں جب بادشاہ خدمت میں حاضر تھا تو اُس نے عرض کیا۔ حضرت والا۔ کیا جناب نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

حضرت مخدوم پانی پتی نے جواب دیا۔ شریعت کی تصریح ہے کہ ان آنکھوں سے خداوند عالم کو دیکھنا ممکن نہیں ہے۔ پس خدا کو تو نہیں دیکھا۔ البتہ "سایۂ خدا" (یعنی بادشاہ) کو دیکھا ہے۔ بادشاہ کو عموماً "ظل اللہ" کہا جاتا تھا یعنی اللہ کا سایہ۔ بادشاہ اس برجستہ جواب سے بہت خوش ہوا۔ اور وہ ہدیے پیش کیے جن کا ذکر اوپر گذرا ہے۔

ضروری تبصرہ ہم نے یہ واقعہ سیر الاقطاب کے حوالہ سے نقل کر دیا ہے مگر تاریخی قرائن اس کی تائید نہیں کرتے۔ کیونکہ اس واقعہ کا تقاضا یہ ہے کہ جب بھی قبولیت دعار اور شفایابی کا یہ قصہ پیش آیا ہو اس وقت سے دس سال بعد حضرت مخدوم جہانیان کی وفات ہوگئی ہو۔

حضرت مخدوم کبیر الاولیار کی وفات ۷۶۵ھ میں ہوئی ہے۔ فرض کر لیجئے۔ کہ اسی سال یہ واقعہ پیش آیا کہ حضرت کبیر الاولیار نے اپنی عمر کے دس سال حضرت مخدوم جہانیان کو دیدیئے تو حضرت مخدوم جہانیان کی وفات ۷۷۵ھ میں ہو جانی چاہیئے۔ لیکن آپ کی وفات ۷۷۵ھ میں نہیں ہوئی۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ دس سال بعد ۷۸۵ھ یا تیرہ سال بعد ۷۸۸ھ میں ہوئی۔ اخبار الاخیار میں سال

وفات ۷۸۵ھ ہے اور معارج الولایت میں ۷۸۸ھ۔

حضرت مولانا عبدالحق صاحب محدث دھلوی تحریر فرماتے ہیں کہ سید جلال بخاری جن کا لقب مخدوم جہانیان ہے۔ یہ ایک ایسے باکمال بزرگ تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے علم کی دولت بھی عطا فرمائی تھی۔ اور ولی کامل بھی تھے اور خاندانی لحاظ سے سید بھی تھے۔

خزینۃ الاصفیار میں ہے کہ آپ مادر زاد ولی تھے۔ پہلے شیخ الاسلام شیخ رکن الدین قریشی سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ آپ کو سیاحت کا شوق تھا۔ بہت سے ممالک میں آپ تشریف لے گئے۔ حج بیت اللہ شریف سے بار بار مشرف ہوئے۔ بہت سے علمار اور مشائخ سے علوم ظاہری و باطنی کا استفادہ کیا۔ چاروں سلسلوں سے آپ کو خلافت ملی تھی۔ سلطان فیروز کے زمانہ میں اُچ سے دہلی تشریف لائے۔ ۷۰۷ھ کی شبرات کو آپ کی ولادت ہوئی تھی۔ اور ۷۸ سال یا ۸۱ سال عمر پوری کر کے ۷۸۵ھ یا ۷۸۸ھ کی عیدالاضحیٰ کے روز آپ کی وفات ہوئی۔ اُچ ملتان کے قریب کوئی مقام تھا۔ (اخبارالاخیار و خزینۃ الاصفیار)

(۳) مصنف سیرالاقطاب نے ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے۔ مگر وہ اس کے برعکس ہے۔ یعنی "مرنے" کی خبر دی۔ اور جیسے خبر دی تھی ویسے ہی موت آگئی۔

اس کے متعلق سیرالاقطاب کی روایت کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ بادشاہ کا ایک بھانجہ تھا۔ "فتح خاں"۔ یہ بادشاہ سے بہت بے تکلف تھا۔ اس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک کا نقش بھی کسی طرح بادشاہ کو میسر آگیا تھا۔ ماموں بھانجہ (بادشاہ اور فتح خاں) میں سے ہر ایک کی تمنا تھی کہ یہ "نقش مبارک" دفن کے وقت اس کے سینہ پر رکھا جائے۔ دونوں میں کافی بحث ہوئی۔ بالآخر ایک ایسی بات پر فیصلہ ہوا جس سے ہر ایک کو پہلے مرنے

Marfat.com

کا آرزومند بنا دیا۔ فیصلہ یہ ہوا کہ دونوں میں سے جو پہلے مرے یہ نقش مبارک اُس کے سینہ پر رکھا جائے گا۔

معلوم ہوتا ہے "فتح خاں" کی تمنا بڑھی ہوئی تھی۔ اُسے گویا عشق ہو گیا۔ کہ یہ نقش مبارک اُس کے سینہ کا زیور بنے۔ اس عشق نے اُس کو "موت" کا بھی آرزومند بنا دیا۔ مگر خودکشی حرام ہے۔ تو اُس نے اکابر مشائخ کی خدمت میں حاضری شروع کی۔ کہ یہ روحانی مقصد انھیں کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے۔ جو اس شاہراہ کی منزلوں سے واقف ہوتے ہیں۔ جب اُسے حضرت خواجہ جلال الدین کبیر الاولیاء کی اس کرامت اور آپ کی دعا کی اس غیر معمولی مقبولیت کا علم ہوا۔ کہ دم کے دم میں بادشاہ کے پیر خدا کے فضل سے صحت مند و تندرست ہو گئے۔ تو اُس کو یقین ہو گیا کہ جس کی دعا موت کو زندگی سے بدل سکتی ہے یقیناً اُس کے انفاس قدسیہ زندگی سے بیزار کو موت کا عطیہ بھی عطا فرما سکتے ہیں۔ چنانچہ وہ پانی پت پہونچا۔ اور بے محابا حجرۂ مبارکہ میں داخل ہونے لگا۔

شیخ زینا جو حضرت مخدوم کبیر الاولیاء کے خادم خاص اور خلیفہ تھے آستانہ پر حاضر تھے۔ اور بالفاظ "سیر الاقطاب" حلقہ حجرہ بدست گرفتہ ایستادہ بسان فیل مست بے جنبد" (حجرۂ مبارک کی زنجیر ہاتھ میں تھامے کھڑے تھے اور مست ہاتھی کی طرح جھوم رہے تھے)

شیخ زینا نے جب اس نوجوان کو بے باکانہ حجرہ میں داخل ہوتے دیکھا تو ڈانٹ کر کہا — او بچہ! کہاں جاتے ہو۔ کیا تم زندہ سلامت واپس آنا نہیں چاہتے۔

فتح خاں نے ترنت کر جواب دیا: "سلامت می روم و سلامت باز آیم" (زندہ سلامت جاؤں گا، اسی طرح زندہ سلامت واپس آؤں گا)

Marfat.com

شیخ زینا۔ اگر تم زندہ سلامت واپس آجاؤ تو میرا کُرتا چاک کر دینا۔ ورنہ میں تمہاری "پی پی" کو (یعنی تمہارے کپڑے کو) پارہ پارہ کر دوں گا۔

فتح خاں کی آرزو ہی یہ تھی کہ موت کی پیشین گوئی کسی طرح میسر آجائے اُس نے شیخ زینا کے اس جملہ کو اپنی مراد کے لئے فال نیک تصوّر کیا۔ اور اسی طرح زبردستی حجرہ میں داخل ہو گیا۔

حضرت شیخ مراقبہ میں مصروف تھے۔ فتح خاں برابر میں دست بستہ کھڑے ہو گئے حضرت شیخ تھوڑی دیر کے بعد مراقبہ سے فارغ ہوئے تو اتفاق سے زبان مبارک سے یہ جملہ صادر ہوا۔ "برو بمیر" (جاؤ مر رہو) اس جملہ کے سُنتے ہی فتح خاں مسرت سے بے خود ہو گیا۔ اور مریدانہ انداز میں آداب بجالاتے ہوئے حجرہ سے باہر آیا۔ شیخ زینا۔ اسی طرح آستانہ پر حاضر تھے۔ فتح خاں نے مخاطب ہو کر کہا۔ دیکھئے کس طرح زندہ سلامت نکل آیا۔

شیخ زینا:۔ سلامتی کہاں۔ تیر نشانہ پر پہونچ گیا۔ موت کو سر پر سوار کر کے لائے ہو۔ دہلی تک صحیح سالم نہیں پہونچ سکتے۔

فتح خاں کی خود تمنا یہی تھی۔ اس نے کہا حضرت زینا۔ میری تو آرزو یہی ہے۔ اسی لئے تو آیا تھا۔ اور حضرت مخدوم کے ارشاد کے بعد آپ کی زبان سے بھی یہی کہلوانا چاہتا تھا۔ تاکہ بات پکّی ہو جائے۔

اب فتح خاں خوش تھا۔ پھرتی سے گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور دہلی کی طرف گھوڑا دوڑا دیا۔ دہلی کے قریب پہونچا تو اُس کو نیند آنے لگی۔ گھوڑے کو ٹھیرایا۔ اور چادر تان کر ایک درخت کے نیچے لیٹ گیا۔ اور فوراً ہی۔

"جان بحق تسلیم کرد" (جان جان آفرین کے حوالہ کر دی۔

بادشاہ کو اس کی وفات کا علم ہوا تو اس کی موت سے زیادہ اس

Marfat.com

کا افسوس ہوا کہ وہ بازی لے گیا۔

چنانچہ دفن کے وقت یہ نقش مبارک اس کے سینہ کا زیور بنایا گیا۔

اللہ دیا صاحب مصنف سیر الاقطاب تحریر فرماتے ہیں :-

" تا حال مطاف خلائق گردید۔ "

(یہ مزار اب تک مخلوق کی زیارت گاہ ہے۔)

اللہ دیا صاحب نے سیر الاقطاب کی تصنیف ۱۰۳۶ھ میں شروع کی تھی، اور جیسا کہ آخر میں خود تحریر فرمایا ہے ۱۰۵۶ھ میں ختم کی۔ یہ شاہجہاں بادشاہ کا دورِ حکومت ہے۔ اُس وقت یہ مزار زیارت گاہِ خلقِ خُدا ہو گا۔

ایک گنبد پانی پت کے راستہ میں موضع باولی کے قریب دہلی سے تقریباً ۲۳ میل کے فاصلہ پر اب بھی ہے۔ اس کے متعلق اسی قسم کی روایت مشہور ہے۔ مگر اب یہ زیارت گاہ نہیں رہا۔ بلکہ غیر آباد کھنڈر ہے ممکن ہے دہلی کی بڑھتی ہوئی آبادی چند روز ہی میں اُس کو بے نشان کر دے۔

(۴) یوں تو عام طور پر ارادتمندوں اور معتقدین کی درخواست اپنے مشائخ سے ہوا کرتی ہے۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشہ چشمے بما کنند

(وہ جو خاک کو بھی ایک نظر سے کیمیا بنا دیتے ہیں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نظر ہم پر بھی ڈال دیں۔)

مگر حضرت مخدوم کبیر الاولیاء کے متعلق ایسی روایتیں بھی مشہور ہیں۔ کہ آپ نے دلوں کی کھوٹی پونجی ہی کو کیمیا نہیں بنایا۔ بلکہ آپ کی نظر کیمیا اثر نے سنگریزوں کو پارس کی پتھری اور لکڑی اور لوہے کے سامان کو زرِ خالص بنا دیا

Marfat.com

چنانچہ ایک مرتبہ آپ کسی دریا کے کنارے پہونچے۔ وہاں ایک جوگی آنکھ بند کئے بیٹھا تھا۔ حضرت شیخ اس کے پاس پہونچے تو اس نے آنکھ کھولی۔ اور کہا خوب آئے۔ میرے پاس پارس کی پتھری ہے۔ میں نے طے کر لیا تھا۔ کہ جب میں آنکھ کھولوں گا تو جو بھی سامنے ہو گا۔ یہ پتھری اُس کو دیدوں گا۔ یہ تمہاری خوش نصیبی ہے کہ تم سامنے ہو۔ لو اس پتھری کو احتیاط سے رکھو۔ دولت لازوال تم کو میسر آگئی۔

حضرت شیخ نے وہ پتھری لی۔ اور لاپروائی سے دریا میں پھینک دی۔ جوگی کو اس حرکت پر بہت طیش آیا۔ اس نے حضرت شیخ کی شان میں بہت سخت سُست الفاظ بکنے شروع کئے حضرت شیخ نے فرمایا۔ پتھری تم مجھے دے چکے تھے۔ اب اگر میں نے اس کو دریا میں ڈال دیا تو میری چیز تھی۔ میں نے اس کو ضائع کر دیا۔ اب آپ خفا کیوں ہوتے ہیں۔ مگر جوگی کا غصّہ فرو نہیں ہوا۔ وہ اور تیزی سے برہم ہونے لگا۔ اور یہ کہ وہ پتھری واپس کرو ورنہ میں تجھے یہاں سے جانے نہ دوں گا۔

حضرت شیخ نے جب اس کو حد سے زیادہ برافروختہ دیکھا تو فرمایا: خفا نہ ہوجیئے۔ دریا میں نظر ڈالئے۔ آپ کو اس جیسی بہت سی پتھریاں ملیں گی۔ اپنی پتھری لے لیجئے۔ مگر دیکھئے صرف ایک ہی پتھری لینا۔ یہ نہ ہو کہ طمع میں آکر دامن بھرنے لگو۔

جوگی نے نظر ڈالی تو واقعی دریا میں پارس کی پتھریاں بے شمار پڑی تھیں اب جوگی حیران ہوا۔ اوّل تو اس نے چاہا کہ کئی پتھریاں اُٹھالے۔ مگر حضرت شیخ نے فوراً روکا۔ کہ اپنے وعدہ پر قائم رہو۔ ایک سے زیادہ نہ لو۔

بہرحال جوگی کا جوش اور غصّہ ختم ہوا۔ تو حضرت شیخ نے فرمایا۔ جس کو

Marfat.com

درگاہ حضرت مخدوم شیخ جلال الدین کبیر الاولیاءؒ

Marfat.com

Marfat.com

خدا نے یہ طاقت بخشی ہو کہ معمولی سنگریزوں کو پارس کی پتھری بنا دے۔ وہ پارس کی ایک پتھری کی کیا قدر کرسکتا ہے۔ اور بھائی جوگی! پارس کی پتھری کی تلاش بے کار ہے۔ اس طاقت کی جستجو کرو۔ جو سنگریزوں کو پارس کی پتھری بنا دیتی ہے۔

اب جوگی کی آنکھیں کھلیں، پارس کی پتھری کا خمار دماغ سے دور ہوا۔ اور اس حقیقی طاقت کی جستجو میں وہ آپ کے دامن سے وابستہ ہو گیا۔ چنانچہ دولت اسلام کے ساتھ اس کو خداشناسی اور خدارسی کی لازوال دولت بھی میسر آئی۔

(۵) اسی طرح ایک مرتبہ حضرت شیخ کہیں سفر میں تشریف لے جا رہے تھے۔ شب کے وقت ایک گاؤں میں قیام فرمایا۔ دیکھا کہ گاؤں والے اپنا سامان اٹھا کر اور اپنے کپڑوں کی بقچیاں باندھ کر گاؤں سے فرار ہونے کی تیاری کر رہے ہیں۔ حضرت نے وجہ دریافت کی۔ تو گاؤں والوں نے عرض کی۔ کہ اس سال ژالہ باری سے ہماری فصلیں تباہ ہو گئی تھیں۔ حاکم سے ہم نے معافی کی درخواست کی۔ اس نے محصول معاف نہیں کیا۔ وہ کل کو یہاں آنے والا ہے۔ ہم پر ظلم و ستم کرے گا۔ اس لئے ہم یہاں سے بھاگ رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا:۔ اگر تم لوگ یہ گاؤں میرے ہاتھ فروخت کردو۔ اور اس کا نام بدل کر جلال آباد رکھ دو۔ تو تم کو میں اتنا سونا دیدوں گا کہ تمہارا محصول ادا ہو جائے گا۔ باقی کو تم اپنے کام میں بھی لا سکو گے اور خوشحال ہو جاؤ گے۔

گاؤں والوں کے لئے اس سے زیادہ اطمینان اور خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی وہ سب تیار ہو گئے۔

آپ نے فرمایا۔ اچھا ایک کام کرو۔ تمہارے یہاں جتنے لوہے کے

Marfat.com

اَوزار ہیں سب کو اکٹھا کرلو۔ اور لکڑیوں کا ایک انبار لگالو۔

گاؤں والے جو ان تمام اوزاروں کو چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے وہ اس کے لئے آمادہ ہو گئے۔ اور اپنے تمام اوزار اکٹھے کر دیئے۔ لکڑیوں کا بھی انبار لگا دیا۔ حضرت شیخ نے لکڑیوں میں آگ لگائی۔ اور فرمایا صبح کو اپنے اپنے اوزاروں کو دیکھنا۔ لکڑیوں کے انبار نے جب آگ پکڑ لی تو نصف شب کے قریب حضرت شیخ اس گاؤں سے روانہ ہو گئے۔ جب صبح ہوئی۔ گاؤں والے لکڑیوں کے اس چشتے پر جو رات بھر جل کر اب خاک ہو گیا تھا پہونچے۔ دیکھا کہ جو اوزار لوہے کے تھے۔ وہ سب سونے کے ہو گئے تھے۔ ان غریبوں نے اپنے یہ اوزار لئے اور حاکم کا واجبی محصول ادا کر دیا۔ باقی تمام سونا آپس میں تقسیم کر کے مالا مال ہو گئے اور حسب وعدہ گاؤں کا نام "جلال آباد" رکھ دیا۔

اِن روایتوں کے مطالعہ سے ایک ظاہر بیں کی نظر حضرت مخدوم کی قوّت تصرّف پر ہوگی۔ مگر ہماری نظر اُس استغنا اور بے نیازی پر ہے جو ان کرامتوں کی بنیاد ہے۔ جو حقیقی پَرتو ہے سید الکونین رحمۃ للعالمین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اسوۂ مبارکہ اور آپ کی سیرت مقدسہ کا۔

آپ نے سیرت کی کتابوں میں پڑھا ہوگا۔ کہ ایک مرتبہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دربار رسالت میں عرض کیا تھا کہ اگر اجازت ہو تو اُحد کے اس اونچے پہاڑ کو آپ کے لئے سونا بنا دیا جائے۔ تو سید الکائنات کا جواب یہ تھا۔ خداوندا۔ مجھے یہ فقر ہی پسند ہے۔ ایک وقت بھوکا رہوں تو صبر کروں دوسرے وقت کھانا مل جائے تو شکر کروں۔ صبر و شکر دونوں کمال ہیں۔ دونوں کی فضیلتیں میسر آتی رہیں۔

اسی کو صوفیا "فقر اختیاری" کہہ دیتے ہیں۔ کہ دولت بداماں ہوتے

Marfat.com

ہوئے اپنی مرضی سے تہی دست ہیں۔

چنانچہ سیر الاقطاب میں واقعہ نقل کیا ہے۔کہ ایک کیمیا گر اتفاق سے پانی پت پہونچ گیا تھا۔اس کو کسی طرح خانگی حالات کا علم ہو گیا۔تو اُس نے حضرت مخدوم کبیر الاولیاءؒ کے ایک صاحبزادہ کو اپنا شاگرد بنانا چاہا۔صاحبزادہ نے والد صاحب سے اجازت چاہی۔والد صاحب (حضرت مخدوم صاحب) حجرہ میں تشریف فرما تھے۔آپ نے اپنی کھنکار کا لعاب حجرہ کی دیوار پر تھوک دیا۔پوری دیوار دفعتہً سونا بن گئی۔آپ نے صاحبزادہ کو یہ منظر دکھایا اور فرمایا۔لخت جگر، کیمیا گر کا کیمیا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔اصل کیمیا یہ ہے۔یہ کیمیا سعادت حاصل کرو۔

(۶) حضرت مخدوم الاولیاء کی ایک اور کرامت بھی نقل کی جاتی ہے کہ حضرت ایک روز کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔راستہ میں ایک بڑھیا ملی۔حد سے زیادہ کمزور، چلنا پھرنا مشکل۔پانی کی ایک ٹھلیا لئے جا رہی تھی۔آپ نے بڑھ کر اس غریب بڑھیا سے یہ ٹھلیا لے لی۔اور فرمایا۔بڑی بی، کوئی اور نہیں تھا جو پانی لے جاتا۔بڑی بی!کوئی ہوتا تو میں یہ مصیبت کیوں اٹھاتی۔آپ نے فرمایا۔اچھا چلو۔پھر آپ نے یہ ٹھلیا بھری اور اس کے مکان پر پہونچا دی۔اور فرمایا:۔بڑی بی جب تک تم زندہ ہو۔اس ٹھلیا کا پانی انشاء اللہ تعالیٰ ختم نہیں ہوگا۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔جب تک وہ بڑھیا زندہ رہی ٹھلیا کا پانی ختم نہیں ہوا۔

ہمارا خیال یہ ہے کہ اس بڑھیا کا مکان کہیں دور تھا۔ورنہ حضرت صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی سنت تو صحیح روایتوں سے یہ ثابت ہے کہ ایسی بڑھیا کے مکان پر یہ حضرات صبح سویرے روزانہ تشریف لے جاتے تھے۔

Marfat.com

اور نہ صرف پانی بلکہ گھر کا اور کام بھی پورا کر کے واپس آتے تھے۔

(۷) حضرت مخدوم کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کا ایک اور کمال ایک تاریخی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی اگر تفصیل کی جائے تو کچھ باتیں مورخین کے لئے ناقابل فہم بھی ہیں۔ اس لئے جو مورخ سوانح نگاری میں روایت کے ساتھ درایت سے بھی کام لینا چاہتے ہیں۔ انھوں نے اس کو نظر انداز کر دیا ہے۔ مگر واقعہ اتنا مشہور ہے کہ اس کو نظر انداز کر دینا بھی مناسب نہیں ہے۔ اس لئے ہم بنامِ خدا اس کو تفصیل کے ساتھ نقل کرتے ہیں۔

حضرت مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا کمال اور آپ کی کرامت تو یہ ہے کہ حضرت شیخ جمال الدین احمد ہانسویؒ کا سلسلۂ فیض جو حضرت خواجہ علاؤالدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی بد دعا سے بند ہو گیا تھا۔ حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء کی دعاء سے وہ دوبارہ جاری ہوا۔ یہ کمال اور یہ کرامت یقیناً قابل تذکرہ ہے لیکن پہلی بات بد دُعائی ہے۔ کہ حضرت صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ نے بد دُعا کیوں کی؟۔ دوسری بات یہ کہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات ۶۶۵ھ میں ہوگئی۔ مورخین یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی ہی میں حضرت شیخ جمال الدین صاحب وفات پا گئے تھے۔ بہر حال یہی زمانہ ہے کہ حضرت خواجہ صابر رحمۃ اللہ علیہ اسی زمانہ میں اجودھن سے کلیر تشریف لائے ہیں۔ اس وقت تک حضرت مخدوم کبیر الاولیاء تو کیا اُن کے شیخ حضرت شیخ شمس الدین ترکؒ بھی حضرت صابر رحمۃ اللہ علیہ کے حلقہ ارادت میں داخل نہیں ہوئے تھے جیسا کہ پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے۔ یا اگر داخل ہوئے تھے تو ارادت و عقیدت کا ابتدائی دور تھا۔ حضرت مخدوم صاحب اس سے بہت بعد تقریباً ۶۹۰ء میں یعنی تقریباً

پچیس سال بعد حضرت ترکؒ سے بیعت ہوئے ہیں پھر مراحل سلوک طے کئے ہیں۔
پس ۶۶۵ھ میں اُن کی یہ حیثیت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ حضرت شیخ جمال الدینؒ کے لئے دعا کرتے اور اس دعا سے ان کا سلسلہ فیض جاری ہو جاتا۔ ان دونوں سوالوں کے جواب ان سطروں میں درج کئے جا رہے ہیں۔ اور جواب سے پہلے حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ کا اتنا تعارف کرانا ضروری ہے۔ کہ یہ حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے نہایت ہی برگزیدہ اور بلند پایہ خلفاء میں سے تھے۔ ذاتی تعلق کا یہ عالم تھا کہ ایک عرصہ تک اپنے اسی چہیتے مرید کی خاطر بابا صاحب ہانسی میں مقیم رہے تھے۔ پھر جب خلافت عطا کر دی۔ تو حضرت گنج شکر کو اپنے اس خلیفہ پر اتنا اعتماد تھا کہ جن صاحب کو سند خلافت (مثال قطبیت) عطا فرماتے تھے۔ اُن کو پہلے ہدایت یہ فرماتے تھے کہ ہانسی پہونچکر شیخ جمال الدینؒ سے بھی اس کی تصدیق کرالو اور اُن سے مہر لگوا لو۔

حضرت شیخ جمال الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے شیخ یعنی خواجہ گنجشکرؒ کی طرف سے یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ جس کو نا اہل سمجھتے تھے۔ اس کی سند خلافت چاک کر دیا کرتے تھے۔ یہ چاک کر دینا گویا آخری فیصلہ ہوتا تھا حضرت گنج شکر بھی اس کی خلافت مسترد کر دیتے تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔

"پارہ کردہ جمال را فرید ہرگز نمی تواند دوخت" (جمال کے چاک کردہ کو فرید نہیں سی سکتا)

حضرت شیخ جمال الدین احمد صاحب ہانسوی جس طرح بلند پایہ شیخ طریقت تھے۔ ایسے ہی بلند پایہ عالم بھی تھے۔ اخبار الاخیار میں ان کی ایک تصنیف کا کچھ حصہ بھی بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے۔

یہ حضرت جمال واقعی اسم بامسمّیٰ تھے۔ ایک مرتبہ حضرت شیخ بہاء الدین زکریا

Marfat.com

ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت شیخ المشائخ بابا گنج شکر کو لکھا کہ میرے تمام مریدین اور خلفاء کو لے لو۔ اور جمال الدین کو دیدو۔ تو حضرت بابا صاحب نے جواب دیا۔ کہ جمال الدین میرا جمال ہے۔ معاوضہ مال میں ہو سکتا ہے نہ کہ جمال میں۔ ادھر حضرت خواجہ صابر کلیری بھی حضرت بابا صاحب کے یہاں داما دی کے علاوہ محض اپنی روحانی بلند قابلیتوں کی بنا پر یہ درجہ رکھتے تھے کہ حضرت بابا صاحب فرمایا کرتے تھے:۔ کہ

میرے سینہ کا علم نظام الدین (سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء بدایونی۔ دہلوی) کو ملا ہے اور میرے دل کا علم خواجہ علی احمد صابر کو۔

کبھی یہ فرماتے تھے:۔ کہ

میرے ظاہری اور باطنی علوم نظام الدین میں سرایت کر گئے ہیں۔ اور میرے اکابر مشائخ کے ظاہری اور باطنی علوم کا اثر علی احمد صابر میں نمایاں ہوا ہے۔

بہرحال یہ تینوں خلفاء ایسے بلند پایہ ہیں کہ آسمان طریقت کو بھی ان کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے۔

اب وہ قصہ سنئیے جس کو ہم اپنی فہم اور قابلیت سے بالاتر قرار دیتے ہیں۔

قصہ کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت بابا گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کو پہلے دہلی کے لئے مامور فرمایا تھا۔ کہ وہاں پہونچکر اپنا سلسلۂ فیض جاری کریں۔ مگر جب آپ نے سندِ خلافت عطا فرما کر دہلی کے لئے روانہ فرمایا تو حسب معمول یہ ہدایت آپ کو بھی کر دی کہ پہلے شیخ جمال الدین صاحب ہانسوی کے پاس پہونچکر اس سند پر اُن کی تصدیق کرا لو۔ حضرت صابر اپنے شیخ کی ہدایت کے بموجب ہانسی پہونچے۔ اور جب وہ حضرت شیخ جمال الدین صاحب کے یہاں پہونچے تو مغرب کا وقت ہو گیا تھا۔

آپ حضرت ہانسوی کے یہاں شب گذارنا نہیں چاہتے تھے۔ بلکہ چاہتے تھے کہ جلد تصدیق اور مہر وغیرہ سے فراغت ہوجائے تو اگلی منزل کے لئے روانہ ہوجائیں۔ بہرحال مغرب کی نماز پڑھی گئی۔ اس کے بعد حضرت خواجہ صابر نے مثال قطبیت (سند خلافت) تصدیق کے لئے پیش کی۔ تو حضرت شیخ جمال نے فرمایا کہ اندھیرا ہوگیا ہے چراغ آنے دو تب تصدیق لکھوں گا۔ اگرچہ حضرت خواجہ صابرؒ کو جلدی تھی، تاہم تھوڑی دیر چراغ کا انتظار کیا۔ پھر چراغ آیا تو اتفاق سے ہوا تیز چل رہی تھی، چراغ بجھ گیا۔ حضرت خواجہ صابر کلیریؒ کو ایک ایک لمحہ مشکل ہو رہا تھا۔ چراغ گل ہوگیا تو چونکہ اس زمانہ میں دیا سلائی نہیں ہوتی تھی چقماق جیسی چیزوں سے چراغ جلائے جاتے تھے جس میں کچھ دیر لگتی تھی۔ حضرت صابر کو یہ دیر برداشت نہیں تھی۔ آپ نے فوراً چراغ پر پھونک ماری۔ چراغ آپ کی پھونک سے روشن ہوگیا۔

حضرت شیخ جمال الدینؒ کو یہ عجلت پسند نہیں آئی۔ آپ نے سندِ خلافت چاک کردی۔ اور فرمایا:۔

"دہلی بیچارہ تاب دم آتشیں شماندارد۔ اگر خواہید رفت بیک دم خواہید سوخت"

(بیچاری دہلی آپ کے دم آتشیں کو برداشت نہیں کرسکے گی۔ اگر آپ وہاں پہونچ جائیں گے تو ایک سانس میں دہلی کو بھسم کردیں گے۔)

حضرت شیخ جمال ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال سوانح نگاروں کی روایت کے بموجب صحیح تھا۔ کیونکہ دہلی کے بجائے جب آپ کلیر پہونچے تو راوی بیان کرتے ہیں۔ کہ شہر کلیر کو برباد کردیا تھا جس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے۔ کہ جامع مسجد میں جب حضرت صابر پہونچے تو لوگوں نے جگہ نہیں دی۔ اور ایک ا

Marfat.com

غریب مسافر سمجھ کر پہلی صفوں سے پیچھے ہٹا دیا یہاں تک کہ آپ مسجد سے باہر نکل کر نماز پڑھ سکے۔ اس پر حضرت صابر کو طیش آیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ مسجد منہدم ہو گئی۔ جتنے لوگ چھت کے نیچے تھے وہ وہیں ختم ہو گئے۔ پھر پیران کلیر اتنا ویران ہوا کہ لوگ وہاں جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے خلفاء بھی وہاں نہیں گئے۔ ایک دراز عرصہ کے بعد (جو ایک صدی کے قریب ہوتا ہے)۔ سب سے پہلے حضرت احمد عبدالحق ردولوی خلیفہ حضرت مخدوم کبیر الاولیاء پیران کلیر تشریف لے گئے۔ پھر ان کے خلیفہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی نے اس خانقاہ کو آباد کیا۔ (واللہ اعلم)

بہر حال حضرت شیخ جمال الدین احمد ہانسوی نے حضرت خواجہ صابرؒ کی سند چاک کر دی تو آپ کو بہت غصہ آیا اور آپ نے فرمایا:۔

"تو مثال مرا پارہ کردہ من سلسلہ ترا پارہ کردم۔"

(تم نے میری سند چاک کر دی تو میں تمہارا سلسلہ چاک کرتا ہوں۔)

حضرت جمال نے فرمایا:۔ از اول یا آخر۔ (شروع کا حصہ یا آخر کا) تو فرمایا شروع کا حصہ۔

اس تلخ گفتگو کے بعد حضرت صابر فوراً اٹھے۔ دہلی کے بجائے حضرت شیخ کی خدمت میں "اجودھن" پہونچے اور تمام واقعہ بلا کم و کاست بیان کر دیا۔ اور جب حضرت خواجہ کلیری نے بیان فرمایا۔ کہ جب میری سند چاک کر دی تو میں نے کہا۔ میں نے تمہارا سلسلہ چاک کر دیا۔ تو حضرت گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

دین کے پہلوانوں کا تیر خطا نہیں کرتا۔ غنیمت ہوا تم نے جمال الدین کے سلسلۂ فیض کا ابتدائی حصہ ہی چاک کیا ہے۔ آخری حصہ تو سالم رہا۔ تمہارا کوئی مرید دعا کرے گا تو جمال الدین کا ٹوٹا ہوا سلسلہ پھر جڑ جائے گا۔ اور

Marfat.com

چشمۂ فیض جاری ہو جائے گا۔

اس واقعہ کے بعد حضرت گنج شکر نے اس چاک کردہ کو تو نہیں جوڑا یعنی آپ کو دوبارہ دہلی تو نہیں بھیجا۔ البتہ آپ کے لیئے "کلیر" کی قطبیت تجویز فرمادی کہ کلیر کو مرکز بنا کر خدمت ارشاد طریقت انجام دیں۔

بہرحال سند چاک کرنے اور حضرت صابر کی بددعا کا قصہ تو یہ ہے۔ اب رہا دوسرا سوال کہ جب حضرت شیخ جمال الدین کی وفات ۶۶۵ھ میں ہوگئی تھی تو حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء نے دعا کب کی اور کس طرح کی۔

اس کا جواب سیر الاقطاب کی ایک روایت سے ملتا ہے۔ صاحب سیر الاقطاب۔ دعا کے واقعہ کو حضرت مخدوم کبیر الاولیاء کے زمانۂ شباب کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

مصنف سیر الاقطاب فرماتے ہیں۔ کہ

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت مخدوم خواجہ محمد (جو ابھی تک جلال الدین کبیر الاولیاء نہیں ہوئے تھے) چند ساتھیوں کے ساتھ ہانسی تشریف لے گئے۔ حضرت شیخ جمال الدین کو نور باطنی سے معلوم ہوگیا کہ خواجہ محمد آرہے ہیں جن کی دعا سے میرا سلسلۂ فیض دوبارہ جاری ہوگا۔ تو وہ آپ کی آمد کے یہاں تک منتظر ہوئے کہ ہانسی سے باہر تشریف لے جا کر تحقیق فرمایا کرتے تھے۔

ایک روز آپ کو معلوم ہوا کہ کچھ فقراء پانی پت کی طرف سے آئے ہیں۔ تو آپ نے اپنے آدمیوں کو بھیجا کہ ان کو یہاں لے آؤ۔ آپ کے آدمی پہونچے اور ان کو لے آئے۔ حضرت شیخ جمال الدین نے ان کی بہت مدارات کی۔ مگر ان میں وہ شخص نظر نہیں آیا جس کی کچھ خاص علامتیں آپ کو کشف میں دکھائی گئی تھیں۔ تو آپ نے ان مہمانوں سے دریافت فرمایا۔ کہ کیا آپ کا کوئی اور ساتھی بھی ہے۔

Marfat.com

مہمانوں نے کہا کہ ہم فقرار تو سب آ گئے ہیں۔ البتہ

"یک جوان خورد سال کہ بمحافظت اسباب و اشیار ماست صاحب دیانت و صالح پیش او چیز خود ہا گذاشتہ آمدہ ایم"۔

(ایک کم عمر نوجوان رہ گیا ہے۔ وہ صاحب دیانت۔ امانت دار اور نیک لڑکا ہے۔ اس کو اپنے سامان کی حفاظت کے لئے چھوڑ آئے ہیں)

شیخ فرمود! "واللہ من بہماں طفل کار دارم"۔

(شیخ نے فرمایا:۔ واللہ مجھے اسی "طفل" سے کام ہے۔)

بہرحال حضرت شیخ جمال الدینؒ نے کھانا منگایا۔ اُن فقرار کے سامنے کھانا رکھا اور فرمایا کہ ایک صاحب قیام گاہ پر تشریف لے جائیں وہ اس جوان کو لے آئیں۔ اور اُن کے ساتھ کھانا کھالیں۔ چنانچہ یہ جوان تشریف لائے۔ تو وہی حلیہ اور وہی شناختیں موجود تھیں۔ جو حضرت شیخ پر منکشف ہوئی تھیں۔ حضرت شیخ جمال الدین نے ان کا بہت احترام سے استقبال کیا۔ کھانا کھلایا اور جب فرائض مدارات سے فارغ ہو گئے۔ تو حضرت صابر کلیریؒ کی سند چاک کرنے اور اُن کی بد دعار وغیرہ کا قصہ بیان کیا۔ اور اس جوان سے کہا کہ آپ دعار کریں۔ حضرت خواجہ محمد (جوان صالح) نے دعا کی۔

مصنف سیر الاقطاب فرماتے ہیں کہ اس کا اثر یہ ہوا کہ حضرت شیخ جمال کا چھوٹا بچہ نورالدین جس کی عمر حضرت شیخ کی وفات کے وقت صرف چھ ماہ تھی۔ اس کو حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیار کی خدمت میں لے گئے (رحمۃ اللہ علیہ) آپ نے ان کو خلعت خلافت عطار فرمائی۔ اور پھر ان سے حضرت شیخ جمال کے فیض کا سلسلہ جاری ہوا۔

مولانا غلام سرور صاحب مصنف خزینۃ الاصفیا فرماتے ہیں کہ حضرت

خواجہ صابر کلیری کی بد دعا، کا یہ اثر ہوا کہ حضرت شیخ جمال الدین صاحب کے بڑے صاحبزادے "کہ مردے دانش مند عظیم بود۔ دیوانہ شد۔" (جو ایک بہت بڑے عالم فاضل تھے۔ دیوانہ ہو گئے۔ (یا جیسا کہ دوسرے مصنفین فرماتے ہیں مجذوب ہو گئے)

چھوٹے صاحبزادے اپنے والد صاحب سے فیض نہیں پا سکے۔ البتہ حضرت سلطان الاولیا، شیخ نظام الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خصوصی شفقت سے وہ فیضیاب اور کامیاب ہوئے اور اُن سے فیض جاری ہوا۔ (چھوٹے صاحبزادے کا نام غلام سرور صاحب نے برہان الدین تحریر کیا ہے۔ ممکن ہے ان کا نام بچپن میں نور الدین ہو)

شیخ اللہ دیا صاحب مصنف سیر الاقطاب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ محمد (مخدوم صاحب کبیر الاولیاء) کا دستور اس سفر میں یہ تھا کہ تمام ساتھیوں کا اسباب خود اُٹھا کر سب سے آگے آگے چلا کرتے تھے۔ جب ان ساتھیوں نے دیکھا کہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسوی نے اس نوجوان کی اتنی تعظیم کی ہے تو اب اُن کی آنکھیں کھلیں۔ اُنھوں نے اس بے تکلفی کی معافی چاہی۔ حضرت خواجہ محمد نے فرمایا۔ معافی مانگنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں اپنے شوق سے یہ خدمت کرتا تھا۔ اور اب بھی اسی طرح کرتا رہوں گا۔

پھر شیخ اللہ دیا صاحب یہ بھی فرماتے ہیں کہ یہ ساتھی قلندر تھے۔ اور حضرت خواجہ محمد کی طبیعت میں ابتدا سے جو ایک محبت اور عشق خداوندی کا رنگ تھا۔ اس نے آپ کو ان قلندروں کے ساتھ کر دیا تھا۔

حضرت شیخ جمال الدین نے جب یہ دیکھا کہ یہ جوان صالح جس کے مراتب اللہ تعالیٰ کے یہاں اتنے بلند ہونے والے ہیں۔ ان قلندروں کے جال میں پھنس رہا ہے تو آپ کو تکلیف ہوئی۔ آپ کو الگ بلا کر سمجھایا۔ یہ حضرت خواجہ محمد

Marfat.com

کی سعادت تھی کہ اُن کی سمجھ میں بات آگئی ۔ مگر وہ پانی پت واپس ہونے کے لئے آمادہ نہیں تھے ۔ اور جب یہ قلندر ہانسی سے روانہ ہوئے تو انھیں کے ساتھ ہولئے تب حضرت شیخ جمال الدینؒ نے اپنے خاص آدمیوں کو بھیجا ۔ وہ بمشکل تمام حضرت خواجہ محمد کو قلندروں کے پنجہ سے نجات دلا کر لائے ۔ اور پانی پت واپس کیا ۔

بہرحال سند چاک کرنے کا واقعہ تو بڑوں کا واقعہ ہے ۔ ان رموز کو بڑے ہی سمجھ سکتے ہیں ۔ البتہ سیر الاقطاب کی اس روایت سے چند باتیں ایسی معلوم ہوگئیں ۔ جو حضرت مخدوم صاحب کی سوانح میں خاص اہمیت رکھتی ہیں یعنی

(۱) حضرت خواجہ محمد (جلال الدین کبیر الاولیار) رحمۃ اللہ علیہ آغاز شباب میں قلندروں کے ساتھ ہو لئے تھے ۔

(۲) جذبہ خدمت یہ تھا کہ ان کا سامان اُٹھا کر آگے آگے چلتے تھے ۔

(۳) حضرت مخدوم جلال الدین صاحب کی عمر ۱۷ سال نہیں ہوئی ۔

یعنی آپ کا سنہ پیدائش ۵۹۵ھ نہیں ہے ۔ بلکہ جیسا کہ پہلے لکھا گیا ہے ۔ تقریباً ۶۳۵ھ یا ۶۴۰ھ ہے ۔ کیونکہ حضرت شیخ جمال الدین ہانسویؒ (متوفی ۶۶۵ھ) سے یہ ملاقات حضرت خواجہ صابر کلیری کے اس واقعہ کے بعد ہوئی ۔ اور حضرت خواجہ کلیری ۶۶۰ھ کے قریب کلیر تشریف لائے ہیں پس ۶۶۵ھ اور ۶۶۰ھ کے بیچ میں کسی وقت یہ ملاقات ہوئی ہے ۔ جبکہ روایت کے الفاظ کے بموجب اس ملاقات کے وقت حضرت مخدوم صاحب کا بچپن یا آغاز شباب تھا تو یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ آپ کی ولادت تقریباً ۶۳۵ھ میں ہوئی ہو ۔ کیونکہ اگر سال ولادت ۵۹۵ھ مانا جاتا ہے ۔ تو یہ زمانہ بچپن کا نہیں ہوگا بلکہ اس وقت حضرت مخدوم صاحب کی عمر ساٹھ سال سے بھی زیادہ ہونی چاہیئے ۔

نماز جمعہ | حضرت مخدوم کبیر الاولیار کا معمول تھا کہ آپ نماز جمعہ اس مسجد

Marfat.com

میں پڑھا کرتے تھے جو حضرت سید محمود صاحب کے مزار مبارک کے قریب تھی۔اس معمول کی وجہ "سیر الاقطاب" میں یہ بیان کی گئی ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی ہدایت فرمائی تھی۔

اس کے متعلق سیر الاقطاب میں جو قصہ نقل کیا گیا ہے۔ وہ ملاحظہ فرمائیے۔ تحریر ہے :-

"اگرچہ آنحضرت (مخدوم صاحب) بارہا حج ادا کرچکے تھے۔ مگر پھر بھی آپ کا معمول یہ تھا کہ ہر جمعہ کو اپنی کرامت سے آپ مکہ معظمہ پہونچتے اور نماز جمعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حرم کعبہ شریف میں پڑھا کرتے تھے۔"

یہاں لوگ حضرت مخدوم صاحب کو بہت تلاش کرتے تھے مگر کہیں نہیں ملتے تھے۔ایک عرصہ کے بعد حضرت مخدوم صاحب کے دل میں خیال آیا۔

" چہ خوب باشد اگر رسالت پناہ برائے نماز جمعہ حکم فرمائند۔ گاہے آنجا وگاہے اینجا نماز ادا کردہ باشم"۔

(کیا اچھا ہو اگر آنحضرت رسالت پناہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جمعہ کی نماز کے لئے مجھے حکم فرمادیں کہ کبھی یہاں نماز پڑھ لیا کروں۔ کبھی وہاں۔)

چنانچہ اس مرتبہ جب جمعہ کے روز حضرت مخدوم صاحب کعبہ شریف میں نماز سے فارغ ہوئے۔ اور حضرت محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہونے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "شیخ جلال الدین تمہارا کعبہ وہیں ہے جہاں میرے فرزند سید محمود کا روضہ ہے۔ نماز جمعہ وہیں ادا کیا کرو"۔ پس اس روز سے حضرت مخدوم صاحب کا معمول یہ ہو گیا۔ کہ جمعہ کے روز پابرہنہ روضہ سید محمود کی مسجد میں جاتے اور نماز جمعہ ادا

Marfat.com

کرتے۔ یہ روضہ شہر کے کنارے پر شہر کی مشرقی جانب میں کسی قدر جنوب کی طرف ہٹا ہوا ہے۔" (سیر الاقطاب)

ضروری تبصرہ

اس روایت کے الفاظ اور مفہوم پر نظر ڈلئے۔ آپ ایک تضاد محسوس کریں گے۔

کعبہ شریف میں نماز جمعہ ادا کرنا۔ نہ فرض ہے نہ واجب۔ کہ اس کو مطالبہ شرعی کہا جائے۔ اگر اس روایت کو صحیح مانا جائے تو یہ صرف حضرت مخدوم صاحب کے دل کی خواہش تھی یعنی "طے ارض" کی کرامت اُن کو حاصل تھی جب اُن کا دل چاہتا تھا کہ حرم شریف میں نماز پڑھیں۔ تو وہاں پہونچ جاتے تھے۔ شریعت کا کوئی حکم نہیں تھا کہ آپ ایسا کریں۔ جب حرم شریف میں پہونچنا نہ پہونچنا آپ کی مرضی پر تھا تو پھر اس فقرہ کا کیا مطلب کہ "کبھی یہاں پڑھ لیا کروں کبھی وہاں"۔

اس تضاد کے علاوہ بہت زیادہ قابل تنبیہ یہ ہے۔ کہ اس قصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چند باتیں منسوب کی گئی ہیں۔

مثلاً (۱) یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز جمعہ پڑھا کرتے تھے۔

(۲) آپ نماز جمعہ کعبہ شریف میں پڑھا کرتے تھے۔

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سید محمود اُن کے فرزند ہیں۔

(۴) مخدوم صاحب کا کعبہ وہی ہے۔ جہاں سید محمود کا مزار ہے (وغیرہ)

اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ آپ یہ فرمارہے تھے۔ تو وہ ایک خواب کی بات ہے۔ مگر یہاں خواب نہیں ہے۔ یہاں بیداری کی باتیں ہورہی ہیں۔

اس موقع پر تنبیہ یہ کرنی ہے کہ جب تک قابل وثوق سند نہ ہو،

Marfat.com

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی بات منسوب کرنا ایسا "گناہ کبیرہ" ہے جس سے معاذ اللہ ایمان بھی خطرہ میں پڑجاتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ارشاد ہے۔ جو نہایت صحیح سندوں سے ثابت ہے کہ جو شخص میری طرف غلط بات منسوب کرے مناسب ہے کہ دوزخ اُس کا ٹھکانا بنے۔ یہ حدیث نہایت صحیح السند ہے۔ یہ روایت اس کے تحت میں آتی ہے۔ لہٰذا یہ روایت یہاں اس لئے نقل نہیں کی گئی۔ کہ اس کو بیان کیا جائے۔ بلکہ منشا یہ ہے کہ ایسی روایتوں کے بیان کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

آخری دَور اور استغراق

اگر ہمارے اندازے کے بموجب آں مخدوم کی ولادت ۶۳۵ھ مانی جائے۔ تو آپ کی عمر ایک سو پینتیس (۱۳۵) سال ہوئی۔ اس عمر میں فطری طور پر بڑھاپے کا ضعف بڑھ جاتا ہے۔ اور آپ کو ریاضتوں اور مجاہدات نے اور بھی زیادہ کمزور بنا دیا تھا۔ بس آپ پر استغراقی کیفیت ہر وقت طاری رہتی تھی۔ انتہا یہ کہ نماز کے وقت بھی آپ کو توجہ دلائی جاتی تھی۔ اور معمول یہ تھا کہ جب جماعت کا وقت آتا۔ تو حق، حق۔ کہا جاتا۔ اس پر حضرت مخدوم صاحب توجہ فرماتے اور نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد آپ کے متوسلین کا یہی طریقہ ہوگیا کہ نماز جب ختم ہو جاتی تھی۔ حق۔ حق کہا کرتے تھے۔

صاحبزادگان

حضرت مخدوم کبیر الاولیا رحمۃ اللہ علیہ کے پانچ صاحبزادے تھے۔ بقول صاحب خزینۃ الاصفیاء پنج گنج ولایت۔ یعنی یہ پانچوں صاحبزادے ولایت کے پانچ خزانے تھے۔

(۱) خواجہ عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔ اپنی والدہ کے بائیں جانب حضرت سید محمود کے روضے میں مدفون ہیں۔ مصنف سیر الاقطاب

Marfat.com

انھیں کی اولاد میں سے ہیں۔

(۲) خواجہ ابراہیم:۔ اپنے والد کے روضۂ مبارک میں اُن کے بائیں جانب مدفون ہیں۔

(۳) خواجہ شبلی:۔ اپنے والد کے دائیں جانب محو استراحت ہیں۔ خواجہ شبلی اپنے والد کے عظیم المرتبت خلفاء میں تھے۔

آپ کے متعلق خزینۃ الاصفیاء کے الفاظ یہ ہیں۔

" عالم بعلوم شریعت و حقیقت بود۔ در فقہ شانے عظیم و رُتبہ عالی داشت۔ در تجرید و تفرید یگانہ زمانے واز اہل دنیا احتراز کلی مے نمود "

حضرت شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد اُن کی جگہ چند روز اُن کے منجھلے صاحبزادے خواجہ ابراہیم نے سجادۂ مشیخت کو زینت بخشی لیکن وہ اپنے چھوٹے بھائی خواجہ شبلی رح کے حق میں سجادگی سے دست بردار ہو گئے۔ خواجہ شبلی ہمیشہ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہتے۔ وقار، استقامت اور توکّل کو اپنا طرّۂ امتیاز بنائے ہوئے تھے۔ امراء اور دولت مندوں کے دروازوں پر مطلق نہ جاتے تھے۔ علماء اور فضلاء اُن کی صحبت میں رہ کر اکتساب فیض کرتے تھے۔ خلفاء اور مریدوں کی تعداد بہت کافی تھی۔ بقول سیر الاقطاب " مرید و خلفاء بیشمار داشت " بہت سی کرامتیں آپ کی طرف منسوب ہیں۔ وجد و سماع کا شوق تھا۔ کہتے ہیں آپ نے اپنے کچھ افغان مریدوں کے لئے دعا فرمائی تھی۔ کہ اُن کے تیر کبھی خطا نہیں کریں گے۔ چنانچہ کوئی بھی تیر خالی نہیں جاتا تھا۔ ایک روز ان میں سے کسی کو خیال آیا کہ آسمان کی طرف تیر چلائیں۔ اور دیکھیں کوئی چیز نشانہ بنتی ہے یا نہیں۔ چنانچہ تیر پھینکا۔

Marfat.com

ان پٹھانوں کو تعجب ہوا کہ تیر زمین پر واپس آ کر پڑا تو ایک سانپ کا سر تیر میں بندھا ہوا تھا۔ "تیر از سر مارے گذر کردہ"۔ آپ کے سات فرزند تھے۔ تاریخ وفات ۷ ربیع الاول ۸۵۲ھ ہے۔

(۴) حضرت خواجہ کریم الدین صاحب روضہ سید محمود میں مدفون ہیں۔ جہاں اُن کی والدہ اور بڑے بھائی آرام فرما رہے ہیں۔

(۵) حضرت خواجہ عبدالواحد۔ اپنے والد ماجد کے روضہ مطہرہ سے باہر دروازے کے متصل مدفون ہیں۔ اِن صاحبزادوں میں سے خواجہ کریم الدین اور خواجہ عبدالواحد لاولد رہے۔

خلفاء آپ کے خلفاء کی تعداد چالیس بیان کی گئی ہے۔ مذکورہ بالا پانچ صاحبزادوں کے علاوہ باقی چند اسماء گرامی یہ ہیں۔

(۶) شیخ زینا۔ جن کا ذکر فتح خاں کے واقعہ میں پہلے گذر چکا ہے۔ یہ باغبانی کرتے تھے اور ان کا خاندان حضرت مخدوم کبیرالاولیاء کے مورث اعلیٰ کے ساتھ "گاذرون" سے ہندوستان آیا تھا[1]۔ یہ گاذرونی شیخ۔ قصبہ "اندری" میں آرام فرما رہے ہیں۔

(۷) حضرت شیخ احمد قلندر:۔ قلعہ ملتان کے عقب میں مدفون ہیں۔

(۸) حجۃ الاولیاء حضرت شیخ احمد عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ جن سے سلسلہ رشاد صرف آراستہ ہی نہیں ہوا بلکہ اُس نے "شجرہ طوبیٰ" کی نوعیت اختیار کرلی کہ عالم ارشاد کا کوئی بھی گوشہ ایسا نہیں ہے۔ جہاں اس کا سایہ

---

[1] سیر الاقطاب میں یہ ہے کہ "او (شیخ زینا) ہمراہ جد کلاں حضرت مخدوم از گاذرون آمدہ بود" (یہ حضرت مخدوم کے پڑدادا (مورث اعلیٰ) کے ساتھ گاذرون سے آئے تھے) اور اگر یہ صحیح ہے تو شیخ زینا کی عمر کئی سو برس ہوئی ہوگی۔ (واللہ اعلم)

Marfat.com

نہ پہونچا ہو۔ مزار مبارک "ردولی" (ضلع بارہ بنکی) میں ہے۔

(۹) حضرت شیخ بہرام۔ مدفن قصبہ بڈولی۔

(۱۰) حضرت شیخ شہاب الدین جھنجانوی۔ مزار مبارک جھنجانہ ضلع مظفر نگر

(۱۱) حضرت سید موسیٰ بہار۔ صوبہ بہار میں کسی مقام پر مدفون ہیں۔

(۱۲) قاضی محمد اولیاء سلطان پوری۔ سلطان پور (ضلع کرنال میں مدفون ہیں۔

(۱۳) شیخ شعیب نبیرہ قاضی محمد اولیاء (مذکور) مزار سونی پت میں ہے

(۱۴) شیخ حسن۔ مدفن موضع پتھرہ۔ پرگنہ بیانہ۔

(۱۵) شیخ احمد عبد الصمد سنامی۔ یہ سنام میں محو استراحت ہیں۔ آپ نے حضرت کبیر الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات مرتب فرمائے تھے۔

(۱۶) حضرت سید محمود۔ حضرت قلندر صاحب کے روضہ مبارک سے متصل مشرق کی جانب مدفون ہیں۔

(۱۷) حضرت شیخ نظام سنام:۔ مزار مبارک سنام (پنجاب)

(۱۸) حضرت شیخ پیر بنوی۔ آپ کا مزار مبارک بھی سنام میں ہے۔

(۱۹) حضرت میر سید سراج الدین:۔ حضرت قلندر صاحب کے روضہ منورہ کے قدیم دروازے کے متصل جانب شمال آسودہ خواب ہیں۔

(۲۰) حضرت شیخ پیر کینبار (بفتح کاف وسکون یا ونون مدغم وفتح با و سکون الف) شہر سے متصل محل رانی کے قریب مدفون ہیں۔

(طالع ص ۱۲۷ شیخ عبداللہ صاحب گنگوہی حاشیہ)

آپ پانی پت کے اکابر اولیاء اللہ میں سے ہیں۔ حضرت شیخ عبد الکبیر بالا پیر۔ حضرت مخدوم کبیر الاولیاء دو واسطوں سے آپ کے جدِ امجد ہیں سلسلہ نسب یہ ہے۔ شیخ عبد الکبیر پسر شیخ عبد القدوس پانی پتی۔ پسر حضرت خواجہ

Marfat.com

شبلی۔ خلف حضرت مخدوم کبیر الاولیاءؒ۔

حضرت شیخ اللہ دیا صاحب مصنف سیر الاقطاب فرماتے ہیں:۔

"آپ ولی مادر زاد تھے۔ جو کچھ آپ کی زبان پر آتا۔ فوراً ظہور میں آجاتا تھا۔ اسی وجہ سے ان کو "شیخ کبیر بالا پیر" کہا کرتے تھے۔"

اور مصنف خزینۃ الاصفیاء کی شہادت یہ ہے:۔

"سخاوت، شجاعت، خوارق وکرامت، وجد و ذوق اور سماع و شوق جیسے اوصاف بزرگانہ میں آپ یکتا تھے۔" بوقت خود ثانی نداشت۔"

آپ کی یہ کرامت عام طور سے مشہور ہے کہ ایک روز سلطان سکندر ابن بہلول اپنے دو وزیروں کو لے کر پانی پت پہونچا۔ اور آپ کے کمالاتِ کشف آزمانے چاہے۔ طے کیا کہ ہم کھانے کی کسی ایک ایک چیز کی نیت کرلیں۔ پھر دیکھیں کہ شیخ بالا پیر کو ہماری نیتوں کا پتہ چلتا ہے یا نہیں۔

یہ تینوں صاحبان حاضر خدمت ہوئے۔ اور مراسم ملاقات سے فراغت پائی۔ تو شیخ کے مہمان خانہ سے سلطان سکندر کی خدمت میں گرم گرم گوشت کے سموسے پیش ہوئے۔ نان اور یخنی ایک وزیر "میاں بدھا" کے سامنے پیش ہوا اور دوسرے وزیر ملک محمد کے سامنے حلوا پیش کیا گیا۔ یہ تینوں حضرات حیرت میں پڑ گئے۔ کیونکہ یہی کھانے تھے۔ جن کی نیت کی تھی۔ اب یہ صاحبان حضرت شیخ کی خدمت میں معذرت کرنے لگے کہ بزرگوں کو آزمانا خود ایک گستاخانہ حرکت ہے۔ جس کے ہم مرتکب ہوئے۔ معاف فرمائیں۔

حضرت شیخ نے نہایت خندہ پیشانی سے فرمایا:۔

"بابا جائے حیرت چیست۔ خدا تعالیٰ مُحبان خود را پیش اہلِ دنیا شرمسار نمی کند۔" (خزینۃ الاصفیاء ج ۱ ص ۴۱۸)

Marfat.com

دیا یا ۔ حیرت کی بات کیا ہے ۔ اللہ تعالیٰ دنیا داروں کے سامنے اپنے دوستوں کو شرمندہ نہیں کرتا ۔)

۹۴۷ھ ہجری میں آپ نے وفات پائی اور گنبد کلاں میں دفن ہوئے ۔

سیر الاقطاب میں یہ بھی ہے کہ اس کرامت سے متاثر ہو کر بادشاہ نے تو مضافات کرنال کے دو گاؤں موضع ددر و سنگھوڑا پیش کئے ۔ وزیر میاں بڈھا نے قصبہ جھنجا یہ کے قریب موضع تتانی حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا ۔ اور ملک محمد وزیر نے اپنی دختر نیک اختر خدمت کے لئے پیش کر دی ۔

شیخ عثمان زندہ پیر

حضرت شیخ عبدالکبیر کے فرزند ارجمند خلیفہ ارشد اور اُن کے جانشین و سجادہ نشین تھے ۔ صاحب کشف و کرامات ۔ اور بقول خزینۃ الاصفیاء ۔ علوم ظاہری و باطنی میں کامل و اکمل ۹۹۰ھ ہجری میں وفات ہوئی ۔ گنبد کلاں میں مدفون ہیں ۔

روحانی کمالات کے ساتھ آپ کو معاملہ فہمی اور فراخی حوصلہ کے جوہر بھی عطا ہوئے تھے ۔ آپ کے صاحبزادہ شیخ نظام الدین صاحب نے ایک کنواں تعمیر کرایا ۔ اور والد صاحب سے افتتاح کی درخواست کی ۔ آپ نے فرمایا :۔ افتتاح کر دوں گا ۔ مگر شرط یہ ہے کہ تین من گیہوں کی روٹی پکواؤ ۔ گائے ذبح کراؤ ۔ روٹی اور گوشت کے مناسب اور بھی سامان فراہم کرو ۔ اور سب فقراء کو کھلا دو ۔ اس کے بعد میں افتتاح کر دوں گا ۔ صاحبزادہ صاحب کو یہ حوصلہ میسر نہیں آیا تھا ۔ عرض کرنے لگے ۔ میرے پاس تو ایک بکری ہے ۔ فرمایا ۔ ہرگز نہیں ، جو کہہ چکا ہوں ۔ وہ گویا تیر بر ہدف ہے ۔ ایسا نہیں کرو گے تو نقصان کا خطرہ ہے ۔ صاحبزادے صاحب اس خرچ کے لئے تیار نہیں ہوئے ۔

Marfat.com

کوئیں کی پوری عمارت رات ہی میں بیٹھ گئی۔

معاملہ فہمی کے سلسلہ میں دو جاٹوں کا قصہ ایک اچھی مثال ہے۔

ان دونوں جاٹوں کا خاندان ایک ہی تھا مگر مذہب جُدا جُدا تھا۔ ایک ہندو تھا اور ایک مسلمان۔ ان دونوں کے آپس میں کوئی جھگڑا تھا۔ عرصہ ہو گیا تھا وہ طے نہیں ہوا تھا۔ آخر کار ان دونوں نے اپنا یہ مقدمہ حضرت شیخ عثمان کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شیخ عثمان نے واقعات کی تفصیلات معلوم کیں۔ اور پھر ایک فیصلہ کر دیا۔ وہ فیصلہ اتفاق سے ہندو کے خلاف تھا۔ اُس نے برملا کہہ دیا کہ آپ نے مسلمان ہونے کی رعایت کی ہے۔ ورنہ حق میرا تھا۔ اور فیصلہ میرے حق میں ہونا چاہیئے تھا۔

یہ اعتراض حضرت شیخ کے لئے بہت تکلیف دہ تھا۔ مگر صورت حال ایسی تھی کہ بات چیت سے مطمئن کرنا بھی مشکل تھا۔ اب آپ نے ایک ایسی صورت تجویز کی جو خود ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق تھی۔ آپ نے فرمایا۔ تم دونوں کے یہاں بچے ہونے والے ہیں۔ اب فیصلہ یہ ہے کہ سچے کے لڑکا ہو گا۔ اور جھوٹے کے لڑکی ——— اب خدا کا کرنا کہ ——— مسلمان کے لڑکا پیدا ہوا اور ہندو کے لڑکی ——— یہ ایک تائید غیبی تھی۔ حق و صداقت اور انصاف پسندی کی۔ مگر اس کا یہ اثر ہوا کہ فریقین مطمئن ہو گئے۔ جھگڑا ختم ہو گیا۔

شیخ نظام الدین

حضرت زندہ پیر اور حضرت بالا پیر کے تذکرے آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہ شیخ نظام الدین قدس اللہ سرہ العزیز حضرت شیخ عثمان زندہ پیر کے فرزند ارجمند و خلیفہ اور حضرت شیخ عبد الکبیر بالا پیر کے پوتے تھے۔ اس خاندانی شرف کے ساتھ ذاتی سعادت و شرافت سے بھی بھرپور حصہ ملا تھا۔

Marfat.com

بقول مولانا غلام سرور۔ عظمائے مشائخ (اکابر اولیاء اللہ) میں سے تھے۔

"باوصاف زہد و قناعت موصوف۔ و بریاضت و عبادت معروف بذکر مولی مستغرق۔ از خلق جہاں مستغنی۔"

شیخ نظام الدین صاحب کے برادر بزرگ کا نام نامی "کمال الدین" تھا۔ آپ اسم بامسمیٰ تھے۔ یعنی:۔

"بسیار اہلِ کمال۔ صاحب جلال و جمال بودند و جذبہ عشق الٰہی از حد داشت۔" (خزینہ ج ۱ ص ۴۵۵)

والد صاحب (حضرت زندہ پیر) کی وفات کے بعد حضرت شیخ کمال الدین ہی کو لوگوں نے خلیفہ و جانشین اور صاحب سجادہ بنانا چاہا۔ مگر آپ نے سختی سے منع کر دیا اور اپنے چھوٹے بھائی شیخ نظام الدین کے سر پر خود اپنے ہاتھ سے دستار باندھ کر گدی پر بٹھا دیا۔

شیخ نظام الدین صاحب نے والد ماجد کی جانشینی اور برادر بزرگ کی اس' قدر افزائی کی بہت قدر کی۔ اور قدرت نے قدر کرنے کا موقع بھی خوب دیا۔ یعنی تقریباً سو سال تک چشمہ ارشاد و ہدایت جاری رکھا۔

۸۷۱ھ ہجری سال ولادت ہے عمر ایک سو سینتالیس (۱۴۷) سال

سنہ وفات ایک ہزار اٹھارہ (۱۰۱۸ھ)

شاہ اعلیٰ چشتی پانی پتی

حضرت شیخ نظام الدین کے فرزند ارجمند ہیں۔ ظاہری علوم کی تکمیل کے بعد باطنی کمالات کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے والد ماجد سے خرقہ خلافت حاصل کیا۔

قصبہ نارنول جو اسی علاقہ میں پانی پت سے تیس پینتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ وہاں کے مشہور بزرگ شیخ نظام کا بھی یہی زمانہ ہے۔ یہ بھی اتنے ہی

Marfat.com

بڑے جلیل القدر اور صاحبِ کمال شیخ طریقت اور صاحب سلسلہ ولی اللہ ہیں۔

حضرت شیخ نظام الدین پانی پتی کے یہ لختِ جگر کچھ ایسے پیاسے تھے کہ صرف والد ماجد کے چشمۂ فیض اور خرقہ خلافت سے پیاس نہیں بجھی۔ آپ حضرت شیخ نظام نارنول کی خدمت میں بھی حاضر ہوئے۔ اور اسی طرح اُن کے دریا فیض سے بھی شادابی حاصل کرنے لگے۔

حضرت نارنولی کو بھی ایسے جوہر نایاب کی تلاش تھی۔ آپ نے اپنی شفقتوں سے اُن کو نوازا۔ اور یہاں تک نوازا کہ آپ کا نام نامی خود حضرت نارنولی کی شفقتوں کی شہادت بن گیا۔

اصل نام اس کی تفصیل یہ ہے کہ آپ کا اصل نام "عبدالسلام" تھا۔ حضرت نارنولی کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی نے آپ کو "اعلیٰ" کا خطاب دیا۔ نہ صرف اعلیٰ بلکہ "شاہ اعلیٰ"

یہ حضرت شیخ کی شفقتوں اور نوازشوں کی برکت ہے کہ خطاب اتنا مشہور ہوا کہ لوگ اصل نام بھول گئے

والد ماجد بھی نظام۔ اور شیخ طریقت بھی نظام۔ ان دونوں نظاموں کی مناسبت سے کسی نے کہا ہے ؎

نظامش پیر و ہم پدرش نظام ست
نظام در جہاں بروے تمام ست

سال ولادت۔ بچپن اور ابتدائی دور سال ولادت آٹھ سو نوے ہجری ہے (۱۴۸۵ء) اس زمانہ میں لودھیوں کی حکومت تھی۔ جس کا آخری تاجدار ابراہیم تھا۔ جس کو بابر نے ۹۳۲ھ (۱۵۲۶ء) میں پانی پت کے میدان میں شکست دیکر پٹھانوں

Marfat.com

کی حکومت کا خاتمہ کیا۔

اس حرماں نصیب بادشاہ کی قبر پانی پت میں ایک چبوترہ پر آجتک ہے۔

حضرت شاہ اعلیٰ صاحب جواب تک شیخ عبد السلام عثمانی تھے۔جس طرح قدرت نے آپ کی فطرت کو شرافت اور مکارم اخلاق کے جوہر بخشے تھے۔حوصلہ مندانہ شجاعت کا بھی بھرپور خزانہ آپ کو عطا ہوا تھا۔صاحب سیر الاقطاب نے چند کرامتیں بھی ذکر کی ہیں۔جن کے نتیجہ میں آپ کو تیر اندازی کا یہ کمال حاصل ہوا تھا۔ کہ آپ کا کوئی نشانہ خطا نہیں کرتا تھا۔

بہرحال آپ کے سپاہیانہ ذوق نے اقبال مند بابر کا استقبال اس طرح کیا کہ آپ اس کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔"قزاخاں" جو بابر کا فوجی افسر تھا۔وہ آپ کا کمانڈر تھا۔بہت جلد آپ کے فوجی کمالات ظاہر ہونے لگے۔ خصوصاً تیر اندازی اور نشانہ بازی نے یہاں تک شہرت حاصل کی کہ آپ بابر کی پوری فوج میں تیر اندازی میں یکتا۔اور بے نظیر سمجھے جانے لگے۔

فوجی ملازمت کیوں اختیار کی؟

شیخ اللہ دیا صاحب مصنف سیر الاقطاب نے خود حضرت شاہ اعلیٰ صاحب کا بیان نقل کیا ہے جس سے فوجی ملازمت، زمانہ ملازمت اور علیحدگی وغیرہ کے اسباب پر روشنی پڑتی ہے۔

شیخ اللہ دیا صاحب فرماتے ہیں:۔

ایک مجلس میں حضرت پیر روشن ضمیر (شاہ اعلیٰ صاحب) نے زبان معجز نشان سے فرمایا۔حضرت والد صاحب (شیخ نظام الدینؒ) پوری شفقت و توجہ سے میری ظاہری اور باطنی تربیت میں مصروف تھے۔ناگاہ مجھے زیارت کعبہ معظمہ کا شوق دامنگیر ہوا۔والد صاحب

Marfat.com

سے اجازت حاصل کی۔ اور سفر شروع کر دیا۔ جب دریا کے قریب پہونچا (غالباً سورت یا کھمبات مراد ہوگا۔ اس زمانہ میں یہی بندرگاہ تھے) تو معلوم ہوا کہ جہاز نہیں جا رہے۔ کیونکہ پرتگالی اور فرنگی قزاقوں نے جو اس زمانہ میں سمندر میں قزاقی کیا کرتے تھے۔ راستہ کو مخدوش کر رکھا ہے۔ مجبوراً میں وہاں سے واپس ہوکر "مالوہ" پہونچا۔ جہاں "قزاخاں" "بابر" کی طرف سے مامور تھا۔ میں نے اس کی ملازمت اختیار کر لی۔

قزاخاں کو مجھ پر اتنا اعتماد ہوگیا کہ جو بھی نازک صورتِ حال پیش آتی، اکثر ایسا ہی ہوتا تھا کہ اس میں میرے مشورے کے بغیر کوئی اقدام نہیں کیا کرتا تھا۔

ایک عرصہ دراز تک میں وہاں رہا۔ جب شیر شاہ سوری نے انقلاب برپا کر دیا۔ اور مالوہ بھی اس کے تصرف میں آ گیا۔ اس وقت میرے اصطبل میں نوّے (۹۰) گھوڑے تھے سب تاراج ہوگئے تو مجبوراً میں بھی وہاں سے روانہ ہوا۔ اور وطن کا رُخ کیا۔ "مدسور" راستہ میں پڑتا تھا۔ وہاں شیخ المشائخ حضرت حمزہ کا دریائے فیض جاری تھا۔ کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ اور اُن کے چشمۂ فیض سے مستفیض ہوا۔

اسلحہ کا بے پناہ شوق اور تائیدِ غیبی کی عجیب و غریب مثال

آپ فرماتے ہیں جب میں "مدسور" سے روانہ ہوا تو تہیدستی کا یہ عالم تھا کہ میرے پاس صرف ایک "بابری تنکہ" (اس زمانہ کا خاص سکہ) تھا۔ میں اسی حالت میں دھلی پہونچا۔

یہاں بازار میں جا رہا تھا کہ ایک شخص کو دیکھا کہ "سپر ریشمانی" (ریشمی ڈھال) فروخت کر رہا ہے۔ مجھے وہ بہت پسند آیا قیمت دریافت کی تو تین ۳ روپیہ اس کی قیمت تھی۔ میری جیب اب بالکل خالی ہو چکی تھی۔ تو میں نے اپنے ساتھیوں سے تین روپیہ قرض لئے اور وہ ڈھال خرید لی۔ اتفاق سے ساتھیوں کے پاس بھی کل اثاثہ یہی تین روپے تھے۔ جو میں نے اس طرح خرچ کر ڈالے تو اب ہر ایک ساتھی بہت پریشان ہوا۔ اور مجھ کو ملامت کرنے لگا۔ میں خود نادم و شرمندہ تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ میرے ساتھیوں کی کل پونجی یہی ہے۔ بہرحال میں اسی ندامت اور پریشانی میں تھا۔ اور سر جھکائے اس سپر پر انگلی چلا رہا تھا کہ ڈھال کے ریشمی غلاف کا ایک کنارہ اُکھڑ گیا۔ اب جو نظر پڑی تو اس کنارہ کے نیچے سونے کا حلقہ نظر آیا۔ اب میں نے پورا غلاف اُدھیڑ دیا۔ تو۔

"حلقہ طلا ہشتاد تولچہ برآمد"

(اٹھارہ تولے سونے کا پترا ڈھال پر چڑھا ہوا نکلا)

اس تائید غیبی نے میری پشیمانی اور پریشانی رفع کی۔ میں نے فوراً یہ حلقہ الگ کیا۔ اور بازار میں فروخت کر کے دوستوں کا قرض بھی ادا کیا۔ پھر سب کو برابر تقسیم کر دیا۔

اب خدا کے فضل سے میرے پاس سامان سفر فراہم ہو گیا۔ میں دہلی سے روانہ ہو کر پانی پت پہونچا۔ اور والد صاحب قبلہ کی قدمبوسی سے مشرف ہوا۔

دوبارہ تلاش ملازمت اور ناکامی

حضرت شاہ اعلیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ اس کے بعد میں نے چند مرتبہ ملازمت کی کوشش کی۔ اور اسی جستجو میں کہ کوئی مناسب جگہ مل جائے میں نے چند مرتبہ ملتان۔ لاہور۔ گجرات اور جونپور وغیرہ کا سفر کیا۔ مگر جو

Marfat.com

صورت میں چاہتا تھا۔ وہ کہیں بھی میسر نہیں آئی۔ اور اس کا سبب یہ تھا۔ کہ

" والد بزرگوار مجھے سفر کی اجازت تو دید یا کرتے تھے۔ مگر جب سفر کے لئے رخصت ہوتا تو یہ بھی فرمایا کرتے تھے۔"

" عبدالسلام تمہیں خدا نے دوسرے کام کے لئے پیدا کیا ہے۔
تم کہاں دنیا کے پیچھے سرگردان پھرتے ہو"

قلندرانہ زندگی اور سیاحت

حضرت شاہ اعلیٰ صاحب نے اسی سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ جب چند مرتبہ جدوجہد کے باوجود ناکامی ہوئی تو:۔

" دلم از مطالبات دنیاوی سرد گشت۔ و زمام اختیار بکوچہ عشق کشید از ہمہ تعلقات ترک گرفتہ انچہ در ملک بود بفقرا قسمت کردم و بطریق قلندرانہ روانہ شدم"

(طلب دنیا کے جذبات سرد پڑ گئے۔ کوچہ عشق کی جانب زمام اختیار کی کشش ہونے لگی۔ تمام تعلقات سے کنارہ کش ہوگیا۔ اپنی پوری ملکیت فقرا کو تقسیم کردی اور قلندرانہ انداز میں نکل کھڑا ہوا"۔)

جونپور وغیرہ پوربی اضلاع کی سیاحت اور اکابر علما و مشائخ سے ملاقات

اس زمانہ میں شاہان مشرق کا اقبال عروج پر تھا۔ جونپور جس طرح سیاسی اقتدار کا مرکز تھا، علماء اور مشائخ کا بھی وہاں کافی اجتماع رہتا تھا۔ حضرت شاہ اعلیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے سیاحت اختیار کی تو پہلے جونپور پہونچا۔ وہاں شیخ بہاؤالدین۔ میر سید علی قوام شیخ شمس الدین سادجی جیسے بزرگوں کی خدمت میں حاضر رہا۔ کوڑہ جہاں آباد میں مولانا علی احمد اور شیخ عبدالصمد صاحب

Marfat.com

انبھٹی میں شیخ الاسلام شیخ نظام۔ گجرات میں قاضی محمود۔ جیسے اکابر سے ملاقات ہوئی۔ مگر چونکہ میرا حصہ کسی اور جگہ مقدر تھا۔ اس لئے کسی بارگاہ میں بھی دلجمعی نصیب نہ ہوئی۔

بہار حضرت شاہ اعلیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ میں بہار پہونچا۔ وہاں شیخ علی مغربی اور مولانا حسام الدین بغدادی۔ شیخ صلاح۔ اور شیو خاں وغیرہ سے نیاز حاصل ہوا۔ آپ فرماتے ہیں۔ بہار میں اور عجیب واقعہ بھی پیش آیا جس کی تفصیل یہ ہے۔ کہ جب میں بہار پہونچا۔ وہاں ایک جگہ قیام کیا۔ تو ایک عالم سے ملاقات ہوئی جن کا نام عبدالواحد تھا۔ یہ حضرت مخدوم کبیر الاولیاء کے خلیفہ حضرت سید موسیٰ بہاری کے پوتے تھے۔ مولانا عبدالواحد صاحب نے میرے حالات معلوم کئے۔ اور جب اُن کو معلوم ہوا کہ میرا خاندانی تعلق حضرت مخدوم کبیر الاولیاء رحمہم اللہ سے ہے تو انھوں نے خاطر مدارات میں کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا۔ مگر اس زمانہ میں خود مجھ پر ایک مجذوبانہ کیفیت طاری تھی۔ نماز بھی جماعت وغیرہ کی پابندی کے ساتھ نہیں ہوتی تھی۔ مولانا عبدالواحد صاحب نے جب میری یہ حالت دیکھی تو اول تو سمجھایا۔ اور جب دیکھا کہ اُن کی فہمائش کارگر نہیں ہوتی تو جتنے وہ مہربان تھے اتنے ہی اب مخالف ہو گئے۔ اور ایسی ترشی اور تلخی اختیار کی کہ مجھ کو وہ جگہ چھوڑنی پڑی۔ شہر سے باہر ایک ویران مسجد تھی۔ میں اسی مسجد میں جا پڑا۔ ایک ہی رات گذری تھی کہ اگلے روز میں نے دیکھا کہ سید عبدالواحد دو آدمیوں پر سہارا دیئے ہوئے گھسٹتے چلے آرہے ہیں۔ زبان پر توبہ اور استغفار ہے۔ جب وہ قریب پہونچے تو ایک دم میرے پیروں میں گر گئے اور حد درجہ اصرار کرنے لگے کہ میں وہیں چلوں جہاں پہلے مقیم تھا۔

Marfat.com

ایک عالم، خاندان سے سید۔ اور ایسے سن رسیدہ ضعیف کہ دو آدمیوں کے سہارے یہاں تک پہونچے۔ جب انھوں نے اس طرح لجاجت اور عاجزی کا مظاہرہ کیا۔ تو میں نے اُن کے آداب کا پورا احترام کرتے ہوئے اس اصرار کا سبب دریافت کیا۔ تو فرمانے لگے رات میں نے اپنے دادا حضرت سید موسیٰ صاحب کو خواب میں دیکھا کہ غصہ میں بھرے ہوئے ہیں اور بہت تلخی سے فرمارہے ہیں۔

" عبدالواحد تم نے میرے پیر زادہ کو رنجیدہ کیا۔ خدا تمہیں رنجیدہ کرے "۔

جب آنکھ کھلی تو دیکھا کہ میرے ہاتھ پاؤں " شل " ہیں۔ میں حرکت بھی نہیں کر سکتا۔ دیر تک یہی حالت رہی۔ آخر بمشکل کچھ حرکت ہو سکی۔ تو بہزار دشواری دو آدمیوں پر سہارا دیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ للٰلہ میرا قصور معاف کیجئے اور اپنی قیام گاہ پر تشریف لے چلئے۔

حضرت شاہ اعلیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ مولانا عبدالواحد کی اس عاجزانہ معذرت کے بعد میرے لئے اس کے سوا چارہ نہیں تھا کہ میں واپس آؤں جب میں اس پرانی قیام گاہ پر واپس پہونچ گیا تو خدا کے فضل سے سید عبدالواحد صاحب بھی اس آزار سے شفایاب ہو گئے۔

یہ واقعہ ایسا نہیں تھا جو چھپا رہتا۔ روئی کے گالے کی طرح اس کی شہرت پھیل گئی۔ میری زیارت کو لوگ آنے لگے اور میرے گرد لوگوں کا ہجوم رہنے لگا۔ یہ خود میرے لئے ایک آزار تھا۔ مجھے لوگوں سے وحشت اور لوگ دست بوسی اور قدم بوسی کے لئے ہر وقت حاضر۔ چند روز اس طرح گذرے۔ آخر یہ ہجوم برداشت نہ ہو سکا۔ اور میں خفیہ طور سے شہر سے نکل کر آگرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ کچھ آگرہ قیام کر کے والد صاحب کی خدمت میں پانی پت حاضر ہوا۔ اور اُن کے نقش قدم پر زندگی گذارنے کی کوشش شروع کر دی۔

Marfat.com

چلّہ کشی

حضرت شاہ اعلیٰ صاحب (جو ابھی تک شیخ عبدالسلام ہی تھے۔ خطاب اعلیٰ سے سرفراز نہیں ہوئے تھے) جب باقاعدہ حلقہ ارادت میں داخل ہوگئے تو والد بزرگوار نے جو اب پیر و مرشد بھی ہوگئے تھے۔ "چلّہ" کی ہدایت فرمائی۔ اور حضرت شیخ شمس الدین ترک رحمۃ اللہ علیہ کے مزار کے قریب ایک کوٹھری چلّہ کے لئے طے فرمادی۔

چلّہ کیا ہے؟

چلّہ۔ مشائخ طریقت کے یہاں ریاضت و مجاہدہ کا ایک چالیس روزہ سلسلہ ہوتا ہے۔ جو مادی دلچسپیوں اور دنیاوی تعلقات ختم کرنے کے لئے سنار کی کٹالی (بھٹی) کا کام کرتا ہے۔

حضرت شیخ نظام الدین نارنولی سے رابطہ اور تعلق

آپ اب تک اپنے والد ماجد شیخ نظام الدین پانی پتی سے بیعت تھے مگر چلّہ کے دوران میں آپ نے عجیب تماشہ دیکھا۔ وہی حجرہ جو چلّہ گاہ تھا۔ جس کے دروازے سب طرف سے بند رہتے تھے۔ آپ نے دیکھا کہ حضرت شیخ نظام الدین نارنولی وہاں رونق فروز ہیں۔ اور فرما رہے ہیں۔ کہ "آپ کا حصہ باطنی ہمارے یہاں ہے۔ آپ نارنول آیئے اور اپنا حصہ لے لیجئے۔"

اس کا اثر یہ ہوا کہ جیسے ہی چلّہ سے فراغت ہوئی۔ آپ (بقول مولانا غلام سرور صاحب)

"مستانہ و بے ہوشانہ نارنول پہونچے۔ اور حضرت نارنولی سے ارادت و بیعت کی سعادت حاصل کی۔ خرقہ خلافت حاصل کیا۔ اور نہ صرف خرقہ خلافت حاصل کیا۔ بلکہ بارگاہ نارنول میں یہاں تک مقبولیت اور محبوبیت حاصل کی۔ کہ بجائے شیخ

عبدالسلام کے حضرت مرشد نے آپ کو "شاہ اعلیٰ" کے خطاب سے نوازا۔
سیرالاقطاب میں خود آپ کا بیان نقل کیا گیا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔
"میں ابھی نارنول میں داخل بھی نہیں ہوا تھا۔ کہ حضرت شیخ نارنولی کا ایک خادم میرے سامنے آیا۔ اور اُس نے حضرت شیخ کا عمامہ اور آپ کے نعلین مجھے عطا فرمائے۔ پھر ابھی خانقاہ میں نہیں پہونچا تھا کہ ایک دوسرا خادم سامنے آیا۔ اور اُس نے ایک کاغذ مجھے عنایت کیا۔ اس میں ایک "اسم" تحریر تھا۔ اور ہدایت تھی کہ اس کی مداومت کرو۔ اور جب تک آپ کا دل اعلیٰ نہ ہو جائے ہمارے پاس آنے کی ضرورت نہیں ہے۔

حضرت شاہ اعلیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت شیخ کے ارشاد کے بموجب سات روز تک کفش دوزوں کی مسجد میں قیام کر کے اس وظیفہ کی پوری طرح پابندی کی۔ یہاں تک کہ صفائی قلب حاصل ہوئی۔ اس کے بعد حضرت مرشد کی اجازت ہوئی۔ میں بارگاہ میں حاضر ہوا۔ تو فرمایا "الحمد للہ اعلیٰ شدی" (خدا کا شکر ہے تم اعلیٰ ہو گئے) پھر اتنی عنایتیں اور شفقتیں فرمائیں۔ کہ احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔

اس کے بعد ایک سال پانچ ماہ سترہ روز (یعنی سترہ ماہ سترہ روز) خدمت گرامی میں حاضر رہا۔ یہ پوری مدت چلّہ کشی اور ریاضت و مجاہدہ میں گذری۔ یہاں تک کہ ایک روز مجھے حجرہ خاص میں طلب فرما کر ارشاد فرمایا۔ کہ بابا۔ ! مشائخ طریقت کے "چودہ خانوادوں" سے (یعنی مشائخ طریقت کے چودہ سلسلے جن سے

Marfat.com

ہندوستان میں فیض جاری ہے ۔چودہ خانوادے کہلاتے ہیں)
جو کچھ مجھے ملا ہے ۔وہ سب تم کو بخش رہا ہوں ۔اور تمہیں اجازت
دے رہا ہوں کہ وطن جاؤ ۔ اور خلقِ خدا کی خدمت میں مصروف ہوجاؤ۔

پھر فرمایا : ۔آج تیسرا روز ہے کہ آپ کے دادا حضرت
مخدوم جلال الدین کبیر الاولیار رحمۃ اللہ علیہ برابر خواب میں مجھے
تاکید فرما رہے ہیں کہ میرے پوتے کو جلد پانی پت بھیجدو ۔ کہ
وہاں میری گدی خالی پڑی ہے ۔

حضرت شاہ اعلیٰ صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے اس سے
حیرت بھی ہوئی کہ " گدی خالی " کیوں ہے ؟ جب کہ حضرت
والد صاحب وہاں موجود ہیں ۔بہر حال میں حضرت شیخ کی ہدایت
کے بموجب نارنول سے رخصت ہوا ۔جب آگرہ پہونچا تو معلوم
ہوا کہ حضرت والد صاحب کی وفات ہوچکی ہے ۔دنیا مجھے تاریک
نظر آنے لگی ۔میں نے آگرہ کا قیام مختصر کیا ۔اور جس قدر جلد ممکن
ہوسکا پانی پت پہونچا ۔اور اپنے بزرگوں کی امانت کی حفاظت
اور خانقاہ کی خدمت میں مصروف ہوگیا ۔

قیاسات

حضرت شاہ اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مذکورہ بالا
بیان سے جس کو " اپنی کہانی اپنی زبانی " کہنا چاہیئے ۔
اندازہ ہوتا ہے کہ : ۔

۱۔ تقریباً ۳۴ سال کی عمر میں آپ نے فوجی ملازمت اختیار کی
رکیونکہ آپ کا سنہ ولادت ۸۹۰ھ ہے اور بابر نے دہلی کو
۹۳۳ سنہ ہجری (۱۵۲۶ء) میں فتح کیا ۔اسی سال اگر آپ نے

Marfat.com

حج بیت اللہ کا ارادہ کیا پھر سورت سے مراجعت کرتے ہوئے قزاخاں کی ملازمت اختیار کی تو اس وقت آپ کی عمر تینتالیس سال تھی۔)

۲۔ ۹۴۷ھ (۱۵۴۰ء) میں شیر شاہ نے ہمایوں کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کی۔ اسی شورش میں آپ اپنے منصب سے علیحدہ ہوئے اور دہلی پہونچے۔ پھر پانی پت تشریف لے گئے یعنی تقریباً ۱۴ سال آپ فوج میں رہے۔

۳۔ والد صاحب یعنی شیخ نظام الدین صاحب کی وفات ۱۰۱۸ھ میں ہوئی۔ اس سے چند سال پہلے آپ سیاحت اور قلندرانہ زندگی سے نجات پاکر والد صاحب سے بیعت ہوئے اور چلے گئے۔

اکبر بادشاہ کی وفات ۱۰۱۴ھ ہجری (۱۶۰۵ء) میں ہوئی تھی۔ گویا اکبر کی وفات، جہانگیر کی تخت نشینی اور پانی پت میں سیاحت بہار وغیرہ سے واپسی کا زمانہ تقریباً ایک ہی ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کی عمروں میں عجیب برکت عطا فرمائی تھی۔ ۹۰۸ھ ہجری (سال ولادت سے لیکر) ۱۰۱۴ھ (سال مراجعت پانی پت) تک ایک سو چھبیس (۱۲۴) سال کی عمر ہو چکی ہے۔ پھر بھی آپ نے تقریباً بیس سال خانقاہ معلّی کی خدمت کی۔ اور امانت بزرگان چشت کی حفاظت کے فرض کو انجام دیتے ہوئے ۱۰۳۳ھ میں واصل بحق ہوئے۔ (رحمۃ اللہ)

عجیب و غریب انکشاف

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اسی سلسلہ کے صاحب سلسلہ مرشد طریقت ہیں۔ فرق یہ ہے کہ آپ حضرت مخدوم کبیرالاولیار کے خلیفہ حضرت احمد عبدالحق ردولوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیضیاب ہوئے ہیں اور حضرت شاہ اعلیٰ صاحب حضرت مخدوم کبیرالاولیار کے فرزند و خلیفہ حضرت خواجہ شبلی صاحب کے سلسلہ میں ہیں۔ آپ کا سلسلہ نسب اور سلسلۂ خلافت یہ ہے۔

شاہ اعلیٰ فرزند و خلیفہ حضرت شیخ نظام الدین، فرزند و خلیفہ حضرت شیخ عثمان زندہ پیر، فرزند و خلیفہ حضرت شیخ عبدالکبیر اولیار، فرزند و خلیفہ حضرت خواجہ عبدالقدوس، فرزند و خلیفہ حضرت خواجہ شبلی، فرزند و خلیفہ حضرت مخدوم کبیرالاولیار رحمۃ اللہ علیہ۔

بہرحال یہ دونوں بزرگ اگرچہ حضرت مخدوم کبیرالاولیار ہی کے سلسلہ میں ایک ہی سرچشمہ سے سیراب ہونے والے ہیں۔ مگر ابراہیم لودھی پر بابر نے حملہ کیا تو سیاسی مذاق میں یہ فرق تھا۔ کہ حضرت شاہ عبدالقدوس صاحب کا رجحان ابراہیم لودھی پھر شیر شاہ سوری کی طرف رہا۔

چنانچہ بابر کی فوج نے اُن کو ابتدا میں گرفتار بھی کرلیا تھا لیکن حضرت شاہ اعلیٰ کا رجحان اس کے برعکس مغلوں کی طرف تھا۔ چنانچہ آپ مغلوں کی فوج میں تقریباً چودہ سال تک ایک منصب پر فائز رہے اور شیر شاہ کی فوج نے آپ کا سامان لوٹا۔

Marfat.com

مجاہدہ کی نوعیت اور توکل علی اللہ کی نادر مثال

حضرت شاہ اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے سپاہیانہ زندگی کے بعد دنیا سے قطع تعلق کیا تو اس کی بھی شان عجیب تھی۔ مثلاً:۔ آپ نے طے کر لیا کہ اسباب سے قطع نظر محض توکل پر زندگی بسر کریں گے۔ حضرت شیخ محمد مودود دلار کے مقبرہ کے قریب ایک شکستہ حجرہ یا ایک غار تھا۔ وہاں آپ مقیم تھے۔ اتفاق سے کوئی چیز میسر نہیں آئی۔ اور پانچ دن اسی طرح گذر گئے کہ ایک دانہ آپ کے دہن مبارک میں نہیں پہونچا۔ متواتر فاقہ سے نشست و برخاست مشکل ہوگئی۔ آنکھوں کے سامنے اندھیرا رہنے لگا۔ مگر آپ کے توکل و اعتماد علی اللہ میں کوئی فرق نہیں آیا۔

آپ اسی حجرہ میں تھے کہ باہر سے آواز آئی۔ کوئی آپ کو پکار رہا ہے آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ ایک نورانی صورت بزرگ سپید لباس پہنے ہوئے تشریف فرما ہیں۔ ایک نان اُن کے ہاتھ میں ہے۔ یہ صاحب آگے بڑھے۔ نان کے ٹکڑے کئے اور خود اپنے ہاتھ سے دو ٹکڑے حضرت شاہ اعلیٰ کو تناول کرائے۔ نان ختم ہوگیا تو وہ صاحب روانہ ہوئے حضرت شاہ اعلیٰ صاحب اُن کے پیچھے چلے کہ معلوم کریں کون صاحب ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں مگر وہ بہت جلد آنکھوں سے اوجھل ہوگئے۔

حضرت شاہ اعلیٰ کو افسوس ہوا کہ ایسے باکمال بزرگ سے کچھ باتیں دریافت کرنا۔ رات آئی۔ سونے کا وقت ہوگیا۔ مگر آپ کو ایک ہی افسوس تھا۔ آنکھ لگی تو خواب میں دیکھا کہ وہی صاحب رونق افروز ہیں۔ آپ کی گویا تمنا پوری ہوگئی۔ آپ نے فوراً اپنے سوالات پیش کئے۔ اور اس مرشد روحانی کے جوابات سے مستفیض ہوئے۔

Marfat.com

صبر، ضبط اور تسلیم و رضا شیخ اللہ دیا صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت شاہ اعلیٰ صاحب کے دو فرزند تھے۔ شاہ نور اور شاہ منصور۔ یہ دونوں صاحب عیال تھے۔ دونوں کی وفات حضرت شاہ اعلیٰ صاحب کی زندگی میں ہوگئی۔ پھر ان کے کئی لڑکے تھے۔ وہ بھی سب حضرت شاہ اعلیٰ صاحب کے سامنے ہی داغِ مفارقت دے گئے۔ صرف ایک پوتا باقی رہ گیا حضرت شاہ محمدؒ۔ جن کی عمر اُن کے والد کی وفات کے وقت صرف چھ ماہ تھی۔ اور والدہ اِس سے بھی پہلے رخصت ہو چکی تھیں۔ اس کی پرورش حضرت ہی نے کی۔ اور آخر میں ان ہی کو خلیفہ اور صاحب سجادہ نشین بنا دیا۔ مگر حضرت شاہ العالمین کے صبر و ضبط کی حالت یہ تھی کہ کسی کی وفات پر بھی قابو سے باہر نہیں ہوئے میّت کا تمام کام خود اپنے ہاتھ سے کرتے۔ دوسروں کو صبر دلاتے رہتے۔ اور جب دفن کرکے واپس ہوتے تو کھانا منگوائے اور سب آدمی جو وہاں موجود ہوتے اُن کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

چند کرامتیں ایسا صابر و شاکر اور ایسا قناعت پسند اور متوکل۔ اگر اُس سے کرامتیں ظاہر ہوں تو تعجب نہیں ہونا چاہیئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اُس کا ہو جاتا ہے۔ اب جو کام وہ کرتا ہے۔ قدرتِ خدا کے خصوصی کرشمے اُس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ چنانچہ آپ کے ایک ارادت مند جن کا نام صاحب سیر الاقطاب نے "مولانا ظاہری" لکھا ہے یہ مولانا ظاہری فرماتے ہیں:۔

۱۔ ایک شب کو حضرت شاہ العالمین (شاہ اعلیٰ صاحب) نے فرمایا کہ صبح کو باگھوتی پہونچکر حضرت قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھیں گے۔ اور غریبوں کو کھانا کھلائیں گے۔ پھر

مجھے ہدایت فرمادی کہ نماز صبح یہاں آکر پڑھو۔ یہ میری سعادت تھی کہ حضرت نے مجھے ہمرکاب رہنے کا حکم فرمایا۔ میں نے بخوشی منظور کرلیا۔ چنانچہ میں تہجد کے وقت اُٹھا۔ اپنے معمولات پورے کئے اور ابھی ایک پہر رات باقی تھی کہ بادل گھر آیا۔ اور بوندا باندی ہونے لگی۔ میں نے سوچا کہ ایسی صورت میں کہاں جانا ہوگا۔ اور یہ سوچکر میں نے حضرت شاہ صاحب کی مسجد کے بجائے اپنی ہی مسجد میں نماز پڑھی اور مکان پر آگیا۔ فوراً ہی کسی نے دروازہ پر دستک دی۔ میں باہر نکلا تو دیکھا کہ حضرت شاہ العالمین کے پوتے میاں شاہ محمد تشریف فرما ہیں اور فرما رہے ہیں۔ کہ حضرت شاہ صاحب آپ کے منتظر ہیں۔ میں نے فوراً گھوڑا کسا۔ اور صاحبزادہ صاحب کو گھوڑے پر سوار کیا اور خود در دولت تک پیدل پہونچا۔

حضرت کی نظر جیسے ہی مجھ پر پڑی۔ فرمایا بہت اچھا ہوا۔ آپ آگئے۔ اب باگھوتی چلئے۔ میں نے عرض کیا۔ ترشح ہو رہا ہے ایسی صورت میں کیا جانا ہوگا۔ باگھوتی میں کوئی سایہ کا انتظام بھی نہیں ہے۔ آج رہنے دیجئے۔ کل چلیں گے۔ فرمایا۔ نہیں جوطے ہو چکا ہے اس کو بدلنا نہیں۔ اور آپ خاطر جمع رکھئے۔ بارش سے آپ کو کوئی زحمت نہ ہوگی۔ اتنی دیر میں بادل اور گھر آیا۔ بجلی کڑکی اور بارش زور سے ہونے لگی۔ مگر حضرت اپنے ارادہ پر قائم رہے۔ اور سامان فراہم کرکے روانہ ہوگئے۔ کچھ اور مرید و معتقد بھی جو وہاں موجود تھے ساتھ چلدیئے۔ ہم پانی پت سے کئی میل باگھوتی گئے۔ وہاں فاتحہ پڑھا۔ نان اور

Marfat.com

یخنی جو بہت زیادہ تھی وہ تقسیم کی۔ پھر واپس آئے۔

اب کرامت یہ ہے کہ اس اثنا میں بارش برابر ہوتی رہی مگر ہم سب محفوظ رہے۔ گویا ہم سائبان کے نیچے ہیں آس پاس بارش برس رہی تھی۔ اور ہم تک بارش تو کیا، بارش کی بوچھار بھی نہیں پہونچ رہی تھی۔ حضرت نے جو فرمادیا تھا کہ خاطر جمع رکھو بارش سے تمہیں کوئی زحمت نہ ہوگی۔ یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ ہم جیسے سوکھے روانہ ہوئے تھے۔ ایسے ہی واپس آ گئے۔

۲۔ قوت کشف بھی یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ بسا اوقات لوگوں کے ارادوں کا آپ کو کشف ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک مرتبہ "سونی پت" سے چند صاحبان آئے۔ راستہ میں گفتگو شروع ہوئی کہ ہم پہونچینگے تو حضرت ہماری خاطر کس چیز سے کریں گے۔ کسی نے کہا حلوا پیش فرمائیں گے۔ کسی نے کہا نان اور مرغ بریاں۔ ایک نے کہا خربوزہ عنایت فرمائیں گے۔ چنانچہ جب ہم حاضر خدمت ہوئے تو ہر ایک کو وہی عنایت فرمایا جس کا خیال اس نے ظاہر کیا تھا یہاں تک کہ خربوزہ کے خواہش مند کو خربوزہ پیش فرمایا۔ حالانکہ موسم نہیں تھا۔

شیخ اللہ دیا صاحب فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ تو خود مجھے بارہا ہوا ہے کہ جس کھانے کا مجھے خیال آیا حضرت شاہ صاحب کے یہاں پہونچا تو وہی سامنے آ گیا۔

نوجوانی کے زمانہ کی بات ہے کہ حضرت کے یہاں جاتے ہوئے مجھے خیال آیا۔ کہ اگر حضرت والا۔ مجھے "الوس خاصگی" یعنی اپنا

Marfat.com

پس خوردہ عنایت فرماویں تو میری بہت بڑی سعادت اور خوش نصیبی ہو۔ میں دولت کدہ پر پہونچا تو دیکھا کہ دسترخوان بچھا ہوا ہے اور حضرت کھانا تناول فرما رہے ہیں۔ جیسے ہی مجھے دیکھا بڑے اصرار سے بلایا۔ میں نے بہت کچھ معذرت کی۔ مگر شنوائی نہیں ہوئی۔ زبردستی مجھے اپنے پاس بٹھالیا۔ مجھے ندامت ہو رہی تھی۔ اور میں ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ حضرت کی برابر بیٹھوں۔ مگر الامر فوق الادب۔ مجھے ارشاد گرامی کی تعمیل کرنی پڑی۔ اور برابر میں بیٹھ گیا۔ حضرت نے فرمایا۔ یہ سب کھانا الوس ہے۔ کھاؤ اور پیٹ بھر کر کھاؤ۔ چنانچہ میں نے خوب سیر ہو کر کھانا کھایا۔

۳۔ شیخ اللہ دیا صاحب مصنف سیر الاقطاب اگرچہ حضرت مخدوم کبیر الاولیاء کے بڑے فرزند حضرت خواجہ عبد القادر صاحبؒ کی اولاد میں سے ہیں۔ مگر آپ کے کسی بزرگ نے کیرانہ کی سکونت اختیار کرلی تھی (جو ریل کے راستہ سے تو آج کل بہت دور ہو گیا ہے یعنی پانی پت سے دہلی تقریباً ۵۲ میل ہے دہلی سے کیرانہ تقریباً ساٹھ میل۔ مگر پیدل کے راستہ اب بھی تقریباً ۱۲ میل ہے۔ دریائے جمنا بیچ میں ہے۔ اس کے ایک جانب کیرانہ ہے دوسری طرف پانی پت) بہرحال حضرت شیخ اللہ دیا صاحب فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت شاہ اعلیٰ صاحبؒ کیرانہ تشریف لائے۔ کچھ دنوں پہلے شاہی دربار سے میرے عم محترم مقرب خان صاحب پٹنہ کے صوبہ دار مقرر فرمائے گئے تھے۔ عم محترم۔ پٹنہ کے لئے پورے حشم و خدم کے ساتھ روانہ ہوئے تو میرے بڑے بھائی

Marfat.com

مولانا شیخ قاسم صاحب جن کو خدا نے اس درجہ کا عالم وفاضل بنایا ہے کہ علم وہنرمندی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ یہ بھی اپنے جملہ متعلقین کے ساتھ چچا صاحب کے ہمراہ روانہ ہو گئے تھے۔ اور یہ پورا قافلہ کشتیوں پر روانہ ہوا۔

الغرض۔ حضرت شاہ العالمین جب کیرانہ رونق افروز ہوئے تو قصبہ کے تمام آدمی خصوصاً خاندان کے جملہ افراد ملاقات کے لئے حاضر ہوئے۔ میرے والد صاحب بھی تشریف لائے۔ حضرت شاہ العالمین نے والد صاحب کو دیکھا تو مجھ کو اور والد صاحب کو مخاطب کر کے فرمایا: "چند روز بعد بہت وحشتناک خبر پہونچنے والی ہے۔ مگر آپ پریشان نہ ہوں۔ اللہ کے بھروسہ پر صبر وسکون سے رہیں۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائیں گے

حضرت کا یہ ارشاد خود وحشت انگیز تھا۔ مگر صبر وضبط کی ہدایت تھی۔ اس لئے ہم نے گھبراہٹ تو ظاہر نہیں کی مگر خبر کا انتظار ضرور ہو گیا۔ پھر حضرت نے خود ہی خبر بھی دیدی کہ جس کشتی پر شیخ قاسم صاحب سوار تھے وہ بھنور میں پھنس کر ڈوب گئی۔ اس پر سوار تمام مسافر غرق ہو گئے۔ مگر خدا کے فضل سے شیخ قاسم اُن کی خوشدامن صاحبہ اور سب اہل و عیال جو اس کشتی پر تھے محفوظ رہ گئے۔ حضرت نے یہ بھی فرمایا کہ میں یہی خبر دینے آیا تھا۔

حضرت نے اس روز قیام فرمایا۔ اگلے دن آپ واپس تشریف لے گئے۔ چند روز بعد قاصد آیا۔ تو واقعہ بالکل وہی تھا

Marfat.com

جس کی خبر حضرت چند روز پہلے پانی پت سے تشریف لا کر ہمیں سُنا چکے تھے۔

۴۔ ایک حلوائی جو آپ کا مرید تھا۔ اس نے کچھ اشرفیاں ایک ٹھلیا میں بھر کر اپنے مکان میں چولھے کے قریب گاڑ دی تھیں۔ اتفاق سے اُس کو ضرورت پیش آئی۔ اُس نے زمین کھودی تو وہ ٹھلیا غائب تھی۔ وہ حضرت پیر روشن ضمیر (شاہ اعلیٰ صاحب) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور سارا ماجرا عرض کیا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ اور تلاش کرو۔ اس نے واپس آکر گھر کا کونہ کونہ کھود ڈالا۔ مگر وہ ٹھلیا کہیں نہیں ملی۔ پھر آپ کی خدمت میں آیا۔ بہت پریشانی ظاہر کی۔ اور حضرت سے توجہ خصوصی کی استدعا کی۔ حضرت شاہ العالمین نے فرمایا۔ چلو مجھے بتاؤ تم نے یہ اشرفیاں کہاں گاڑی تھیں۔ حلوائی آپ کو اپنے مکان کی طرف لے گیا۔ ابھی مکان تک نہیں پہونچے تھے کہ آپ نے حلوائی سے کہا کدال لاؤ۔ حلوائی دوڑ کر کدال لایا۔ آپ نے راستہ کے بیچ میں کدال سے کچھ زمین کھودی۔ پھر حلوائی سے کہا کہ تم زمین کھودو۔ تمہاری اشرفیاں یہاں ہیں۔ حلوائی نے زمین کھودنی شروع کی۔ تھوڑی دیر میں ٹھلیا کا کنارہ نظر آیا۔ پھر وہی ٹھلیا اسی طرح موتھ بند وہاں سے برآمد ہوگئی۔ سب کو حیرت ہوئی کہ ٹھلیا کہاں گاڑی تھی۔ کہاں سے برآمد ہوئی۔ اور حضرت کو اس کا علم کس طرح ہوا۔ یہ ایک بزرگانہ کشف تھا۔ جس کو الہام خداوندی کہنا چاہیئے۔

Marfat.com

۵۔ خانقاہ معلّٰی میں خود حضرت شاہ اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کنواں کھدوایا۔ جب پانی نکلا تو کھاری تھا۔ بہرحال کنواں تیار ہوگیا۔ مگر پانی کھاری ہی رہا کچھ دنوں بعد کوئی صاحب دہلی سے واپس ہوئے اور چند کیک پیش کئے۔ جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ سے بطور تبرک لے گئے تھے۔ حضرت شاہ اعلیٰ صاحب نے وہ "کیک" اس شخص سے لئے اور اُن کے ٹکڑے کر کے اُن پر کچھ پڑھا اور یہ ٹکڑے کنوئیں میں ڈال دیئے اور فرمایا۔ اس تبرک کی برکت سے کنوئیں کا پانی میٹھا ہوجائے گا۔ ارادتمندوں نے فوراً ہی پانی نکال کر دیا تو واقعی شوریت ختم ہوگئی تھی۔ اور پانی میٹھا ہوگیا تھا۔ اب اس کنوئیں کا پانی خدا کے فضل سے نہایت شیریں ہے۔

وفات حضرت شاہ اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے عظیم الشان خصوصیات کے ساتھ حیات عزیز کے ایک سو تینتالیس (۱۴۳) سال پورے کئے۔ اور ۵ ربیع الاول ۱۰۳۳ھ ہجری (۱۶۲۳ء) چہار شنبہ کے روز اس جہان سے رخصت ہوگئے۔

مزار مُبارک حضرت شاہ اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ نے خود ایک قبرستان شہر سے باہر سید علی متقیؒ کے مزار کے قریب وقف کیا تھا اپنے صاحبزادوں کو وہیں دفن کیا تھا۔ مگر حضرت کی وفات کے بعد متوسلین اور ارادتمندوں نے خود حضرت شاہ کو وہاں دفن کرنا پسند نہیں کیا۔ بلکہ خانقاہِ معلّٰی ہی میں آپ کو دفن کیا گیا۔

ایک خاص کرامت شیخ اللہ دیا صاحب فرماتے ہیں:۔ کہ میری

پر دادی جو "اوستانی صاحبہ سلطان" کے نام سے مشہور تھیں۔ وہ حضرت شاہ صاحب سے بیعت تھیں۔ حضرت شاہ صاحب کی وفات سے تقریباً ڈھائی سال بعد انھوں نے حضرت کا مزار پختہ بنوانا چاہا۔ اس کے لئے "فتحپور سیکری" سے پتھر منگوائے۔ ابھی مجر کی بنیادیں نہیں بھری گئی تھیں۔ کہ معمار نے خواب میں دیکھا کہ حضرت شاہ اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے ہیں کہ بنیادیں جب آپ لوگوں نے گٹی کوٹنی شروع کی تو لحد کا ایک پتھر ٹوٹ گیا ہے اور وہ میری داہنی ران پر آپڑا ہے۔ پہلے اس کو نکالو۔ پھر مجر کی تعمیر کرنا۔ معمار کی آنکھ کھلی تو وہ پریشان تھا۔ وہ محترمہ اوستانی صاحبہ کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا۔ حضرت نے جو ہدایت فرمائی ہے۔ وہ غلط نہیں ہوسکتی۔ قبر کھول کر دیکھو۔ معمار نے قبر کی مٹی ہٹائی۔ قصبہ کے تمام ہی سربرآوردہ حضرات اس موقع پر وہاں پہونچ گئے تھے۔ جب لحد تک مٹی ہٹائی گئی تو دیکھا کہ واقعی ایک پتھر ٹوٹ کر اندر گر گیا ہے۔ پتھر کو لحد کے اندر سے نکالا۔ پھر لحد درست کر کے مجر کی تعمیر کی۔ اس وقت جو حصہ نظر پڑا تو معلوم ہوا کہ وہ ایسا ہی صاف اور صحیح سالم تھا جیسا کہ دفن کے وقت تھا۔

تنبیہ:۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ لحد بند کرنے اور قبر بھر دینے کے بعد اس کا کھولنا جائز نہیں ہے۔ اس قسم کے واقعات کی کوئی توجیہہ کی جائے گی۔ مگر ان سے حکم شریعت میں فرق نہیں آسکتا۔ عام حکم یہی ہے۔

الحمدللہ۔ اس وقت ۶ رشوال ۱۳۸۲ھ ہجری ۳ر مارچ ۱۹۶۳ء یک شنبہ کے روز، بعد نماز مغرب اذان عشاء کے وقت جنبش قلم ان سطور تک پہنچ چکی ہے۔ ان اوراق میں جو کچھ درج کیا گیا ہے۔ وہ زیادہ تر سیر الاقطاب سے ماخوذ ہے۔ مصنف سیر الاقطاب شاہجہاں بادشاہ کے ایک منصبدار ہیں۔

Marfat.com

آپ نے ۱۰۳۶ھ (ایک ہزار چھتیس ہجری میں یعنی اپنے شیخ حضرت شاہ اعلیٰ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے تین ۳ سال بعد اس کی ترتیب شروع کی۔ اور سنہ ایک ہزار چھپن ہجری میں یعنی بیس سال کی مدت میں اس کو پایۂ تکمیل کو پہونچا سکے۔

سیر الاقطاب میں حضرت شاہ اعلیٰ صاحب تک بزرگوں کے حالات درج ہیں۔ ہم بھی اس سلسلہ کو حضرت شاہ اعلیٰ صاحب پر ہی ختم کرتے ہیں۔ مگر اکابر اور بزرگان پانی پت کا سلسلہ حضرت شاہ اعلیٰ رحمۃ اللہ علیہ پر ختم نہیں ہو جاتا۔

پانی پت وہ مردم خیز خطہ ہے جہاں حضرت شاہ اعلیٰ صاحب کے بعد بھی حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی جیسے شریعت و طریقت کے مجمع البحرین جلوہ افروز ہوئے ہیں۔ اُن کے تذکرہ کے لئے ایک مکمل جلد کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی صاحب ذوق کو توفیق بخشے کہ اس قومی اور ملی ضرورت کو پورا کرے۔

ہم اس کتاب کے آخری صفحات کو ایک نظم سے آراستہ کرتے ہیں۔ جو مشعل راہ کا کام دے سکتی ہے۔ کیونکہ اس میں ان بزرگوں اور اہل کمال کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جو اس دوسری جلد کا موضوع بن سکتے ہیں۔ البتہ نظم سے پہلے ایک بزرگ کا تذکرہ ضروری سمجھتے ہیں۔ جو عثمانی خاندان کے پہلے بزرگ ہیں جو پانی پت میں رخت انداز ہوئے یہ حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب گاذرونی ہیں۔ مگر یہ تذکرہ کسی کتاب کے حوالہ سے نہیں کیونکہ کسی کتاب میں اُن کا ذکر خیر نظر سے نہیں گذرا بلکہ جناب شیخ مسیح اللہ صاحب کے مرتب کردہ مسودہ سے نقل کرتے ہیں۔ یہی خاتمہ کتاب ہے۔ (و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین)

Marfat.com

حضرت خواجہ عبدالرحمٰن گاذرونی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سلطان محمود غزنوی کی فوج میں اعلیٰ عہدے پر مامور تھے سلطان محمود کی واپسی کے بعد خواجہ صاحب ممدوح نے پانی پت میں قیام کیا۔ افغان قوم کے قبیلۂ سالار کے کچھ افراد نے بھی خواجہ صاحب کی وجہ سے اس شہر میں قیام کیا۔ چنانچہ اس طرح پانی پت میں مسلمانوں کے دو خاندان آباد ہو گئے۔

خواجہ عبدالرحمٰن گاذرونی کا سلسلہ نسب چند واسطوں سے امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ اور آپ کی بارہویں نسب میں حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا جیسا شہباز طریقت پیدا ہوا جس سے اطراف واکناف عالم میں سلسلہ عالیہ چشتیہ صابریہ پھیلا۔ حضرت خواجہ صاحب کا مزار حضرت سید اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کے متصل جزیرہ میں زیارت گاہ عوام ہے۔

(محمد مسیح اللہ صاحب پانی پتی)

سلسلۂ نسب از حضرت شاہ اعلیٰ تا حضرت عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ

بحوالہ سیر الاقطاب

۲۸
امیر المومنین امام المتقین سیدنا عثمان ابن عفان رضی اللہ عنہ۔ خواجہ ۲۷ عمر
۲۳ خواجہ عبدالرحمٰن گاذرونی۔ ۲۴ خواجہ عبداللہ ثانی۔ ۲۵ خواجہ عبدالعزیز۔ ۲۶ خواجہ عبداللہ کبیر
۲۲ خواجہ عبدالعزیز کبیر۔ ۱۹ خواجہ عبدالعزیز سرخسی۔ ۱۸ خواجہ عبدالرحمٰن ثانی۔ ۱۷ خواجہ شہاب الدین۔
۲۱ خواجہ خالد۔ ۱۲ خواجہ اسمٰعیل۔ خواجہ محمد۔ ۱۳ خواجہ ابوبکر۔ ۱۴ خواجہ علی۔ ۱۵ خواجہ عثمان۔ ۱۶ خواجہ عبداللہ
۲۰ خواجہ ولید۔ ۱۰ خواجہ احمد۔ ۹ مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء۔ ۸ خواجہ شبلی۔ ۵ شیخ عبدالقدوس
۱۹ خواجہ یعقوب۔ خواجہ محمود۔ محمود۔ ۳ شیخ عثمان زندہ پیر۔ ۲ شیخ عبد الکبیر الاولیاء
خواجہ شیخ نظام الدین

۱ حضرت شاہ اعلیٰ

Marfat.com

پانی پت کے نام

(از جناب خواجہ سہیل احمد صاحب انصاری پانی پتی)

پانی پت۔ اے مرجعِ اہلِ صفا علم و فن — تیرا شہرہ تھا جہاں میں انجمن در انجمن
شیخ کالو[1]۔ گنج پیراں۔ سید روشن علی — شیخ بو اسحاق غازی حضرت سرور سخی
خاک میں پنہاں ہیں تیری قاسم و بدرو شہید — صاحبِ تختِ امانت گازرونی[2] سعید
کھینچ لائی سید محمود[3] کو تیری زمیں — آنکھ کی ٹھنڈک عراقی[4] کو ملی آکر یہیں
شاہِ شرف الدین[5] قلندر رہنما جذب و سلوک — فخر سے قدموں میں جسکے سر جھکاتے تھے ملوک
تیری آغوشِ محبت میں وہ لعلِ بے بہا — پرورش پاکر بنا تھا زیبِ تاجِ اولیاء
شوق کے عالم میں جب ہوتا تھا وہ نغمہ سرا — دل پہ کھل جاتا تھا صوت سرمدی کا ماجرا
اسکا اندازِ تغزل قدسیوں کو بھا گیا — شعر کے پردے میں سرِ جنوں سمجھا گیا
خواجہ شمس الدین کلیر سے لیے آکر یہاں — اُن کا فیضِ نور سارے ہند پر ہے ضوفشاں
شہ جلال الدین[6] کبیر الاولیاء مخدومِ ما — سالکِ راہِ طریقت مخزنِ جود و سخا

---

[1] مشہور یہ ہے کہ ۱۲۹ھ میں حضرت امام بدرالعین بدر عالم کی زیر سرکردگی ایک سو ساٹھ (۱۶۰) مجاہدین کے قافلے جن میں شیخ کالو شہید۔ سید روشن علی۔ گنج پیراں۔ امام ابو اسحاق۔ سید سخی سرور۔ امام ابوالقاسم اور سید اکبر علی شہید شامل تھے۔ وارد پانی پت ہو کر جام شہادت نوش کیا۔ [2] ۴۲۳ھ میں خواجہ عبدالرحمٰن گازرونی سالار افواج غزنویہ نے اس شہر کو تسخیر کر کے یہاں اقامت اختیار کی۔ [3] سید محمود [4] مولانا فخرالدین عراقی والد حضرت قلندر صاحب۔ [5] و [6] کتاب میں حالات تفصیل سے تحریر کیے جا چکے ہیں۔

Marfat.com

مظہرِ نورِ حقیقت مرکزِ علم و یقین / جگمگا اٹھی تھی ان کے دم سے یہ تیری زمیں

خوشہ چینی کے لیے پیرِ ہرات[1] آئے یہاں / پیر مکی[2] نے اسی گلشن سے کیں گل چینیاں

قادر[3] و شبلی[4] علیم[5] و عبد قدوس[6] و نظام[7] / شیخ مودود[8] و سراج الدین[9]۔ امان[10] عبد السلام[11]

شہ نصیر[12] و شہ زمان[13]۔ حاجی ولی[14]۔ احمد حسن[15] / شہ مبارز[16] شہ کبیر[17] و غوث[18] علی و گل حسن[19]

پیر کینبا[20]۔ سید سلطان[21] اولاد نبی / درسِ زہد و اتقا تھی جنکی ساری زندگی

احمد اللہ[22]۔ رحمت اللہ[23] حضرت[24] قاضی ثنا / مخزنِ علمِ شریعت منبع صدق و صفا

سید[25] داؤد و قنبر[26] مولوی احمد حسن[27] / یہ بزرگانِ زمانہ تھے ترے سرو چمن

قاری[28] لالہ[29]۔ عبد رحمن فخر قراءِ جہاں / ہیں یہ سب آسودۂ خواب آج بھی تیرے یہاں

شیر افگن[30] بخشی[31] و خواجہ معین الدین دلیر[32] / خان[33] صادق۔ خان[34] راسخ۔ ذکریا خان[35] و در شیر[36]

---

1 پیر ہرات خواجہ ملک علی انصاری ۔ 2 مولانا سراج الدین مکی 3 خواجہ عبد القادر ۔ 4 خواجہ شبلی شہباز 5 شیخ علیم اللہ ابدال 6 خواجہ عبد القدوس عثمانی 7 خواجہ نظام 8 شیخ مودود لاری 9 مولانا سراج الدین رکوعی 10 شیخ امان پانی پتی ۔ 11 شیخ عبد السلام شاہ اعلیٰ 12 شیخ نصیر 13 شاہ زماں 14 حاجی ولی محمد 15 پیرجی احمد حسن 16 شاہ مبارز خاں 17 شیخ کبیر بالا پیر 18 مولوی غوث علی 19 مولوی گل حسن 20 پیر کینبا خلیفہ مخدوم صاحب 21 سید سلطان احمد کچی آل والے ۔ 22 قاضی القضات قاضی احمد اللہ 23 مولوی رحمت اللہ مہاجر مکی 24 بیہقی ہند قاضی ثناء اللہ محدث 25 سید داؤد انگ 26 سید قمبر علی شہید 27 مولوی احمد حسن صاحب 28 قاری لالہ صاحب 29 قاری عبد الرحمن محدث 30 نواب شکر اللہ خاں شیر افگن گوند 31 خواجہ عبد الرزاق بخشی عالمگیر 32 خواجہ معین الدین دلیر دل گورنر کابل 33 نواب لطف اللہ خاں صادق وزیر بہادر شاہ 34 نواب امین اللہ خاں راسخ وزیر بہادر شاہ 35 نواب ذکریا خاں گورنر لاہور 36 نواب محمد علی خاں شیر دل مصنف "تاریخ مظفری"

حاتمِ ثانی مقرب خاں۔ وزیر بادشاہ[1]   سایۂ دولت میں جس کے لوگ پاتے تھے پناہ
شیخ بینا[2] شیخ زینا[3] اور حکیم اللہ دیا[4]   چاک دامن جن شفا دستوں نے صحت کا سیا
یادگاریں ان کی تجھ میں آج بھی موجود ہیں   جانشینوں کے لئے ان کے مگر مسند نہیں
مقبرہ[5] لودھی کا۔ کابل مسجد[6] اور وہ کالا آم[7]   ذرہ ذرہ ہے ترا مشہور تاریخی مقام
شمع آزادی میں جلتا تھا حسینی[8] کا لہو   ایسے بطلِ حریت کو کیا بھلا سکتا ہے تو
ابتدائے جنگ آزادی ہوئی نقارا[ع] اقبال[9] سے   غلغلہ اٹھا وطن میں تیرے ہی اس لال سے
حضرت ملا مسیح[10] ۔ مجروح[11] ۔ حالی[12] و سلیم[13]   شاعری کا طور تھا تو اور یہ تھے تیرے کلیم
مجلسیں قائم تھیں شعر و شاعری کی کو بکو   تیرے علم و فن کا شہرہ تھا جہاں میں چار سو
اب کہاں باقی ہے وہ ماحول وہ شعر و سخن   خواب ہو کر رہ گئیں ساری روایات کہن
گو دئے پائے تھے تیری کس قدر اہلِ کمال   تجھ کو بخشا تھا انھیں لوگوں نے اوجِ لازوال
اب نہ پیدا ہوں گے یہ بطلِ جلیل اس خاک سے   نام روشن تیرا ہم رکھیں گے ارضِ پاک سے

٭ ——— ٭ ——— ٭

غیر بھی آتے تو سینے سے لگاتا تو انھیں   بے تعلق کیوں ہے ہم سے دوست رکھتا تھا جنھیں
حسن کی گرمیٔ محفل اس کے دیوانوں سے ہے   رونق شمع شبستاں یعنی پروانوں سے ہے
آج ناجنسوں سے اپنی آشنائی یاد کر   پھر اگر فرصت ہو ہم سے بیوفائی یاد کر

---

۱ نواب مقرب خاں وزیر جہانگیر ۲ شیخ بینا حکیم ۳ شیخ زینا حکیم اکبر بادشاہ ۴ حکیم اللہ دیا طبیب شاہجہاں ۵ مقبرہ سلطان ابراہیم لودی ۶ مسجد کابل باغ تعمیر کردہ بابر بادشاہ ۷ کالا آم یادگار فتح احمد شاہ ابدالی ۸ مولانا حسینی مجاہد ۵۷ ۱۸ء ۹ صوفی اقبال احمد لیڈر تحریک خلافت ۱۰ ملا مسیح مترجم مہابھارت بہ نظم فارسی ۱۱ میر مہدی حسن مجروح ۱۲ شمس العلماء خواجہ الطاف حسین حالی۔ ۱۳ مولوی وحید الدین سلیم۔ ع مولانا نقار اللہ صاحب عثمانی مدظلہ العالی۔

Marfat.com

صبر کر اس سے بھی بدتر وقت آئیگا کبھی
اپنی تہذیب و تمدن پر نہ کر ماتم ابھی
مٹ نہیں سکتا کبھی سینے سے تیرے غم کا داغ
ڈھونڈتا پھرتا ہے بن تو لیکے ہاتھوں میں چراغ

دل مچلتا ہے کہ آؤں دیکھنے کو ایک بار
وہ چمن جس میں گزارے تھے کبھی لیل و نہار
تیرے کوچوں میں پھروں باغوں میں گھوموں روز و شب
سر کے بل رضوں پہ حاضر ہو سکوں حسب طلب
تیری اُلفت سے مرا دل آج بھی معمور ہے
طور ہے سینہ مرا اور نور چراغ طور ہے
تیری اُلفت میری غیرت بر سر پیکار ہے
دید کی طالب ہے وہ۔ یہ نام سے بیزار ہے

ہاں مگر آثار ماضی کا تعلق آج بھی
ہم میں باقی ہے جو تو رکھے گا اسکی لاج بھی
یہ بزرگوں کے مقابر اک امانت ہیں مری
یاد رکھنا امتحاں گاہ دیانت ہے تری
رابطہ قائم رہے گا ہم میں گو ہو مختصر
یادگاریں سب ہیں محفوظ تیرے پاس گر
بس فصیح اللہ کا یہ آخری پیغام ہے
دے سکے تو اس کی اُلفت کا یہی انعام ہے

خواجہ سہیل احمد انصاری۔ پانی پتی سرگودھا

ختم شد

کتبہ داظہر ۶ر اپریل ۱۹۶۳ء

Marfat.com

پانی پت — انقلاب ۱۹۴۷ء اور مولانا القاء اللہ عثمانی

"پانی پت اور بزرگان پانی پت" کا یہ تذکرہ جب ختم ہونے لگا تو ضروری معلوم ہوا کہ پانی پت کے موجودہ حالات کا بھی ایک خاکہ پیش کر دیا جائے کیونکہ یہ بھی تاریخ پانی پت کا ایک مستقل باب ہے۔ موجودہ پانی پت اُن واقعات کا نتیجہ ہے جو انقلاب ۱۹۴۷ء کے وقت پیش آئے تھے۔ ان واقعات کے مطالعہ سے موجودہ پانی پت کا نقشہ سامنے آجاتا ہے ۱۹۴۷ء کے واقعات کے متعلق حضرت مولانا القاء اللہ صاحب عثمانی سے زیادہ معتبر اور بہتر راوی کون ہو سکتا ہے۔ جنھوں نے فہم و بصیرت کی کھلی ہوئی آنکھوں سے اُن خونیں ہنگاموں کا مشاہدہ کیا تھا۔ چنانچہ مولانا سے درخواست کی گئی کہ وہ خود اس ہنگامہ کی تفصیلات مرتب فرمائیں۔

مولانا ضعف بصارت کے عارضہ کے باعث خود تو قلمبند نہیں کر سکے البتہ اس پر راضی ہو گئے کہ مولانا واقعات بیان کریں۔ اور حاجی حسام الدین صاحب انچارج شعبہ ریلیف جمعیۃ علماء ہند ان کو قلمبند کرلیں۔ چند صفحات کے بعد مولانا کا یہی بیان آپ کے سامنے آئیگا۔ ملاحظہ فرمائیے :-

مولانا القاء اللہ صاحب کا تعارف

صحافت حاضرہ کا فیشن یہ ہے کہ جس کا بیان شائع کیا جائے ساتھ ساتھ اس کا فوٹو بھی شائع ہونا چاہیئے۔ اسلام نے جب اصنام پرستی کی بنیادوں کو اُکھاڑا تو تصویر اور فوٹو کی بھی سخت ممانعت کر دی۔ لہذا فوٹو کے مبہم اور مشتبہ تعارف کے بجائے حضرت مولانا کی اوصافی تصویر موقع کے مناسب معلوم

Marfat.com

ہوتی ہے جو پیش کی جا رہی ہے۔

زندہ دل مولانا لقاء اللہ صاحب جو عمر عزیز کی تقریباً ۷۵ منزلیں طے کرنے کے بعد بھی جوان ہمت ہیں۔ جب آزادی ہند کی تحریک کی بسم اللہ ہو رہی تھی۔ آپ اس وقت سے جنگ آزادی کے مرد مجاہد ہیں۔

تحریک آزادی کی تمہید تحریک خلافت تھی۔ اور تحریک خلافت کا پہلا مرد میدان جس نے ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء کے وحشیانہ جیل خانہ کو سب سے پہلے آگے بڑھ کر آباد کیا۔ یہی خوش وضع حسین وجمیل لقاء اللہ عثمانی تھا جس کے دور شباب پر ہزاروں حسن قربان ہوتے تھے۔ ۱۹۲۰ء سے ۱۹۴۷ء تک ۲۷ سالہ دور، اور آج ۱۹۶۳ء تک ۵۳ سالہ دور اس طرح گذرا کہ اس مرد مجاہد کا ہر ایک لمحہ ملک وملت اور خدمت خلق کے لئے وقف تھا۔ اور وقف ہے۔

۱۹۴۷ء کے ہولناک اور خونین ہنگاموں پر مولانا کو قابو نہیں تھا۔ نہ اُن پر قابو تھا۔ جوان ہنگاموں میں گھرے ہوئے تھے۔ البتہ اپنی ذات پر مولانا کو پورا قابو تھا۔ چنانچہ سب نے کوچ کیا یا سب کوچ پر مجبور ہو گئے۔ مگر مولانا تمام مجبوریوں کے باوجود اپنی جگہ استقلال واستقامت کے ناقابل تسخیر کوہ ہمالیہ بنے رہے۔

پانی پت کے اس آتش فشاں میں تن تنہا مولانا کا قیام ایک ایسا ہیبت انگیز اور خطرناک اقدام تھا کہ اس نے حکومت کے دماغ کو بھی متاثر کیا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے مولانا کی حفاظت کے انتظامات کئے گئے۔ مگر مولانا کی ذات ان تمام تحفظات سے مستغنی تھی۔

چند سبق آموز اور قابل تقلید شخصیتیں

۱۹۴۷ء کی بہت سی برائیوں

Marfat.com

میں کچھ اچھائیاں بھی پائی گئیں۔ انھیں میں ایک خوبی جو نمودار ہو کر سامنے آئی یہ تھی کہ اس گئے گزرے دور میں بھی اعتماد علی اللہ اور خدا پر بھروسہ کرنے کے نتیجہ کا مشاہدہ ہوا۔ اور چند ایسی شخصیتیں سامنے آئیں جنھوں نے کم از کم ہمت و جرأت اور اعتماد علی اللہ کے سلسلہ میں سلف صالحین کا نمونہ پیش کر دیا۔

مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سب لوگ واقف ہیں۔ ایسے ہی خان عبدالغفار خاں صاحب کی شخصیت بھی مشہور شخصیت ہے جو تن تنہا انبالہ شہر میں اقامت گزیں اور ضلع کانگریس کمیٹی کے صدر کی حیثیت سے مصروف عمل رہی۔ لیکن حضرت مولانا محمد شفیع صاحب صدر مدرس مدرسہ عبدالرب دہلی۔ اور حضرت مولانا ضیاء الحق صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ کشمیری گیٹ دہلی سے کوئی واقف نہیں۔ یہ اپنے اپنے مدرسوں میں تن تنہا شب و روز اس وقت اور ان حالات میں مقیم رہے جب اس علاقہ میں کسی مسلمان کے وجود کا تصور بھی لرزہ خیز تھا۔ پھر یہ کچھ اس طرح گمنامی کے ساتھ قیام پذیر رہے کہ کسی کو ان کی حفاظت کے کسی انتظام کا خیال بھی نہیں آیا۔ مگر ان کی نظریں اپنے رب اور مولیٰ پر تھیں اور وہی ان کا محافظ رہا۔ خطرات کے طوفان برپا ہوئے۔ ان علاقوں کی زمینیں مسلمانوں کے خون سے لالہ زار بن گئیں۔ مگر ان کی طرف کسی نے نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا۔

حُبِّ وطن کی اس سے بہتر مثال کیا ہو سکتی ہے جو ان حضرات کے کردار نے پیش کی۔ دوست، احباب، عزیز و اقارب، بیوی بچے، بہن بھائی۔ سب چھوٹے مگر جو نہیں چھوٹا وہ وطن عزیز تھا۔ کیا اس سے بہتر اور اس سے زیادہ واضح حب وطن کی کوئی مثال پیش کی جا سکتی ہے۔

غم کس بات کا تھا

مجھے یاد ہے کہ ۱۹۴۷ء کے ہنگاموں کے بعد پہلا رمضان آنے والا تھا۔ غالباً شعبان کی ۲۸ یا ۲۹ ر کو حضرت مولانا لقاء اللہ صاحب دہلی تشریف لائے۔ مولانا بہت افسردہ تھے۔ آنکھیں پُرنم تھیں۔ اور صدمہ اس بات کا تھا کہ وہ پانی پت جہاں رمضان شریف میں کم وبیش ایک ہزار قرآن شریف ہوا کرتے تھے۔ اس مرتبہ وہاں صرف ایک ہے۔ جو قرآن شریف پڑھنا چاہتا ہے۔ مگر جماعت اور مسجد اس کو بھی میسر نہیں، مولانا نے اسی مجلس میں یہ بھی ہدایت فرمائی۔ کہ اگر خدانخواستہ "وقت موعود" آجائے تو دہلی لاکر تجہیز وتکفین کرنا۔

قناعت

قناعت کا گُر یہ ہے کہ انسان اپنے خرچ کو اپنی آمدنی میں محدود رکھے اور آمدنی نہ ہو تو اس کی خودداری ہر مصیبت جھیلنے کے لئے آمادہ ہو۔ مگر سوال کی ذلت برداشت کرنے کے لئے کسی وقت تیار نہ ہو۔

حضرت مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی اس گُر سے واقف ہیں۔ چنانچہ تمام عمر ملی اور ملکی خدمات میں صرف کی۔ مگر کسی وقت کوئی الاؤنس یا کسی خدمت کا کوئی معاوضہ لینا منظور نہ کیا۔ جائداد کی معمولی آمدنی ذریعہ معاش تھی۔ جس کو قناعت کے مذکورہ بالا گُر نے بابرکت بنا دیا تھا۔

۱۹۴۷ء کے اس ہنگامی دور میں جب کہ آمدنی کے تمام ذرائع مسدود تھے۔ مولانا کو اپنی ضروریات کے لئے بہت کچھ پریشان رہنا پڑا۔ آخر میں سے طے کیا گیا کہ مبلغ پچاس روپیہ ماہانہ چند ماہ تک بطور قرض دیئے جائیں شاید دو ماہ ہی اس طرح قرض کی نوبت آئی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اسباب پیدا کر دیئے۔ اور اب مولانا نے قرض لینے کے بجائے اس کی ادائیگی کا انتظام شروع کر دیا۔

مولانا کا اثر غیر مسلموں پر

ہمدردی وغمخواری۔ خدمت خلق۔ خودداری

Marfat.com

قناعت اور خدا پر بھروسہ، وہ جوہری صفات ہیں جو نہ صرف دوستوں بلکہ دشمنوں اور مخالفین کو بھی متاثر کرتے ہیں۔ چنانچہ مولانا بقاء اللہ جو غیروں کی نظر میں چند روز قبل قابل نفرت تھے کچھ دن گذرنے نہیں پائے تھے کہ یہی مولانا بقاء اللہ اُن کی آنکھ کا تارا بن گئے جن کے دلوں میں نفرت کے تنور دھک رہے تھے۔

پانی پت میں کہنے کو مولانا تنہا تھے۔ مگر حالت یہ تھی کہ وہی نفرت کرنے والے معتقد بن کر آتے اور رات دن مولانا کو گھیرے رکھتے تھے۔ ابھی آفتاب پوری طرح طلوع نہیں ہوتا تھا کہ رفیوجی بھائیوں کی عورتیں اور بچے دعائیں پڑھواتے اور تعویذ لینے کے لئے حاضر ہوجاتے تھے۔

ایک واقعہ خود مولانا کی زبانی سنئے اور اس مقبولیت کا اندازہ کیجئے۔ جو مولانا کو چند ماہ کے اندر ان اجنبی، غیر ملکی شرنارتھیوں میں حاصل ہوگئی تھی۔

مولانا نے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے:۔

جب میں خرچ سے تنگ تھا۔ اور جمعیۃ علماء یا مجلس سنی اوقاف میں ملازمت کا کچھ خیال پیدا ہوا تھا۔ شاید کبھی زبان پر بھی آگیا ہو۔ بہرحال کچھ لوگوں کو اس کا علم ہوگیا۔

ایک روز صبح کو جناب حکیم سنت لال صاحب خانوال والے چند ہندو رفیوجیوں کے ساتھ میرے پاس آئے۔ اور دریافت کیا کہ کیا آپ پانی پت چھوڑ رہے ہیں۔ میں نے جواب اثبات میں دیا۔ تو یہ بے قابو ہوکر رونے لگے اور ان کی ہچکیاں بندھ گئیں۔ پھر ہاتھ جوڑ کر کہا کہ ہم غریب آدمی زیادہ خدمت نہیں کرسکتے۔ البتہ اتنا کرسکتے ہیں کہ پچاس روپے ماہانہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے رہیں۔ پھر کہنے لگے کہ آپ نے جانے کا ارادہ

Marfat.com

کیا تو آپ کا تانگہ ہم مردوں، عورتوں، جوان، بوڑھوں اور
بچوں کی چھاتیوں پر سے گذر کر اسٹیشن پہونچ سکتا ہے۔

مولانا نے تحریر فرمایا ہے کہ ان صاحبان کی اس دردمندانہ فرمائش کا اثر
میرے اوپر یہ ہوا کہ میں خود بھی رونے لگا۔ ان سب کو سینے سے لگایا اور اطمینان
دلایا۔ کہ میں نہیں جاؤں گا۔ میں یہاں اس لئے ٹھیرا ہوا ہوں کہ یہیں میری موت
آئے اور اسی خاک پاک میں میری قبر بنے۔

یہ ہیں ـــــ مولانا لقاء اللہ عثمانی رح کا بیان آپ کے سامنے پیش
کیا جا رہا ہے جس سے اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر آج تک کے حالات
کا علم ہو جائے گا۔

حضرت مولانا لقاء اللہ صاحب کا بیان

فساد کی ابتداء

آخر اگست ۱۹۴۷ء سے پاکستانی شرنارتھیوں کی آمد
شروع ہو گئی تھی۔ جو روز بروز بڑھتی رہی۔ ستمبر شروع
ہوا تو پانی پت کی فضا خراب ہونے لگی۔ گاندھی جی کی یہ خواہش ضرور تھی، اور
دلی جذبہ کے ساتھ تھی کہ پانی پت میں امن رہے۔ مگر حالات دن بدن بگڑ
رہے تھے۔ اوائل اکتوبر میں پانی پت کی فضا کو درست اور حالات کو قابو
میں رکھنے کے لئے مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا ابوالکلام صاحب آزاد
اور پنڈت نہرو کو توجہ دلائی گئی۔ وہاں سے جب کوئی جواب نہ آیا۔ تو تردد بڑھ
گیا۔ اور اپنے چھوٹے بھائی حاجی وقاراللہ کو نہایت خطرناک حالات میں دلی
بھیجا۔ انھوں نے میرا خط اور یہاں کے حالات مولانا آزاد کے سامنے پیش
کئے۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا محمد میاں صاحب[1]

۱؎ غالباً سید محمد صاحب جعفری کی جگہ یہاں میرا نام لکھا گیا ہے۔ یہی غلطی اور جگہ بھی ہوئی ہے (محمد میاں)

Marfat.com

اور حافظ محمد نسیم صاحب پٹن والے اور دیگر اراکین جمعیۃ علماء ہند اس گفتگو میں شریک تھے۔ ۲۹ر اکتوبر تک جب کوئی صاحب تشریف نہ لائے۔ اور شرناتھیوں کی کثرت کی وجہ سے خطرہ بڑھ گیا۔ شہر پانی پت سے باہر مسلمان قتل کئے جانے لگے۔ تو میں خود ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۷ء کو چودھری ناصر علی خاں صاحب کو ساتھ لیکر دہلی پہونچا۔ حالات انتہائی خطرناک تھے۔

مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ سے بات چیت ہوئی۔ دوسرے روز مولانا آزادؒ سے ملاقات ہوئی۔ غور و فکر ہو ہی رہا تھا۔ کہ ۳ر نومبر کو اطلاع ملی۔ کہ پانی پت میں عام قتل و غارت گری شروع ہو گئی ہے۔ اور محلہ انصاریان و راجپوتان مسلمانوں سے خالی کرالیا گیا۔ اور یہاں کے مسلمانوں کو محلہ مخدوم زادگان اور محلہ افغانان میں منتقل کر دیا گیا ہے۔ اور اس طرح کہ جو شخص جہاں تھا سب کچھ چھوڑ کر خالی ہاتھ وہاں سے نکال دیا گیا۔ کوئی سامان ساتھ نہ لے سکا۔ اس کی اطلاع فوراً مولانا ابوالکلام صاحب آزاد کو دی گئی۔

مجھ کو مولانا آزاد نے دوسرے روز بلایا۔ چنانچہ میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا سید محمد میاں صاحب، حاجی محمد نسیم صاحب، ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب، حافظ فیاض احمد صاحب اور دوسرے حضرات جو پانی پت سے وطن ہونے کا تعلق رکھتے تھے۔ انکی ایک بڑی جماعت مولانا آزادؒ کی خدمت میں پہونچی۔ مولانا موصوف کو حالات سنائے۔ بہت غم اور اندوہ کے ساتھ مولانا موصوف نے فرمایا۔ آہ "میرا پانی پت" لٹ گیا۔

امن کی کوشش

۵ر نومبر کو مولانا آزادؒ نے پنڈت نہرو سے ملاقات کی۔ پنڈت جی دفتر تشریف لے جا رہے تھے انھوں نے فرمایا۔ کہ ایک دو آدمیوں کو میرے پاس دفتر میں بھیجدو۔ جو وہاں کے حالات

Marfat.com

تفصیل سے بتلادیں۔

چنانچہ ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور غالباً حافظ فیاض احمد صاحب دفتر پہونچے اور پنڈت جی کو تفصیلی حالات سنائے۔

۵ نومبر کو ہمارا وفد پھر مزید حالات سنانے کے لئے مولانا آزادؒ کے مکان پر پہونچا۔ اور مولانا آزاد نے گاندھی جی سے ملاقات کا وقت مقرر کرانا چاہا گاندھی جی نے فوراً ہی بلالیا۔ گاندھی جی نے بڑے تپاک سے استقبال کیا۔ اور محبت بھرے انداز میں فرمایا " بھائی لکا رالله (لقار الله) بہت مدت کے بعد ملاکات (ملاقات) ہوئی ہم کو بٹھایا۔ ہم نے پانی پت کے حالات سنانے شروع کئے۔ مولانا ابوالکلام آزادؒ کو پانی پت کے برباد ہوجانے کا بہت قلق تھا۔ کیونکہ وہ اس گئے گذرے دور میں بھی تجوید وقرأت اور تعلیم قرآن کا بہت بڑا مرکز تھا۔ مولانا کی زبان سے اس وقت بھی یہ جملہ بے ساختہ نکلا " ہائے میرا پانی پت "۔ گاندھی جی اس سے بھی متاثر تھے اور ان کو اس بنا پر بھی افسوس تھا کہ پانی پت صنعت اور دستکاری کا بھی ایک مرکز تھا۔

تمام حالات سنانے اور بات چیت کے بعد میں نے چلتے ہوئے مہاتما گاندھی کو ہندوستان کی آزادی اور مسلمانوں کی بربادی پر مبارک باد دی۔ اس پر مہاتما جی نے بہت جوش وجذبے میں تقریباً ڈبڈبائی آنکھوں سے جس کا اثر تمام حاضرین نے محسوس کیا۔ فرمایا کہ :- میں تو پٹیل سے کہتا ہوں کہ چل پنجاب کو دیکھ تیری بدولت کیا ہو رہا ہے "۔ تاہم ۱۱ر نومبر ۱۹۴۷ء کو پانی پت تشریف لانے کا وعدہ کیا۔

ریلیف سکریٹری کو پہلے تنبیہ کی کہ پانی پت کے حالات نہیں معلوم کئے مجھے کل تک اطمینان دلاتے رہے۔ کہ وہاں کچھ نہیں ہے۔ اب مولانا

Marfat.com

لقاءاللہ صاحب سے کچھ حالات معلوم ہوئے۔ پھر ہدایت کی کہ آپ خود مولانا لقاءاللہ صاحب کے ساتھ پانی پت جائیں اور وہاں کے حالات کی صحیح رپورٹ پیش کریں۔

یہ بھی سنا گیا تھا کہ ۶ر نومبر کی صبح کو مہاتما گاندھی پانی پت آنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ گاڑی بھی منگالی۔ مگر جب کیبنٹ کے اراکین کو معلوم ہوا۔ تو گاندھی جی کے پاس پہونچے۔ اور اس طرح دفعتہً بلا کسی انتظام کے جانے سے بمشکل باز رکھا۔

بہر حال سردار گوربچن سنگھ ریلیف سکریٹری اور کچھ اور ساتھیوں کے ساتھ میں ۶ر نومبر کا دن گذار کر رات کو ۱۱ بجے پانی پت پہونچا۔ کرفیو کی وجہ سے رات کو لالہ کھیم چند کے یہاں قیام کیا۔ صبح گھر پہونچا۔ یہ لوگ بھی ساتھ تھے۔ پورا محلہ ایک کیمپ بنا ہوا تھا۔ اور آہ وفغاں کی صدائیں ہر طرف سے سنائی دے رہی تھیں۔ ہمارے پہونچنے کے ساتھ ہی ایک امریکن ڈاکٹر (جو بہت شریف اور ہمدرد انسان تھا) زخمیوں کی مرہم پٹی اور علاج کے لئے پانی پت پہونچ گیا تھا۔ مسلم حالی ہائی اسکول میں شفاخانہ قائم کیا گیا۔ اور امریکن ڈاکٹر نے بہت ہمدردی سے زخمیوں کا علاج شروع کیا۔

یہاں آکر معلوم ہوا کہ ۵ر نومبر کو جب پانی پت میں یہ خبر پھیلی کہ یہاں مہاتما جی آنے والے ہیں۔ تو اس وقت کے بعد سے قتل کا حادثہ کوئی وقوع میں نہیں آیا۔

مسلمانوں کی پریشانی

۷ر نومبر کو پانی پت میں عام طور پر معلوم ہوا کہ کرفیو کی وجہ سے آٹے کی مشینیں بند ہیں۔ نہ کہیں غلہ اور آٹا مل رہا ہے اور نہ تیل دستیاب ہو رہا ہے۔ شہر میں کسی

Marfat.com

کے پاس بھی آٹا نہیں سچنے اور گیہوں اُبال کر لوگ کھا رہے ہیں۔ نمک۔ تیل۔ گڑ۔ کوئی چیز بھی نہیں ہے سب بند ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ شہر کے دوکانداروں نے فیصلہ کر لیا تھا۔ کہ اگر کسی مسلمان کے ہاتھ ایک پیسہ کی چیز بھی فروخت کی گئی۔ تو پانچ روپے جرمانہ کیا جائے گا۔

ڈپٹی کمشنر علاقہ مسٹر روشن لال اور راشن کنٹرول آفیسر نے فوراً چکی جلانے والا تیل کافی مقدار میں میرے حوالے کیا۔ اور چکی چلانے والوں پر سے کرفیو ہٹا دیا گیا۔ تاکہ رات کو چکیاں چل سکیں۔ غلہ کی دوکانیں قائم کی گئیں۔ اور بحمداللہ ۸ / نومبر کو مسلمانوں کو روٹی نصیب ہو سکی۔

عجیب بات یہ ہوئی کہ دال، نمک، گڑ وغیرہ ضرورت کی چیزیں جن سے مسلمان محروم ہو گئے تھے وہ رفیوجیوں نے فراہم کیں۔ اور قلندر صاحب کے چوک میں دوکانیں لگا کر بیٹھ گئے۔ مسلمان ان سے خوف زدہ تھے۔ وہ اپنی ضرورت کی چیزیں دیکھتے تھے مگر وہاں جاتے ہوئے اُن کو وحشت ہوتی تھی۔ انھوں نے مجھ سے شکایت کی۔ میں اسسٹنٹ ڈپٹی کمشنر اور تھانہ دار وغیرہ افسران کو لے کر وہاں پہونچا۔ ہم نے ان دوکاندار شرنارتھیوں سے گفتگو کی۔ ہمیں اندازہ ہوا کہ وہ غریب بھی اپنی ضروریات فراہم کرنے کے لئے یہاں بیٹھے ہیں۔ چنانچہ ہم نے مسلمانوں کو سمجھایا کہ گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ وہ بھی تمہاری طرح ضرورت مند ہیں۔ وہ تمہاری ضرورت کی چیزیں تمہارے ہاتھ بیچکر اپنی ضرورتوں کے لئے پیسے کمانا چاہتے ہیں۔ آپ اطمینان سے جائیں اور خرید و فروخت کریں۔ بہر حال نو دس دن کے بعد مسلمانوں کو اُن کی ضرورت کی چیزیں میسر آئیں۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ انھیں شرنارتھیوں کے ذریعہ جو ان کے خون کے پیاسے بن کر یہاں پہنچے تھے۔ کفن کے لئے کپڑا اور عام طور پر مٹی کا تیل اور نمک کی ضرورت پورا کرنے

Marfat.com

کے لئے شہر کے سب جج وغیرہ متعین کئے گئے۔ اور شہری انتظام ٹھیک طور پر چلنے لگا۔

گاندھی جی کی آمد ۱۱ر نومبر کو حسب وعدہ مہاتما گاندھی، حضرت مولانا آزادؒ، مولانا احمد سعید صاحبؒ، مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ، سید محمد صاحب جعفری۔ حافظ محمد نسیم صاحب بٹن والے۔ اور جمعیۃ علمار ہند کے دوسرے ذمہ دار حضرات پانی پت تشریف لائے۔ یہاں کے حالات کا جائزہ لیا۔ لالہ کھیم چند جو یہاں کی کانگریس کے بڑے لیڈر تھے۔ ان سے دریافت کیا۔ کہ آپ لوگوں کی مسلمانوں سے کیسی گذرتی تھی۔ ابھی وہ جواب دینے بھی نہیں پائے تھے کہ ایک وکیل صاحب بول پڑے۔ ہمیشہ لڑائی جھگڑے میں۔ تب لالہ کھیم چند نے فرمایا۔ کہ ہماری لڑائی دو بھائیوں کی لڑائی ہوتی تھی، صبح کو لڑے اور شام کو گلے مل لئے۔ اور ہمارے تعلقات آپس میں بہت اچھے تھے۔ مسلمانوں میں سے ایک صاحب نے حکام کی مدح سرائی شروع کر دی جو خلاف واقعہ تھی۔ لوگوں کو اچھا معلوم نہیں ہوا۔ تاہم مہاتما جی پورے حالات سے باخبر ہو کر واپس تشریف لے گئے۔ اور مسلمانوں کا انخلا رکنوائے کے ذریعہ جو پاکستان سے آئے تھے، شروع ہوگیا۔

تعجب ایک بات بہت تعجب کی ہے کہ مسلم لیگ والے میرے سخت مخالف تھے حتیٰ کہ قتل کرنے کے لئے تیار تھے۔ لیکن پاکستانی حکومت اور اس کے افسران کو جب یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے پاس آٹا اور دیگر ضروریات کی چیزیں نہیں ہیں۔ تو انھوں نے تقریباً ۷ بوری آٹا اور مریضوں کے لئے ڈاکٹری ادویات میرے ہی نام بھیجیں۔ اور خاص طور

Marfat.com

پر وہاں کے ریلیف کمیٹی کے افسر نے مجھکو خط لکھا کہ یہ تمام چیزیں آپ اپنے طور سے مسلمانوں میں تقسیم کرائیں۔

مسلمانوں کے انخلا کا فیصلہ

رفتہ رفتہ کنوائیوں کے ذریعہ انخلا ہو رہا تھا۔ پاکستانی دوست اگرچہ مجھ سے خفا بھی تھے اور غالباً یہ بھی صحیح ہے کہ وہ مجھ سے نفرت کرتے تھے۔ مگر ساتھ ہی مجھ پر اعتماد بھی اتنا تھا کہ انخلا، کی صورتوں کے متعلق پاکستانی فوجی افسران مجھ سے ہی مشورہ کرتے تھے۔ حالانکہ میرے مکان کے نیچے کھڑے ہوئے مسلمان ببانگ دہل کہا کرتے تھے کہ یہ شخص باغی ہے، غدار ہے، کافر ہے۔ ہمارا نمائندہ نہیں ہے۔ کانگریسی ہندؤں کے ہاتھ بکا ہوا ہے، پاکستان کا دشمن ہے۔ یہ افسر یہ تمام آوازیں سنتے تھے مگر ان کو اطمینان میری ہی بات سے ہونا تھا۔ اور جب تک بات پوری نہیں ہوتی تھی یہ واپس نہیں ہوتے تھے۔

ایک روز ڈپٹی ہائی کمشنر پاکستان تشریف لائے ان کے ساتھ ڈپٹی کمشنر علاقہ اور کچھ فوجی افسران تھے حضرت شاہ قلندر صاحب کے نقار خانے پر انہوں نے مسلمانوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ آپ لوگ یہاں رہنا چاہتے ہیں۔ یا پاکستان جانا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی کہا کہ پاکستان جا کر کوئی جنت نہ ملے گی۔ وہاں حلوا پوری تیار نہیں رکھی ہے اس پر زیادہ بار نہ ڈالو۔ اور خود پریشان ہو کر پاکستان کو پریشانی میں مبتلا نہ کرو۔ مگر اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس کے برخلاف مسلمانوں سے ایک درخواست حاصل کی گئی۔ کہ ہم سب پاکستان جانا چاہتے ہیں۔ صرف میں نے پاکستان جانے سے انکار کیا۔

ڈپٹی ہائی کمشنر نے تنہائی میں مجھ سے بہت سی باتیں کیں لیکن اس وقت میں نے یہ فیصلہ نہیں کیا تھا۔ کہ میں پانی پت ہی میں قیام کروں گا۔ یا کسی دوسری جگہ رہوں گا۔

دیہاتی مسلمان اور اُن کا انخلاء

اس اطلاع پر کہ پانی پت کے مسلمان پاکستان جارہے ہیں دیہات کے مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوا (دیہات کے اکثر مسلمانوں نے ڈر اور خوف کی وجہ سے جو پاکستان سے آنے والے شرنارتھیوں نے پھیلادیا تھا۔ اپنے آپ کو ہندو ظاہر کیا) فسادات کے زمانہ میں پنجاب میں بہت خطرناک سیلاب آیا تھا۔ اب یہ سیلاب کم ہوگیا تھا۔ تو ایک روز تقریباً ۷۰، ستر دیہات کے یہ خوف زدہ مسلمان اپنے تعلق کے ہندو جاٹوں کے ہمراہ پانی پت آئے۔ اور انھوں نے مجھ سے آکر کہا کہ ہمارا کیا حشر ہوگا۔ کیا ہم مرتد ہوکر یہاں رہیں گے یا ہم بھی پاکستان جاسکتے ہیں۔ دوسرے روز بھی اسی قدر دیہات کے مرتد مسلمان آئے۔ مگر تیسرے روز بہت زیادہ تعداد میں لوگ آئے۔ اس وقت کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی کہ ان کا کیا حل ہو۔ چونکہ میں خود بھی متردد تھا کہ میں دہلی رہوں جیسا کہ مہاتما جی اور جمعیتہ علماء ہند کے اکابرین کی خواہش تھی یا کیرالہ یا حیدرآباد قیام کروں جہاں سے دوست واحباب کا سخت تقاضا تھا۔ پانی پت رہنے کا خیال اس وقت تک پختہ نہیں تھا۔

سکون

تیسرے روز رات کو میں کچھ سورہا تھا کچھ جاگ رہا تھا۔ بہر حال غنودگی طاری تھی۔ کہ ایک مشتین وحسین چہرہ دکھائی دیا۔ اور اس نے تنبیہ کی کہ "مسلمانوں کی خدمت کا وقت اب ہے" مارکاٹ اور شرنارتھیوں کی بربریت ومظالم کی وجہ سے میرا ابھی دل مطمئن نہیں تھا لیکن ان الفاظ کے بعد میرے دل میں سکون پیدا ہوگیا۔ اور وحشت وپریشانی وغیرہ سب کافور ہوگئی۔ اور یہ عزم پختہ ہوگیا کہ مجھ کو یہاں پانی پت ہی میں رہنا ہے۔

صبح کو نماز کے بعد میں نے اپنے ایک عزیز دوست سے ذکر کیا۔ کہ اب میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ بلکہ پانی پت ہی رہوں گا۔ میرا بھائی (وقار اللہ)

Marfat.com

جو دہلی سے بعض بے یار و مددگار عورتوں کو لیکر ہوائی جہاز سے پاکستان چلا گیا تھا۔ اگر وہ موجود ہوتا تو اپنے اس عزم کی اطلاع اسکو دیتا۔ اس دوست کو نہ دیتا کیونکہ وقار اللہ صرف میرا بھائی نہ تھا۔ بلکہ وہ میرا دوست بھی تھا

اب میرے دماغ میں دو خیال گھوم رہے تھے (۱) مغویہ عورتوں کی واپسی اور (۲) مرتد مسلمانوں کی واپسی یا ان کا پاکستان بھیجنا۔ اس سلسلہ میں کوئی رائے پختہ نہیں ہوئی تھی کہ پانی پت کے مسلمانوں کے انخلاء کا متفقہ آخری فیصلہ ڈپٹی ہائی کمشنر پاکستان کے سامنے ہو گیا تو میں پھر دوبارہ پنڈت مادھورام اور دیگر کانگریسی دوستوں کو ساتھ لے کر دہلی گیا۔ رات کو مولانا حفظ الرحمٰن صاحبؒ اور مولانا احمد سعید صاحبؒ سے ملاقاتیں کیں۔ اور اُن کو مسلمانوں کا فیصلہ سنایا۔ یہ آخری نومبر یا دسمبر کی پہلی دوسری تاریخ کا واقعہ ہے۔

صبح کو مولانا حفظ الرحمٰن، مولانا احمد سعید صاحب ڈاکٹر ذاکر حسین۔ مولانا محمد میاں صاحب۔ حافظ محمد نسیم صاحب وغیرہ کے ساتھ مہاتما گاندھی کے یہاں پہونچے۔ مہاتما جی نے فرمایا کہ بھائی لقار اللہ اب کیوں آئے ہو؟ میں نے جواب دیا۔ کہ پانی پت کے مسلمان رہنا نہیں چاہتے اور پاکستان جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ میری خواہش اور درخواست ہے کہ آپ ان کو رخصت کر دیں۔ انھوں نے ۴ دسمبر کی تاریخ مقرر کی۔ اس کے بعد میں نے پلّا پسار کر درخواست کی کہ میں آپ سے ایک بھیک مانگتا ہوں۔ انھوں نے کہا۔ کہ فرمایئے۔ تو میں نے مسلمان مغویہ عورتوں کی بازیابی اور دیہاتی مسلمانوں کے انخلاء کے بندوبست کرنے کی درخواست کی۔ مہاتما جی نے کہا۔ کہ مغویہ عورتوں کی واپسی تو بہت ہی ضروری ہے وہ آپ لے سکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا اپنے گھروں کو چھوڑ کر جانے کا نہ میں پہلے حامی اور موید تھا اور

Marfat.com

نہ اب ہوں۔ اسی طرح ہندؤں کا پاکستان سے آنے کا نہ میں پہلے حامی تھا نہ اب ہوں۔ یہ سلسلہ دونوں ملکوں کے لئے تباہ کن ہے۔

کانگریسی دوستوں کی غلط بیانی

پنڈت مادھورام کے ساتھ مہاتما گاندھی کے یہاں میرے دوست اور عزیز دیش بندھو گپتا بھی موجود تھے۔ مہاتما جی نے دیش بندھو گپتا سے پوچھا۔ کہ تم مسلمانوں کو نہیں رکھ سکتے۔ اس نے جواب دیا۔ کہ ہم نے بہت کوشش کی، لیکن مسلمان نہیں مانے اور نہیں رک سکے۔ میں نے فوراً جواب میں کہا کہ دیش بندھو تم غلط کہتے ہو تم دہلی میں ہو۔ لالہ کھیم چند، لالہ روشن لال، سردار گوربچن سنگھ وغیرہ ۸ رنومبر کو میرے مکان پر موجود تھے۔ میں نے ان لوگوں سے خود کہا کہ آپ لوگ اگر مسلمانوں کو روکنا چاہتے ہیں تو ایک عام جلسہ بلائیے اور اس میں کھلے دل سے پچھلے کردار کی معذرت کیجئے۔ اور آئندہ کے لئے ان کو اطمینان دلائیے مسلمان یقیناً رک جائینگے مگر ایسا اجتماع آج تک نہیں ہوا۔ اس پر مہاتما جی کو بہت غصہ آیا۔ اور انھوں نے دیش بندھو گپتا کے متعلق بہت سخت الفاظ استعمال کئے۔

۴ر دسمبر کو مہاتما گاندھی کی تشریف آوری

مہاتما جی نے ۴ر دسمبر پانی پت کے لئے مقرر کی تھی۔ وہ پانی پت تشریف لائے۔ دوسرے روز حالات سنے۔ میں نے بالکل کھل کر واضح طور پر حکام اور مقامی لوگوں کے متعلق (جس میں کانگریسی دوست بھی شامل تھے) وہ سب کچھ صاف صاف کہدیا جو میں کہہ سکتا تھا۔ یہ سب لوگ اس وقت موجود تھے۔ ان کے علاوہ وزیر اعلیٰ پنجاب شری بھارگو اور دوسرے وزرا، پنجاب بھی موجود تھے۔

ہتھیار مقامی حکام نے کچھ ہتھیاروں کی بھی نمائش کی۔ اور الزام یہ لگایا کہ یہ ہتھیار مسلمانوں کے یہاں سے برآمد کئے گئے ہیں۔

حالانکہ یہ ہتھیار خود شرنارتھی حضرات اور پولیس والوں نے کرفیو کے زمانے میں کہیں باہر سے جمع کئے تھے۔ البتہ معمولی چاقو اور ترکاری کاٹنے والی چھریاں ضرور مسلمانوں کے یہاں سے برآمد ہوئی تھیں۔ جن کو آلات حرب سے تعبیر کیا گیا۔ اس نمائش پر تبصرہ کرتے ہوئے میں نے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو میں ان سے زیادہ سخت ترین ہتھیار ہندؤں کے یہاں سے برآمد کرا سکتا ہوں یہ ہتھیار اس طرح برآمد کئے گئے ہیں کہ کرفیو لگا ہوا تھا، حکام کے پاس ہتھیار موجود تھے۔ اور مشہور کر دیا گیا کہ یہ مسلمانوں کے مکانات سے نکلے ہیں۔ یہ میرا بیان تقریباً ایک گھنٹہ جاری رہا جس کو عزیزہ اندرا گاندھی (دختر پنڈت جواہر لال نہرو) نے پورے طور پر نوٹ کیا۔

اسپیشل ٹرینوں کا انتظام ۵ ردسمبر کو پہلی اسپیشل روانہ ہوئی اس میں مسافر بھُس کی طرح بھرے گئے تھے۔ اور ستم یہ کہ وہ لیگی کارکن جن کو ٹکٹ دیئے گئے تھے۔ کہ جانے والوں کو تقسیم کر دیں، انھوں نے فی ٹکٹ ایک روپیہ نذرانہ وصول کیا تھا۔

۷ ردسمبر کو ڈپٹی کمشنر صاحب کرنال تشریف لائے اور انھوں نے فرمایا کہ مجھے ہدایت کی گئی ہے کہ میں آپ کو یہ اطلاع کر دوں کہ پرسوں والی اسپیشل ٹرین بخیریت لاہور پہونچ گئی۔ میں نے مسکراتے ہوئے عرض کیا۔ کہ وہ پانچ مسلمان جو مرے ہیں ان کے انتقال کی رپورٹ کہاں ہے۔ اس پر وہ بہت سراسیمہ اور پریشان ہوئے اور کہا کہ ٹھیک ہے۔ پھر دریافت کیا کہ مسلمانوں کی روانگی میں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔ میں نے توجہ دلائی۔ کہ مسلمانوں کو گاڑی میں بھُس کی طرح بھرا جا رہا ہے یہ کوئی انسانیت نہیں ہے

Marfat.com

تو انھوں نے بہتر انتظام کا وعدہ کیا اور مجھ سے کہا کہ چل کر دیکھ لو کہ گاڑی میں مسافروں کو آرام سے جگہ دی گئی ہے۔ چنانچہ میں اسٹیشن گیا۔ اسٹیشن سے دور فاصلہ پر اسپیشل کھڑی کی جاتی تھی۔ میں نے ڈپٹی کمشنر صاحب کو دکھلایا کہ مسافر زیادہ ہیں۔ چنانچہ فوراً دوسری خالی گاڑی اسٹیشن ماسٹر سے طلب کر کے لگوائی گئی۔ اور ایک گاڑی کے بجائے دو گاڑیوں میں وہ مسلمان سوار ہو کر جاسکے۔ اور اسی طریقے سے گاڑیاں روانہ ہوتی رہیں۔ ۹ ر دسمبر کو آخری اسپیشل روانہ ہوئی۔ اسپیشل گاڑیاں علاقہ مجسٹریٹ اور میرے دستخط سے لگائی۔ اور روانہ کی جاتی تھیں۔

اب پانی پت میں میرے گھر کے سوا کوئی مسلمان نہیں تھا۔ دس بارہ مسلمان اور تھے جو میرے ہی مکان پر مقیم تھے۔ اور بعد میں یا تو پاکستان چلے گئے یا دہلی وغیرہ میں جا کر مختلف جگہ آباد ہو گئے۔

پانی پت کے مسلمانوں کے انخلا میں پاکستانی افسران کپتان محمد اصغر، جنرل فخرالدین صاحب نے بہت خوش اسلوبی اور بہت ہمدردی کے ساتھ امداد فرمائی۔ میں اپنی کمزوری کی وجہ سے باہر دیہات میں نہیں جاسکتا تھا۔ تو میرے بھائی وقار اللہ نے مغویہ عورتوں کے برآمد کرنے اور دیہاتی مسلمانوں کو پاکستان روانہ کرنے کا کام بہت مستعدی سے کیا۔ ایک مقامی سکھ دوست نے بھی بڑی تن دہی، جانفشانی اور پوری ہمدردی سے اس کام کے انجام دینے میں عزیزم وقار اللہ کی مدد کی۔

پانی پت اور دیہات میں فساد کا ذمہ دار کون تھا؟

پانی پت اور اس کے دیہات میں جو کچھ ہوا مجھے یقین ہے کہ وہ کانگریسی لوگوں کے مشورے اور ایما سے ہوا۔ ڈاکٹر کپور جو پانی پت ضلع کے کانگریس کے سکریٹری تھے۔ انھوں نے تمام دیہات اور

Marfat.com

قرب وجوار میں دورہ کیا اور تمام جالوٹں اور ہندوؤں کو مسلمانوں کے خلاف ورغلایا۔ جب مردولا سارا بائی اور دوسرے حضرات دریافت حال کے لئے پانی پت آئے تو مجھ سے پوچھا۔ اس وقت ڈاکٹر کپور موجود تھے۔ میں نے اُن کی طرف اشارہ کردیا کہ ان حضرت سے دریافت کیجئے جن کا یہ سب کیا دھرا ہے تو مردولا سارا بائی کو بہت غصہ اور افسوس ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ضرور ہوا کہ ڈاکٹر کپور کو وہاں سے ہٹادیا گیا۔ مگر افسوس بعد از وقت۔

ایک لطیفہ اکثر مسلمان انخلار کے وقت اپنے مکانوں پر لکھ گئے تھے کہ مالک مکان لقاء اللہ ہے۔ چنانچہ شرنارتھیوں اور رفیوجیوں کا میرے مکان پر تانتا بندھ گیا۔ کہ فلاں مکان ہم کو دیدو' یہ سلسلہ بہت دنوں تک جاری رہا۔

انخلار مسجد و درگاہ۔ حضرت مخدوم شاہ جب رمضان شریف قریب آیا تو میں نے ڈپٹی کمشنر صاحب کو درخواست دی کہ میں رمضان شریف میں درگاہ میں تراویح اور قرآن شریف پڑھنا چاہتا ہوں۔ درگاہ و مسجد خالی کرادی جائے۔ اس وقت مسجد و درگاہ شریف اور اس کے سارے مکانات وجگہ شرنارتھیوں سے بھری پڑی تھی۔

مسجد میں نماز اور گرنتھ صاحب میری درخواست منظور ہوگئی چونکہ مسجد میں سکھوں کا گرنتھ رکھا ہوا تھا۔ اس کے منتقل کرنے کے لئے کوئی جگہ مناسب نہیں ملی تو اس کو مدرسہ میں منتقل کردیا گیا۔ اور رمضان شریف میں خدا کے فضل سے اطمینان سے قرآن شریف اور تراویح ادا کی گئیں۔ بریلی کے ایک حافظ صاحب جو دہلی میں موجود تھے میں ان کو جاکر لے آیا تھا۔ انھوں نے قرآن شریف سنایا۔ رمضان شریف کے بعد گرنتھ پھر مسجد میں آگیا۔ اور ہر سال ایسا ہی ہوتا رہا۔ کہ رمضان شریف میں گرنتھ مدرسہ میں رکھ دیا

Marfat.com

جانا اور بعد اختتام قرآن شریف وتراویح پھر مسجد میں آجاتا۔ ۱۹۵۶ء میں جب بالکل انخلا ہو گیا تو اس وقت سے مسجد میں نماز باجماعت اور قرآن پاک وتراویح باقاعدہ ہو رہی ہے۔ بہر حال ناغہ کبھی نہیں ہوا۔ (وَلِلّٰہِ الحمد)

ایک کرامت درگاہ حضرت مخدوم صاحبؒ میں ایک شرنارتھی خاندان آباد تھا۔ جس کا ایک نوجوان لڑکا دق کا سخت مریض تھا۔ اور اس کی چارپائی حضرت مخدوم شاہ صاحبؒ کے مزار کی پائنتی میں پڑی تھی۔ جب میرا آنا جانا مسجد میں ہونے لگا تو مجھ سے دعا کے لئے فرمائش کی گئی کہ مولوی صاحب اس مریض کے لئے دعا کر دیجئے کہ اچھا ہو جائے۔ میں نے کہا میرا ایک کہنا مان لو کہ اس کی چارپائی درگاہ سے باہر بچھا دو۔ اور روزانہ درگاہ میں چراغ جلاؤ۔ مریض اچھا ہو جائے گا۔ سردار جی میری بات سے متاثر ہوئے۔ اور میری ہدایت پر عمل کیا۔ خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ مریض دن بدن اچھا ہونے لگا۔ اس شخص نے کچھ دنوں بعد جب عرس کے دن آئے تو درخواست کی کہ میں نے منت مانی تھی کہ درگاہ پر چادر چڑھاؤں گا۔ لہٰذا چادر چڑھوا دو۔ چادر چڑھوا دی گئی۔ اور اس طرح عرس کی صورت نکل آئی اور عرس کبھی ناغہ نہیں ہوا۔

عرس قلندر صاحب ۹/۸ رمضان شریف جولائی ۴۸ء کو محمد یونس صاحب مالک جامعہ ہوٹل دہلی کچھ کھانا پکوا کر جس میں بریانی اور شیرمال تھے۔ ۸۔۱۰ ہمراہیوں کے ساتھ پانی پت آئے۔ ان کو پولیس نے روک لیا۔ اور تھانہ لے گئے۔ وہاں ان سے پوچھ گچھ کی گئی تو انھوں نے کہا کہ ہم پاکستانی نہیں ہیں، بلکہ دہلی سے درگاہ پر نیاز چڑھانے آئے ہیں۔ اور کوئی مقصد ہمارا نہیں ہے۔ مولانا لقاء اللہ صاحب کے مکان پر ٹھہریں گے چنانچہ ان کو چھوڑ دیا گیا۔ رات کو درگاہ قلندر شاہ میں ایک معمولی سا

Marfat.com

عرس ہوا۔ اور کھانا تقسیم کر دیا گیا۔

یہ لوگ رات کو میرے مکان پر آ گئے تو مشہور کر دیا گیا کہ پاکستانی لوگ آئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ میرے مکان پر شرنارتھیوں کی بھیڑ لگ گئی۔ جب میں نے ان کو سمجھایا کہ یہ لوگ دہلی سے آئے ہیں، پاکستانی نہیں ہیں۔ تب وہ لوگ واپس ہوئے۔ اور اس طرح عرس حضرت قلندر صاحب کی صورت نکلی۔ اِن دونوں بزرگوں کا عرس کسی سال بھی ناغہ نہیں ہوا۔

ایک غلط خبر

۱۴/فروری ۴۸ء کو ایک شخص مسمیٰ ظہور پانی پتی کا پاکستانی اخبارات میں بیان شائع ہوا۔ کہ پانی پت کے قلندر شاہ کی درگاہ کے کسوٹی کے ستون نکال لئے گئے ہیں۔ اور مولانا غوث علی شاہ صاحب کے مزار کا گنبد مسمار کر کے صاف کر دیا گیا ہے۔ اس بیان کے شائع ہونے کے چار پانچ روز بعد فروری کے آخر میں کرنل فخرالدین صاحب پانی پت تشریف لائے۔ اُن کے ساتھ کسٹوڈین پانی پت اور ضلع کرنال کے کچھ افسران بھی تھے۔ انھوں نے دونوں جگہ کا معائنہ کیا اور بالکل مطمئن ہو گئے۔ انھوں نے درگاہ غوث علی شاہ صاحب پر ایک کیمپ قائم کر دیا۔ جہاں دیہاتی مسلمان جمع ہوتے تھے۔ جہاں سے پاکستان روانہ کئے جاتے تھے۔ اسی طرح کرنال میں مغویہ عورتوں کا ایک کیمپ بنایا گیا تھا۔

خواتین کی بازیابی اور مذہبی آزادی

اس سے قبل ۱۸/جنوری کو ایک مرتبہ پھر گاندھی جی کے پاس دہلی گیا۔ اور اُن کو مغویہ مسلمان عورتوں کی بازیابی، اور دیہاتی مسلمانوں کے انخلاء کے اطمینان بخش انتظام کی طرف توجہ دلائی۔ اسی وقت میں نے مہاتما جی سے ایک مطالبہ یہ بھی کیا۔ کہ جو مسلمان مرتد ہو گئے ہیں وہ اگر بحیثیت مسلمان یہاں رہنا چاہیں تو ان کو آزادی دی جائے۔ مہاتما جی نے کہا کہ میرے پاس بھاگو

آنے والے ہیں۔ میں ان کو یہ سب باتیں سمجھادوں گا۔ وہ آپ سے پانی پت ملیں گے۔ بھارگو صاحب میرے ہیں۔

بھارگو صاحب پانی پت آئے اور انھوں نے مسلمانوں کی پوری مدد کرنے اور مجھ سے تعاون کا وعدہ کیا۔ عُرسوں کا سلسلہ شروع ہوجانے سے اور حکومت کی ظاہری روش سے مسلمانوں نے یہ سمجھ لیا۔ کہ اب ہم پر کوئی پابندی وغیرہ نہیں ہے تو وہ بھی ارکان اسلام کی ادائیگی کھلم کھلا کرنے لگے۔

خصوصی طور پر حضرت مخدوم شاہ صاحب کے ۱۹۴۹ء والے عرس میں صاف طور پر مسلمانوں نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان بھی کیا۔ اس وقت مقامی حکام نے بھی اُن کا حوصلہ بڑھایا۔

ایک مسلمان فوجی افسر نے مجھ سے کہا۔ کہ اِن مسلمانوں کی جو مسلمان رہنا چاہتے ہیں۔ یا پاکستان جارہے ہیں ان کی چوٹی کٹوا دیئے۔ میں نے کہا۔ کہ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ آپ پولیس کو باہر مشغول رکھیں اور اندر زنانے مکان میں ہم یہ کام کرتے ہیں۔ چنانچہ جن مسلمانوں نے اپنے مسلمان رہنے کا اعلان کیا' ان کی چوٹیاں کاٹی گئیں جس سے دو کنستر (تیل والے) بھر گئے۔

کام کی نوعیت اور گاندھی جی کا حادثۂ قتل

مہاتما جی نے مجھ سے پوچھا کہ کام کی نوعیت کیا ہوگی۔ اُس کے متعلق میں نے ایک خط لکھا۔ جو ۳۰ رجنوری ۱۹۴۸ء کو ۱۱ بجے دن کے وقت مہاتما جی کے پاس پہونچا۔ انھوں نے سردار گوربچن سنگھ سے کہا۔ کہ کل کو مولوی صاحب کی چٹھی کا جواب لکھنا۔ مگر ابھی کل نہیں آئی تھی کہ شام کے وقت مہاتما جی کے قتل کا واقعہ پیش آگیا۔ رات کو جب اطلاع ملی تو میرے مکان کے نیچے سے لوگ یہ کہتے ہوئے گذر رہے تھے کہ دہلی میں

Marfat.com

گاندھی جی کو قتل کر دیا گیا ہے یہاں اس کو (مجھ کو) بھی ختم کر دو۔ مگر خدا کا شکر ہے کہ کوئی واقعہ ناگواری کا پیش نہیں آیا۔ میں بدستور مغویہ عورتوں کے نکالنے کے کام میں عملی طور پر ارکان جمعیتہ علمار اور سوشل ورکروں مثلاً۔ بہن مردولا سارابائی کے ساتھ مصروف رہا۔ اور یہ کوشش جاری رہی کہ جو مسلمان ہند علاقہ میں رہ گئے ہیں۔ اُن کے بچوں کی تعلیم کا کوئی نہ کوئی بندوبست جلد ہونا چاہیئے۔ اور جو اوقاف ہیں ان کا انتظام بھی اپنے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔

دینی تعلیم کا سلسلہ ہنگاموں کے ختم ہونے اور فضا کے ساکن ہونے کے بعد جب یہ حقیقت سامنے آئی کہ مکمل تخلیہ اور انخلاء کے باوجود مسلمان دیہاتوں میں موجود ہیں۔ تو جمعیتہ علمار ہند کے ذمہ دار حضرات کی طرف سے اصرار شروع ہوا کہ پانی پت میں دینی تعلیم کا سلسلہ ازسرِنو شروع کیا جائے۔ اور کوشش کی جائے کہ دیہات کے مسلمان بچوں کو یہاں لا کر رکھا جائے۔ اور اُن کو دینی تعلیم سے آشنا کیا جائے۔ اس تحریک کو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا ابوالکلام آزاد کی تائید سے تقویت حاصل ہوئی۔ چنانچہ ستمبر ۵۲ء سے دینی تعلیم کا مکتب قائم کیا گیا۔ دشواری یہ تھی کہ پانی پت میں کوئی مسلمان بچہ نہیں تھا۔ دیہات کے بچھڑے ہوئے اِکّا دُکّا تباہ حال مسلمانوں میں نہ تعلیم کا شوق تھا نہ اتنی ہمت تھی۔ کہ اپنے بچوں کو جدا کریں۔ نہ خود بچوں میں کوئی شوق یا احساس تھا۔ ان تمام باتوں کا اثر یہ تھا کہ بمشکل بچوں کو لایا جاتا۔ بچے کچھ دن پڑھتے اور پھر نکل کر چلے جاتے تھے۔

بہرحال پہلی مرتبہ جناب کنور عبدالرحمن صاحب کی نگرانی میں مدرسہ کی ابتدا کی گئی۔ جمعیتہ علمار ہند کی طرف سے ماہانہ امداد جاری کی گئی۔ مگر یہ مکتب چند ماہ جاری رہ کر بند ہوگیا۔

Marfat.com

پھر حافظ عبدالحمید صاحب کو جو پانی پت کے شاگرد ہیں۔ اور یہاں ہی کے باشندہ ہو گئے تھے۔ ان کو بلا کر مدرسہ اُن کے سپرد کیا مگر وہ بھی نہ چلا سکے۔ پھر حافظ محمد عمر صاحب کو قصبہ سہنسپور ضلع بجنور سے یہاں بلایا۔ اور مدرسہ اُن کے سپرد کر دیا۔ حافظ صاحب کا بچپن پانی پت ہی میں گذرا تھا۔ آپ نے یہیں تجوید و قرارت کی تکمیل کی تھی۔ خدا کا شکر ہے آپکی محنت و جانفشانی سے مدرسہ اب تک جاری ہے۔

حافظ صاحب موصوف نہ صرف مدرسہ کی نگرانی اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا کام کرتے ہیں۔ بلکہ میرے دستِ راست ہیں۔ اور مدرسہ کے لئے مالی امداد کا فراہم کرنا، اور اوقاف کے مقدمات کی پیروی نہایت تندہی اور ہمدردی سے کر رہے ہیں۔ اور بہت کامیاب ہیں۔

کچھ دنوں بعد نواب عظمت علی خاں صاحب رئیس کرنال کی موقوفہ جائداد سے تقریباً تین ہزار روپے سالانہ کی امداد آنے لگی۔ اور ایک ادارۂ اسلامی پانی پت و کرنال کے نام سے قائم کیا گیا جس میں مسٹر محمد احمد کاظمی ایڈووکیٹ و ممبر پارلیمنٹ، مولانا سید محمد میاں صاحب، میر احمد حسین صاحب حافظ عبدالجلیل صاحب، حافظ فیاض احمد صاحب انصاری پانی پتی، اور راقم الحروف ممبر مقرر کئے گئے۔ یہ ادارہ اس وقت تک قائم ہے اور اس کے ماتحت مدرسہ اس وقت تک جاری ہے۔ تقریباً ۶۰ بچے قرآن شریف، اور رسالہ تعلیم الاسلام اور جمعیۃ علمار ہند کی مرتب کردہ مذہبی کتابیں پڑھنے اور لکھنے کے قابل ہو کر فارغ ہو چکے ہیں۔

ادارۂ اسلامی کی امداد کے لئے وقف نواب عظمت علی خاں کی جانب سے یہ شرط تھی کہ جب کرنال کی جامع مسجد مسلمانوں کے قبضہ میں آجائے گی۔ اور وہاں مدرسہ قائم ہونے کی صورت ہو جائے گی تو یہ رقم بند کر دی جائے گی

Marfat.com

اور وہاں خرچ ہوگی۔

چنانچہ بحمداللہ سعی و کوشش سے کرنال کی جامع مسجد خالی ہوگئی ہے۔ اور وہاں مدرسہ قائم ہوگیا ہے۔ راؤ محمد حسین خاں صاحب وہاں مقیم ہیں۔ اور کرنال کے حصہ کی رقم اس مدرسہ کو دی جارہی ہے۔ لیکن اس کا دوسرا نتیجہ یہ بھی ہے کہ پانی پت کے مدرسہ کی آمدنی بہت محدود رہ گئی ہے۔ یعنی صرف تقریباً ایک ہزار روپیہ سالانہ رہ گئی۔ اس بنا پر وظیفہ پانے والے طلبہ کی تعداد کم کرنی پڑی۔ تاہم مدرسہ جاری ہے۔ اور اب وقف درگاہ قلندر صاحب و درگاہ مخدوم صاحبؒ اور بعض دوسری درگاہوں کی آمدنی بھی ہونے لگی ہے۔ تو توقع ہے۔ مدرسہ کو ترقی کا موقع ملے گا۔ اور طلبہ میں اضافہ ہوسکے گا۔

تنظیم اوقاف اوقاف کے بارے میں عرصہ سے لگن اور خواہش تھی۔ کہ کسی طرح اِن کا تحفظ ہوجائے اپنے طور پر حکومت کو مسلسل توجہ دلا رہا تھا۔ کہ کم سے کم دو چار وقف ہی میرے سپرد کردیئے جائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ درگاہ مخدوم صاحبؒ، درگاہ بوعلی شاہ قلندر، درگاہ حضرت شیخ جلال الدین کبیرالاولیاء ۱۹۵۷ء میں میرے سپرد کردی گئی۔ درگاہ مخدوم صاحبؒ کچھ دنوں بعد بالکل خالی ہوگئی لیکن درگاہ بوعلی شاہ قلندر میں زنانہ اسکول تھا۔ اور باوجود وعدوں کے میونسپلٹی درگاہ شاہ قلندر سے اسکول نہیں ہٹا رہی تھی۔ اور درگاہ کو خالی نہیں کیا جارہا تھا۔ تو اپریل ۱۹۵۷ء میں اکابرین جمعیۃ علماء ہند کے مشورے سے میں نے میونسپلٹی پانی پت کو نوٹس دیا۔ کہ درگاہ شاہ قلندر سے مدرسہ ہٹا کر اس کو خالی کرکے دروازہ پر قفل لگا کر کنجی میرے حوالے کرو۔ ورنہ میں ستیہ گرہ شروع کردوں گا۔

بحمداللہ اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ اور جون ۱۹۵۷ء میں درگاہ خالی

Marfat.com

ہوگئی۔ اس کے بعد صحیح طور پر اجتماعی کوشش مشرقی پنجاب کے اوقاف کی واگذاری کے لئے جمعیتہ علماء ہند کی طرف سے شروع ہوگئی۔ اور کئی سال کی جدوجہد کے بعد اکتوبر ۱۹۶۱ء میں پنجاب وقف بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی۔ اب بحمداللہ پنجاب وقف بورڈ اطمینان اور تندہی سے مسلمانوں کی تعلیمی، مذہبی کاموں میں مدد کر رہا ہے۔

سیکولرزم کا ایک خوشگوار نتیجہ اور حکومت کا حوصلہ مندانہ اقدام

ہزاروں انسان دوبارہ دامن اسلام میں

دیہات کے خوف زدہ مسلمانوں کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ ان کو مرتد کہنا تو اس لئے صحیح نہیں ہے کہ اسلام سے ایک لمحہ کے لئے بھی منحرف نہیں ہوئے تھے۔ اُن کے دلوں میں اسلام اسی طرح رچا ہوا تھا۔ بلکہ بعض ایسی مثالیں بھی ملی ہیں کہ لوگ چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے۔ البتہ حالات کی ہولناکیوں سے مرعوب ہو کر انھوں نے سر پر چوٹیاں رکھ لی تھیں۔ اور اپنے آپ کو ہندو کہنے لگے تھے۔ ان کا معاملہ بہت تکلیف دہ تھا۔ اور ان کی وجہ سے ہر وقت پریشانی رہتی تھی۔ ان کے متعلق حکومت سے عرض معروض اور خط و کتابت کرتا رہا۔

مزید برآں غیبی تائید یہ ہوئی کہ اسی طرح کے مسلمانوں کا ایک وفد جو پٹیالہ ضلع کے رہنے والے تھے، دہلی پہونچا۔ اور مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ اپنی فریاد حکومت ہند کے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو تک پہونچائی۔ کہ مذہبی آزادی کا نہ صرف اعلان بلکہ ایسا انتظام کیا جائے کہ ہم آزادی کے ساتھ اپنے اسلام کا اظہار کر سکیں، ورنہ

Marfat.com

ہمیں پاکستان پہونچانے کا انتظام کیا جائے۔

یہ بات باعث مسرت ہے کہ پنڈت نہرو نے ان کی فریاد کی طرف فوراً توجہ کی۔ اور ایک سرکلر جاری کر دیا۔ کہ ۱۹۴۷ء سے پہلے جو مسلمان تھے۔ وہ مسلمان ہی ہیں۔ وہ آزادانہ اپنے مذہبی احکام پر عمل کر سکتے ہیں۔ روک ٹوک کرنے والوں اور ڈرانے دھمکانے والوں کو مجرم قرار دیا جائے۔ اور ان کو اس جرم سے باز رکھا جائے۔

بہرحال حکومت نے اس سرکلر پر حوصلہ مندی سے عمل کیا سوشل ورکروں، سرکاری ملازموں اور پولیس وغیرہ کے ذریعہ اس سرکلر کا عام اعلان کیا گیا۔ اور دو چار جگہ ڈرانے دھمکانے کے واقعات پیش آئے تو اُن کو سختی سے روک دیا گیا۔

پھر سیاسی حالات نے بھی کچھ ایسا پلٹا کھایا کہ مسلمان کی قیمت بڑھنے لگی۔ پنجابی اور ہندی زبان کے قضیے میں ہندو اور سکھوں میں کچھ کشیدگی پیدا ہوئی تو مسلمانوں کو تیسری پارٹی قرار دے کر ہر ایک نے اپنی طرف کھینچنا چاہا۔ بہرحال خدا کا شکر ہے کہ یہ سب مسلمان اس وقت مذہبی آزادی سے بہرہ اندوز ہیں۔ اور اب اس نفرت کے آثار بھی تقریباً ختم ہیں جو اس دورِ نامسعود میں ان تمام تباہیوں اور بربادیوں کی ذمہ دار تھی۔

مسلمانوں کی جائدادوں کی واگذاری

مسلمانوں کے پاکستان جانے کے بعد حکومت مشرقی پنجاب نے یہ عام فیصلہ کر دیا کہ یہاں کوئی مسلمان نہیں ہے۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ جو مسلمان یہاں رہ گئے تھے اُن کی جائدادیں بھی ضبط کر لی گئیں۔ خود اس فقیر کی جائداد بھی ضبط ہوئی۔ ان جائدادوں کے متعلق جمعیۃ علماء ہند نے جو جدوجہد کی وہ اس کا ایک تاریخی کارنامہ ہے جس کی بنا پر کروڑوں

روپوں کی جائدادیں مسلمانوں کے پاس محفوظ رہ گئیں۔ جمعیۃ علماء ہند کے علاوہ اس فقیر کی خط و کتابت بھی حکومت ہند اور حکومت پنجاب سے ۱۹۴۸ء سے جاری رہی۔

جمعیۃ علماء ہند کی جدوجہد اور احقر کی مراسلت کے نتائج زیادہ بہتر ہو سکتے تھے۔ مگر بدقسمتی سے محکمہ کسٹوڈین میں ایسے شرنارتھی حکام اور عملہ تعینات کیا گیا۔ جن کے دلوں میں انسانی درد اور ہمدردی پاس کو بھی نہیں گذری تھی۔

انھوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے ساتھ وہ جابرانہ سلوک کیا کہ تاریخ یاد رکھے گی۔ حالانکہ اس وقت تک بہت سے معاملات طے ہو چکے ہیں۔ لیکن پھر بھی میرے جیسے گوشہ نشین انسان، عدالتوں کے چکر سے گھبرانے والے، بے یار و مددگار اب تک پریشان ہیں۔ اور ان کی جائدادیں کسٹوڈین نے غیر قانونی طور پر زبردستی ہڑپ کرلی ہیں۔ ہندوستان میں مسلمان موجود ہے۔ مگر کسٹوڈین کے فائل میں لکھا ہوا ہے کہ وہ پاکستان چلا گیا ہے۔ اور یہ جائداد کسٹوڈین کی ہے۔

مغویہ عورتوں کی بازیابی

کرنل فخرالدین پاکستانی فوجی افسر نے شروع نومبر ۱۹۴۷ء میں ورگاہ حضرت مولانا غوث علی شاہ میں کیمپ قائم کردیا تھا۔ وہاں پر دیہاتی مسلمانوں کو جو پاکستان جانا چاہتے تھے اکٹھا کیا جاتا تھا۔ اور جو عورتیں بازیاب اور برآمد ہوتی تھیں ان کو یا تو پاکستان بھیج دیا جاتا تھا۔ یا جن کے اعزا کا پتہ چل سکا اُن کے حوالے کردیا جاتا تھا۔

شروع نومبر ۱۹۴۷ء میں فساد ہو رہا تھا جس میں تقریباً دو ڈھائی ہزار آدمی کام آئے۔ اور سات سو کے قریب عورتیں اغوا کی گئیں۔ مس مردولا سارا بائی صاحبہ کی اسکیم کے تحت مولوی انیس الحسن صاحب ورکر جمعیۃ علماء ہند مغویہ

عورتوں کی بازیابی کے لئے بس مردولا سارا بائی کے ساتھ پانی پت آئے۔ اور میری مرتب کردہ فہرست کے مطابق مغویہ عورتوں کی بازیابی ہوئی۔ بحمداللہ دو چار عورتوں کے سوا جن کی موت و زندگی کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔ تمام مغویہ عورتیں برآمد ہوگئیں۔ اسی سلسلہ میں بعض شرنارتھی بھائیوں کی عورتیں جو پاکستان میں رہ گئی تھیں یا اغوا کرلی گئی تھیں ان کی بازیابی بھی اپنے احباب واعزا کے ذریعہ جو پاکستان میں تھے ہوتی رہی۔ اللہ تعالےٰ نے اس کام میں کامیابی عطا فرمائی۔ بعض معاملات میں کچھ دشواری بھی پیش آئی لیکن اللہ تعالےٰ نے ہماری مدد فرمائی۔ اور آسانیاں پیدا کرکے ہم کو کامیاب بنایا۔

حرفِ آخر ناسپاسی ہوگی اگر میں اس تذکرے میں میر احمد حسین صاحب شملوی کا ذکر نہ کروں کیونکہ انھوں نے اس جد وجہد اور تگ و دو میں یعنی مسلمانوں کو مسلمان رہنے۔ انکی جائدادوں کی واپسی، اوقاف کی واپسی، اور ان کا انتظام والنصرام اور دوسرے مسائل میں جس غیر معمولی دلچسپی سے کام لیا وہ ہر ایک ہمدرد ملت بالخصوص مسلمانان مشرقی پنجاب کی طرف سے ہزاروں شکریہ کی مستحق ہے۔ جب کبھی مقامی حکام، حکام ضلع یا صوبائی یا مرکزی حکومت سے خط وکتابت یا ملاقات کی ضرورت پیش آئی تو جہاں جماعتی حیثیت سے جمعیۃ علماء ہند کے کارکن اور جمعیۃ علماء ہند کا دفتر مستحق شکریہ ہے کہ اس نے اس ضرورت کو پورا کیا۔ انفرادی حیثیت میں میر صاحب موصوف مستحق ستائش ہیں نکاسی جائدادوں کے سلسلہ میں حکومت کی طرف سے ایک تاریخ مقرر کی گئی کہ جو لوگ پاکستان نہیں گئے ہندوستان ہی کے کسی مقام پر رہے وہ فلاں تاریخ تک واپسی جائداد کی درخواست دیدیں۔ ملیے مسلمان ہزاروں کی تعداد میں ہیں۔ ان لوگوں نے معینہ تاریخ تک درخواستیں دیں۔

میر احمد حسین صاحب شملوی نے صرف یہی نہیں کہ اس طرح کی درخواستیں لکھنے میں رہنمائی فرمائی۔ بلکہ ایسی درخواستیں خود ہی ٹائپ بھی کیں۔ اور پوری توجہ سے اُن کو

Marfat.com

بروقت روانہ کیا۔ اس طرح کی خدمات میں جہاں میر صاحب کا وقت خرچ ہوا۔ آپ پر مالی بار بھی پڑا۔ جس کو میر صاحب نے فراخ حوصلگی سے برداشت کیا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو اسکی جزائے خیر دے اور اس دولت سے سرفراز فرمائے جو اس کے نزدیک بہت سے بہتر ہے۔

حضرت مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحبؒ مولانا آزادؒ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحبؒ مولانا احمد سعید صاحبؒ مولانا محمد میاں صاحب اور دوسرے تمام ارکان جمعیۃ علماء ہند کیلئے بھی یہی دعا میری اور پنجاب کے تمام مسلمانوں کی جانب سے ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ آبادکاری، مغویہ عورتوں کی بازیابی اور اوقاف کی واگذاری، مسلمانوں کی ارتداد سے واپسی، یہ سب امور بخیر و خوبی کامیاب ہو گئے ہیں۔ البتہ کچھ مسلمانوں کی جائدادیں اور کچھ اوقاف کی جائدادوں کی واپسی کا مسئلہ باقی ہے۔ اللہ تعالیٰ محکمہ کسٹوڈین کے حکام و عمال کو فرض شناسی کی توفیق بخشے۔ تاکہ مسلمان اپنا جائز حق پاکر مطمئن ہوں۔ اور حکومت کا بول بالا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے۔

لقاء اللہ عثمانی (پانی پت)

۸ محرم الحرام ۱۳۸۳ھ مطابق یکم جون ۱۹۶۳ء

خاتمہ کتاب | ایک سبق ــــ جو کبھی بھی فراموش نہ ہونا چاہیئے۔

آپ نے بزرگان پانی پت کے حالات میں تقریباً تین سو صفحات کا مطالعہ کیا ان حالات میں مرکزی نکتہ جس کی جھلک ہر جگہ نظر آرہی تھی۔ کیا تھا۔؟

پریم۔ محبت۔ رواداری۔ اپنوں پرائیوں سے اچھا سلوک۔ ایک دوسرے پر اعتماد۔ خدا شناسی اور خدا ترسی۔ ان تین سو صفحات میں آپ کو یہی باتیں ملیں گی۔ جو دراصل انسانیت کی صحیح تصویر اور شرافت کا جوہر ہیں۔

پھر آپ نے حضرت مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی کا بیان بھی ملاحظہ فرمایا۔ یقیناً آپ کا مزہ بگڑ گیا ہوگا۔ وہی انسان جو شرافت کا پیکر تھے آپ کو بھیڑیئے معلوم

ہونے لگے ہونگے۔ یہ فرق کیوں ہوا۔ اس وقت ۱۹۶۳ء میں جبکہ جمہوریہ ہند پروان چڑھ رہا ہے ہمارا فرض ہے کہ ہم اس فرق کو سمجھیں اور اس کی بنیادی وجہ معلوم کریں۔

وجہ مسلمان بادشاہوں کو آپ کچھ بھی کہیں۔ ان کی آپس کی لڑائی جھگڑوں کے متعلق آپ کچھ بھی فیصلہ کریں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اُن کا اصول حکمرانی وہ تھا۔ جس کی وصیت بابر نے اپنے بیٹے ہمایوں کو کی تھی۔

اے پسر مملکت ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے۔ الحمدللہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی۔ تمہیں لازم ہے کہ تمام تعصبات مذہبی کو لوح دل سے دھو ڈالو۔ اور عدل وانصاف میں ہر مذہب و ملت کے طریق کا لحاظ رکھو۔ جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں پر قبضہ نہیں کر سکتے۔ جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر کام کر رہے ہیں۔ اسی طرح مختلف المذاہب رعایا کو ملا جلا رکھو اور ان میں اتحاد عمل (قومی یکجہتی) پیدا کرو۔ تاکہ جسم سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔

(بحوالہ علماء ہند کا شاندار ماضی ج ۲ و اخبار خلافت ۱۹ اگست ۱۹۲۶ء)

بیشک ایسا ہوا کہ ہمایوں کو شیر شاہ نے ہندوستان سے بھگا دیا۔ پھر تقریباً بارہ سال بعد ہمایوں نے چڑھائی کر کے شیر شاہ کے وارثوں کو ختم کیا۔ مگر یہ لڑائی حکمرانوں کی تھی۔ وہ آپس میں تباہ ہوتے اور ایک دوسرے کو تباہ کیا کرتے تھے لیکن جیسا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی رپورٹ پنجم ۱۸۱۲ء میں کہا گیا تھا۔ اس تباہی کا اثر عوام پر نہیں پڑتا تھا۔ رپورٹ میں تحریر ہے۔

" میونسپل (مقامی) گورنمنٹ کے اس سادہ نظام میں (یعنی دیہات کے پنچایتی نظام میں) اس ملک کے باشندے نامعلوم زمانہ سے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ وہ یہ فکر نہیں کرتے کہ بادشاہت ٹوٹ گئی یا منقسم ہوگئی۔ جب تک اُن کا گاؤں صحیح سالم ہے انھیں پرواہ نہیں کہ وہ کس سلطنت میں شامل

Marfat.com

ہوگیا۔ یا کس بادشاہ کے قبضہ میں آگیا۔ اُس کی اندرونی زندگی کے آئین اور دستور منقلب نہیں ہوتے۔" (دت ص ۱۹۶)

بہرحال۔ بابر کی وصیت سے جو اصول معلوم ہوتا ہے۔ اس کے نتائج وہ تھے جو آپ نے کتاب کے تین سو صفحات میں ملاحظہ فرمائیے۔

اب آئیے۔ انگریزوں کا اصول حکمرانی ملاحظہ فرمائیے:۔

"ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی اور حربی نظم ونسق سے، یہ اصول ہمیشہ مدنظر رکھنا چاہیئے۔ "تفرقہ ڈالو اور حکومت کرو۔"

(بحوالہ ایشیاٹک جنرل ۱۸۲۱ء)

"نفاق ڈال کر حکومت کرنا رومیوں کا اصول تھا۔ یہی اصول ہمارا بھی ہونا چاہیئے۔" (یادداشت لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی مورخہ ۱۴ رمئی ۱۸۵۹ء)

(بحوالہ ان ہیپی انڈیا۔ مصنفہ لالہ لاجپت رائے)

پانی پت کے یہ واقعات جو مختصر اور منتشر طور پر آپ نے مولانا لقاء اللہ صاحب عثمانی کے بیان میں ملاحظہ فرمائے۔ نفاق کے اسی پودے کے کڑوے پھل تھے جس کو انگریزوں نے بویا تھا۔ افسوس سو سال میں اُس کی جڑیں اتنی گہری پھیل گئی ہیں کہ ۱۶ سال ہوگئے۔ انگریز جاچکا۔ مگر یہ جڑیں اب تک نہیں اکھڑ سکیں۔

لعل اللّٰہ یحدث بعد ذالک امراً۔

گندم از گندم بروید جو ز جو   از مکافات عمل غافل مشو

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

محمد میاں

(۱۱ر صفر ۱۳۸۳ھ مطابق ۳ر جولائی ۱۹۶۳ء)

Marfat.com

Marfat.com

دینی تعلیم و تربیت کے اُردو ہندی رسالے

عام فہم ۔ دلچسپ ۔ مستند اور معتبر ۔ ظاہری اور معنوی خوبیوں سے آراستہ آپ خود ملاحظہ فرمائیں ۔ بچوں اور عورتوں کو مطالعہ کرائیں ۔

مقصد

یہ ہے کہ بزرگوں اور پیشواؤں کے حالات معلوم ہوں ۔ ہم اور ہمارے بچے اور عورتیں انہیں پڑھ کر اچھے اور نیک بننے کی کوشش کریں ۔ اللہ تعالے ہماری مدد فرمائے ۔

اُردو

نام کتاب		قیمت
حق تعالے کا کچھ ذکر		۳۰ نئے پیسے
محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)		۶۰ " "
ابوبکر صدیق	رضی اللہ عنہ	۵۰ " "
عمر فاروق	رضی اللہ عنہ	۵۰ " "
عثمان غنی	رضی اللہ عنہ	[illegible]
علی	رضی اللہ عنہ	۲۰ " "
امام ابوحنیفہ	رحمۃ اللہ	۵۰ " "
امام مالک	رحمۃ اللہ	۶۰ " "
امام شافعی	رحمۃ اللہ	۴۰ " "
امام احمد بن حنبل	رحمۃ اللہ	۴۰ " "
حضرت موسیٰ علیہ السلام		۲۵ " "
حضرت عیسیٰ علیہ السلام		۲۵ " "

ہندی

نام کتاب	قیمت
تعلیم الاسلام حصہ اوّل	۳۰ نئے پیسے
" " حصہ دوم	۳۰ " "
" " حصہ سوم	۴۴ " "
" " حصہ چہارم	۶۰ " "
دینی تعلیم کا رسالہ ۱	۲۰ " "
" " ۲	۵۰ " "
" " ۳	۶۰ " "
" " ۴	۴۴ " "
" " ۵	۵۳ " "
" " ۶	۸۰ " "
ہندی کا قاعدہ ۔ گیان مالا	۲۰ " "
گیان مالا پہلا بھاگ	۴۰ " "
گیان مالا دوسرا بھاگ	۵۰ " "

الجمعیۃ بک ڈپو ۔ گلی قاسم جان دہلی

ٹائیٹل مطبوعہ فائن پریس جامع مسجد دہلی

Marfat.com